خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب

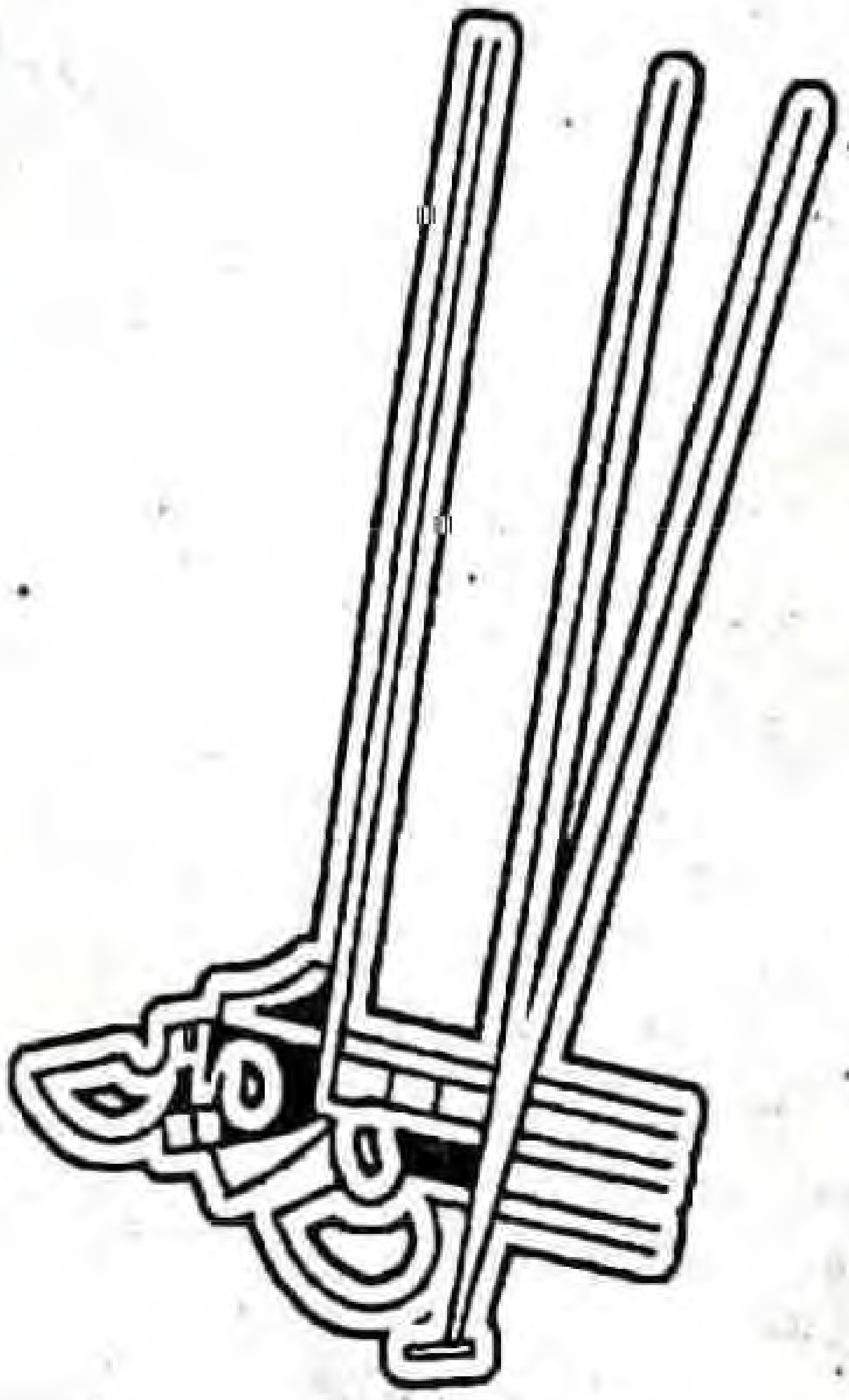
ماہنامہ

آنچل

کراچی

فروری 2020

N yufaq.com



ابتدائیہ

دانش کدہ

ہمارا آنچل

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

افسانہ

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتا: 81 نیپیئر بیرکس، ہاکی کلب آف پاکستان، اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

تیری زلف کے سر ہونے تک

اقرا صغیر احمد

تمام عمر آپ کو زندگی کا پیار ملے
خدا کرے کہ خوشی آپ کو بار بار ملے
میری دعا ہے رہیں پھول آپ کی راہوں میں
قدم قدم پہ آپ کو موسم بہار ملے

السلام علیکم!
قارئین کرام۔ اکتالیس ماہ کا سفر بلآخر اختتام ہوا۔ میں مشکور ہوں آپ لوگوں کی محبت، تعریف وتنقید کی جو اس طویل عرصے میں میرے لیے مشعل راہ بنیں۔ الحمدللہ اس ناول نے میری توقع سے بڑھ کر کامیابیاں سمیٹی ہیں۔ یہ سب آپ لوگوں کی محبتوں کے طفیل ہی ہوا ہے، میری ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ میں اپنے پڑھنے والوں کی محبت کا جواب محبت سے دے سکوں اس کا اندازہ مجھے آپ کے خطوط پڑھ کر ہوتا ہے جن کا میں ہر ماہ بے چینی سے انتظار کرتی ہوں۔ بہت سے قارئین نے پوچھا ہے کہ سودہ اور زید کے کردار کیا حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں؟ جی بالکل رکھتے ہیں میرے تمام کردار اس معاشرے میں ہی چلتے پھرتے دکھائی دیں گے کہ میں اس معاشرے سے ہی کہانیاں اخذ کرتی ہوں۔ ہمارے یہاں ایک چہرے پر کئی کہانیاں نظر آتی ہیں۔ بعض اوقات ایک لفظ، ایک نظر ایک منظر طویل ناول تحریر کرنے کا موجب بن جاتا ہے۔ ایک بار پھر میں آپ لوگوں کی محبتوں کی تہہ دل سے مشکور ہوں اور طاہر بھائی قیصر آرا، سعیدہ نثار صاحبہ دیگر اسٹاف کی شکر گزار ہوں جن کی مہربانیاں وعنایتیں میرے ساتھ بھرپور تعاون کی صورت میں موجود رہی ہیں۔ خصوصی طور پر میں مشتاق احمد قریشی صاحب کی ممنون ہوں جن کی دعائیں اور نیک تمنائیں ہر روز میرے ساتھ ہوتی ہیں۔

فی امان اللہ
اقرا صغیر احمد

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شعوانہ بیگم زرقا بیگم کے سامنے روتی ہیں اور ماضی کی غلطیاں دہراتی ہیں وہ نوفل سے بھی معافی مانگنا چاہتی ہیں جب ہی زرقا بیگم کے پاس آجاتی ہیں۔ ان کی ملاقات سرسری سی انشراح سے بھی ہوتی ہے اور انشراح کے حوالے سے وہ زرقا بیگم سے سوال کرتی ہیں۔ عمرانہ نہ چاہتے ہوئے بھی سودہ اور زید کی باتیں سن لیتی ہیں اور مائدہ سے الجھ جاتی ہیں وہ کسی صورت زید کی شادی سودہ سے کرنے کے حق میں نہیں تھیں پر مائدہ کی ضد میں یہ سب کرگئی تھیں اب بھی اسے ہی الزام دے رہی ہوتی ہیں مائدہ سودہ کی حمایت کرتی انہیں مزید غصہ دلا جاتی ہے۔ شعوانہ نے عکرمہ کو چھوڑ کر غلط کیا تھا اس بات کا احساس اسے وقت گزرنے کے بعد ہوتا ہے وہ عکرمہ سے بھی معافی مانگنا چاہتی ہے پر اس سے پہلے عکرمہ دنیا چھوڑ چکا ہوتا ہے۔ شعوانہ بیگم والد کے دوست سے شادی کرلیتی ہیں

جنید کی والدہ مائدہ کو تنقیدی نظروں سے دیکھتی سوال کرتی ہیں جس پر مائدہ گھبرا جاتی ہے عمرانہ کو جنید کی والدہ پسند نہیں آتی جس کا اظہار وہ ان کے جانے کے بعد مائدہ اور زید سے کرتی ہیں اور مائدہ انہیں سمجھاتی ہے۔ انشراح زرقا بیگم کو نانی اور بالی کی آمد کا بتاتی ہے۔ زرقا بیگم اس کے جانے کا سوچ کر افسردہ ہو جاتی ہیں اور نوفل کی شادی کی بات یوسف صاحب سے کرنے کا کہتی ہیں۔ نوفل شادی سے انکاری ہو جاتا ہے۔ جس پر زرقا بیگم الجھ جاتی ہیں۔ انشراح اب خوش رہنے لگی تھی اور یہ بات بالی محسوس کر لیتی ہے کہ اب وہ تنہا رہنے سے بھی گھبراتی ہے۔ وہ انشراح سے اس حوالے سے پوچھتی ہے تو وہ اسے اس رات کا تمام قصہ سنا دیتی ہے۔ بالی ملازموں کی اس حرکت پر حیران رہ جاتی ہے۔ مائدہ جنید کی والدہ کی طرف سے پریشان ہوتی ہے کہ آنے والی زندگی میں نجانے وہ عورت اس کے ساتھ کیا کرے تب سودہ اسے سمجھاتی ہے۔ ایسے میں عمرانہ وہاں آ جاتی ہیں اور اس کی بات کو اپنے مطلب کے معنی پہنا دیتی ہیں۔ جس پر سودہ زید کی زندگی سے نکلنے کی بات کرتی ہے۔ یہ بات زید بھی سن لیتا ہے۔ نوفل انشراح کو چھوڑنے آتا ہے۔ انشراح اسے اندر آنے کا کہتی ہے۔ جس پر وہ غصہ سے انکار کر دیتا ہے۔ تب بالی اسے اصرار کر کے اسے اندر لے آتی ہے۔ سودہ کمرے میں ہوتی ہے تب اسے متلی ہوتی ہے اور وہ خون دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ نوفل بھی اسی وقت کمرے میں آتا ہے اور سودہ کی خراب طبیعت دیکھ کر فوراً اسے اسپتال لے جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



بالی کی بات پر وہ مسکرا دیا اور پھر کچھ توقف کے بعد سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"سچ بات تو یہ ہے کہ اس حرکت نے مجھے بری طرح ہرٹ کر دیا تھا۔ میں خود پر قابو نہ پا سکا تھا اور غصہ سے میرے اعصاب شل ہو گئے تھے۔ سارے اشتعال کے کئی دنوں تک میں شدید ڈسٹربنس کا شکار بھی رہا تھا۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ دل تو میرا بھی چاہ رہا ہے کہ وہ دونوں نمک حرام میرے سامنے آ جائیں تو ان کی ایک ایک ہڈی اپنے ہاتھوں سے توڑ دوں، ہمارا اعتماد چور چور کیا کیا کچھ نہ کیا تھا ان کے لیے، اب کوئی مخلص بھی ہمارے سامنے آئے گا تو ہم اس پر کس طرح اعتماد کریں گے سانپ کا ڈسا ہوا رسی سے بھی ڈرتا ہے۔" جہاں آرا خلوص بھرے لہجے میں اس سے محو گفتگو تھیں۔ چکن

کے وہائٹ سوٹ پر سیاہ گرم شال سے سر ڈھانپے بیٹھی ہوئیں جہاں آرا کے انداز میں بزرگی جھلکنے لگی تھی یہ سب سچی توبہ اور دل سے مانگی گئی معافی تھی، جس نے ان کے اندر پُروقار جاذبیت عطا کردی تھی ورنہ نوفل نے ان کو چھوٹے بلاؤز والی ساڑھیوں اور جینز و شرٹ میں بھی دیکھا تھا اور تب اس کو ان کے وجود سے گھن آتی تھی عجیب سی پھٹکار زدہ لگا کرتی تھی۔

"کہاں گم ہوگئے ہیں بیٹا، میں کچھ کہہ رہی ہوں آپ سے؟"

"جی..... جی سوری میں سن نہیں سکا آپ کیا فرما رہی تھیں؟" وہ معاً چونک کران کی جانب متوجہ ہوا۔

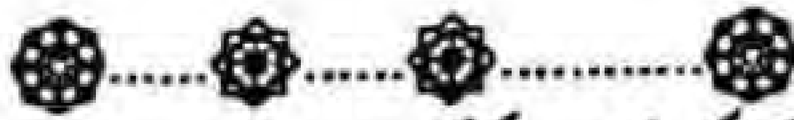
"میں کہہ رہی ہوں آپ کو معلوم ہے، ہم جلد ہی امریکا روانہ ہوجائیں گے اور انشی ہمارے ساتھ جانے کو راضی نہیں ہے۔ ایک دن میں ہی اس کی تنہائی سے نوکروں نے فائدہ کس طرح اٹھا کر اس کو تشدد کا نشانہ بنایا' یہ سب ہونے کے بعد اس کو تنہا یہاں چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' آپ سمجھ رہے ہیں ناں میری بات؟ میں چاہتی ہوں یوسف صاحب اور زرقا بیگم سے شادی کی بات کروں۔" وہ اصل موضوع کی طرف آ گئیں۔

"میں ابھی شادی کے لیے تیار نہیں ہوں۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"ہماری مجبوری آپ بخوبی جانتے ہیں۔ ہمارے پاس ٹائم کم ہے۔"

"آپ فکر کیوں کرتی ہیں۔ وہ پہلے کی طرح اب بھی ماما کے ساتھ رہے گی۔"

"کب تک رہے گی اور زرقا بیگم کس طرح سب کو مطمئن کرتی رہے گی اور کیا بتائیں گی کہ وہ کیوں وہاں قیام پزیر ہے۔ لوگ کسی بھی سرکل میں ہوں زبان رکھتے ہیں۔"



"سب خیریت تو ہے ڈاکٹر؟" اس نے ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر استفسار کیا۔ اس وقت اس کا چہرہ ہلدی کی مانند زرد ہو رہا تھا اور دل کی دھڑکن کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔ سرد موسم میں بھی چہرہ پسینے سے تر ہوگیا تھا۔

"آپ میرے ساتھ آئیں۔" ڈاکٹر اس کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

وہ مائدہ کو ساتھ لے کر ڈاکٹر کے ہمراہ ان کے روم میں آ گیا جہاں اس نے کئی سوالات کیے تھے۔ سودہ کی صحت و بیماری کے مطابق وہ کیا بتاتا کہ اس کو معلوم ہی نہ ہوسکا تھا کہ وہ کب سے اندر ہی اندر موم کی مانند پگھل رہی تھی۔ ڈاکٹر نے کئی ٹیسٹ اور ایکسرے وغیرہ تجویز کیے تھے وہ سن ہوتے دماغ کے ساتھ سودہ کے پاس آیا جہاں وہ ہوش میں آ گئی تھی۔

مائدہ نے قریب آ کر اس کے رخسار چومے۔ سودہ کے لبوں پر تھکی تھکی مسکراہٹ تھی' اس نے ایک نگاہ قریب کھڑے زید کے چہرے پر ڈالی جہاں کئی رنگ موجود تھے۔ وہ کسی گہری سوچ میں مگن اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا وہ زیادہ دیر اس سے نگاہ نہ ملا سکی تھی۔

"آپ ٹھیک تو ہے ناں؟ میں آپ کی حالت دیکھ کر ڈر گئی تھی۔" اس نے اس کا ہاتھ تھام کر محبت بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

"ہوں، تم پریشان مت ہو، میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"تم نے اپنی تکلیف چھپائی' یہ کھانسی میں بلڈ تمہیں کب سے آ رہا ہے تم نے بتایا کیوں نہیں؟" زید کو اپنی کیفیت پر قابو پانے میں بڑی جدوجہد کرنا پڑی تھی۔

"مجھے خود سمجھ میں نہیں آ رہا ہے ایسا کیوں ہوا؟"

"کیا پہلے بھی آتا رہا ہے؟" زید نے اس کو بغور دیکھ کر پوچھا۔

"جی..... کبھی کبھی آتا تھا۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"کبھی کبھی آتا تھا اور تم نے ایک بار بھی نہیں بتایا۔ سب کچھ چھپا کر رکھا، ہر بات برداشت نہیں کی جاتی نہ کوئی تکلیف چھپانے کے لیے ہوتی ہے۔"

"کیا ہوا ہے..... کوئی سیریس میٹر ہے' آپ مجھے ڈسٹرب لگ رہے ہیں؟" سودہ سے اس کی آنکھوں میں چھپی نمی مخفی نہ رہ سکی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، بھائی کو آپ جانتی ہیں یہ آپ کی معمولی سی بھی تکلیف سے پریشان ہوجاتے ہیں' ہم بھی آپ کو کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے۔" مائدہ نے اس کو تسلی دی مگر اس کی نگاہیں ہونٹ بھینچے کھڑے زید پر تھیں۔ جس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا

تھا۔ وہ اس سے نگاہیں چرا رہا تھا۔ اس کے دل میں آگ لگی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق وہ تپ دق کے مرض میں مبتلا تھی۔ یہ انکشاف اس کو لرزا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد سب گھر والے بمعہ مدثر صاحب کی فیملی کی وہاں آ گئے تھے ان کے چہروں سے پریشانی و فکر مندی نمایاں تھی۔ مدثر اور منور صاحبان ڈاکٹر کے کمرے میں چلے گئے تھے۔

زید کا چہرہ دیکھ کر ان کو کسی گڑبڑ کا اندازہ اندیشہ ہو گیا تھا۔ سودہ دوائیوں کے زیر اثر سو رہی تھی' صوفیہ اور بوا بے آواز رو رہی تھیں۔ زمرد بیگم ان کو دلاسے دے رہی تھیں جبکہ عمرانہ کسی بت کی مانند بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کی حرکت کرتی نگاہیں اور سانسوں کا زیر و بم ان کے زندہ ہونے کی تصدیق کر رہا تھا مگر ان کے سپاٹ چہرے سے کسی غم و خوشی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ گاہے بگاہے ان کی نگاہیں زید کے چہرے پر رک جاتیں جہاں صرف درد ہی درد تھا' فکر ہی فکر تھی۔ وہ کسی بھٹکی ہوئی روح کی مانند بے قرار و مضطرب دکھائی دے رہا تھا ارد گرد کا اس کو کوئی ہوش نہ تھا۔

❁.......❁.......❁.......❁

انشراح یونیورسٹی سے باہر آئی تھی تو گیٹ کے سامنے کار سے ٹیک لگائے کھڑے نوفل کو دیکھ کر حیران سی چند ثانیے کے لیے رکی جبکہ اس نے اسے آتے ہوئے دیکھ کر گاڑی کا فرنٹ ڈور وا کر دیا تھا۔

"آپ یہاں...... سب ٹھیک تو ہے ناں؟" وہ قریب آ کر گھبرا کر بولی۔

"تم ایسے پوز کر رہی ہو گویا میں پہلی بار تمہیں پک کرنے آیا ہوں اور تمہیں میری صورت پر کون سی نحوست برستی دکھائی دے رہی ہے جو سب کی خیریت معلوم کر رہی ہو وہ بھی اتنے ہونق انداز میں۔" وہ طنزیہ انداز میں گویا ہوا۔

"وہ...... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ ایکچوئلی اب آپ مجھے پک کرنے نہیں آتے آج آئے ہیں وہ بھی بنا انفارم کیے تو میں ڈر گئی کہ خدانخواستہ کوئی مسئلہ تو نہیں ہو گیا۔" وہ اس کے اشارے پر کار میں بیٹھتی ہوئی بولی۔

"آج کل ڈرنے بہت لگی ہو پہلے تو بے حد بریو تھیں تم۔" وہ کار اسٹارٹ کرتا ہوا نرمی سے گویا ہوا۔

"پہلے بڑی بریو تھی۔ ٹھیک کہتے ہیں آپ، بہت بہادر تھی اس قدر باہمت و حوصلہ مند کہ دنیا کو اپنی ٹھوکروں میں اڑا دینے کا زعم تھا اور اب......" وہ چند لمحے کے لیے چپ ہوئی۔

"اور اب کیا ہوا...... کیوں بزدل ہو گئی ہو؟"

"اب خود آگاہی حاصل ہو گئی ہے۔ کل تک خود شناسی نہ تھی' خود سے بے خبر تھی تو بڑے کروفر سے زندگی گزار رہی تھی' بلندیوں پہ چڑھتی چلی جا رہی تھی اور بلندیوں کے عروج پر پہنچ کر پتا چلا وہ عروج نہ تھا ایک دھوکا تھا جہاں سے میں بہت بری طرح منہ کے بل گری۔" نوفل نے ڈرائیو کرتے ہوئے کنکھیوں سے دیکھا اس کے کومل چہرے پر گلابی اداسی تھی۔ وہ ناز و انداز جن سے کسی زمانے میں اس کو چڑ ہوا کرتی تھی' جو اس کو وقار و توقیر سے بے بہرہ کر دیا کرتے تھے وہ سب مفقود ہو کر رہ گئے تھے' اب اس میں وقار و تمکنت کی آمیزش نے روشنی سے بھر دی تھی۔

"تم جیسے لوگ ٹھوکر کھا کر ہی نہیں بلکہ گر کر سنبھلتے ہیں اور تمہیں تو وقت نے کچھ زیادہ ہی چوٹیں دی ہیں دراصل تم تھیں ہی اس لائق کہ دو ملازم تمہارا دماغ درست کریں اور تمہاری انا کو ٹھکانے پر لائیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو وہ منظر یاد آ گیا جب ملازمین کے تشدد سے اس کی حالت بگڑ گئی تھی اور چہرہ خراب ہو گیا تھا۔

"اوہ گاڈ...... آپ کیوں بار بار مجھے وہ وقت یاد دلاتے ہیں جو میں خواب میں بھی نہیں دیکھنا چاہتی' کتنا بھیانک تھا وہ سب۔" وہ احتجاجاً گھبرائی آواز میں گویا ہوئی۔

"میرے لیے بھی وہ وقت کسی مسرت کا باعث نہیں تھا بلکہ اس کو بھول جانا چاہتا ہوں اور نہیں بھول پاتا کہ یہ فعل میری انا پر تازیانہ بن کر لگا اور مستزاد میرا ضمیر مجھ پر وار کرتا رہتا ہے کہ کیوں میں تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی کے آگے سرینڈر کر گیا' مجھے تمہیں دو تھپڑ لگا کر زبردستی گھر لانا چاہیے تھا۔ نہ تمہیں میں گھر چھوڑتا نہ وہ سب ہوتا جو بھلائے نہیں بھولتا۔" وہ از حد سنجیدہ تھا اس کی سنجیدگی سے گھبرا کر وہ کہہ اٹھی۔

"آپ نے خود ان کو سزا دلوائی ہو گی ناں؟"

"نہیں میں ذاتی انتقام لینے کو پسند نہیں کرتا لیکن بے فکر رہو جو حرکت انہوں نے کی ہے سابقہ وزیر کی بیٹی کے ساتھ ان کو کڑی

سزائیں ملنی ہی ہیں۔"

"یہ کیا کہا آپ نے......!اوہاں پاپا نے بتایا کہ میں ان کی بیٹی ہوں؟" اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو روانی میں وہ بات کہہ گیا تھا اس احساس سے قطع نظر کے بظاہر اتنے معمولی سے سنائی دینے والے ان چند لفظوں نے اس پر کیا اثر پھونکا ہے۔ حیرت واستعجاب خوشی وانبساط کیا کچھ اس کے چہرے پر دکھائی نہ دے رہا تھا۔

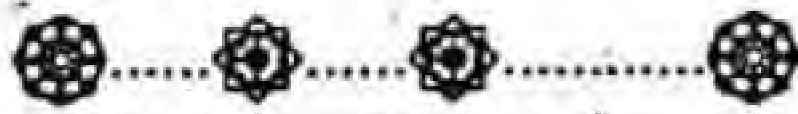
"بتائیں نہ پلیز...... پاپا نے کہا تھا کہ میں ان کی بیٹی ہوں؟ پاپا نے سب کے سامنے اعتراف کیا تھا کہ وہ میرے پاپا ہیں اور میں ان کی بیٹی ہوں؟" اس کے انداز میں عجیب ہی تاثرات در آئے تھے وہ بے اختیار رونے لگی۔ نہ جانے وہ غم کے آنسو تھے یا خوشی کے اس وقت نوفل کو اس پر بھرپور ترس آیا۔ اس کے احساس محرومی وکم مائیگی کا کھل کر ادراک ہوا وہ بھی ماں کے کردار کو لے کر غم و تکلیف سے گزر کر جوان ہوا تھا مگر یہ خوش قسمتی اس کے حصے میں تھی کہ والدین کے خانے میں اس کے باپ کا نام بڑے اہتمام سے درج تھا۔ دنیا اس کو نوفل عکرمہ کے نام سے جانتی تھی اس معاملے میں اس کو بھی نگاہ جھکانی یا چرانی نہ پڑی تھی اور اس لمحے اس کی حالت دیکھ کر محسوس ہوا کہ ساری زندگی کس عذاب میں مبتلا رہی ہوگی کتنی بدنصیب تھی وہ کتنے عظیم دکھ میں مبتلا رہی ساری زندگی۔

"ہوں...... بڑے پاپا نے یہی کہا تھا کہ تم ان کی بیٹی ہو۔" اس نے بایاں ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر اپنے لفظ دہرائے اور وہ اس کا وہی بازو تھام کر شدومد سے رونے لگی۔

"اس میں اس قدر ایموشنل ہونے کی کیا بات ہے؟ وہ تمہارے پاپا ہیں۔"

"آپ میرے ایموشنلز کو نہ سمجھ پائیں گے آپ کے نام کے ساتھ آپ کے فادر کا نام جڑا ہوا ہے میں اس پراؤڈ سے محروم ہی رہی ہوں یہ چین صرف میرا ہے۔" اس نے اس کا بازو چھوڑتے ہوئے پُرسوز لہجے میں کہا۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے میں نے بالی سے بتادیا تھا کہ تم میرے ساتھ ہو۔" وہ اس کو ہوٹل لے آیا جتنی دیر اس کو اپنا موڈ درست کرنے میں لگا اتنی دیر میں ویٹر کافی ودیگر لوازمات سرو کر کے چلا گیا تھا اور ابھی نوفل بات کرنا ہی چاہتا تھا کہ کوئی اس طرف آیا تھا۔



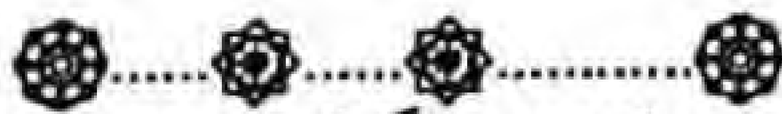
تمام رپورٹس کے بعد ڈاکٹرز نے کنفرم کردیا کہ سودہ کو تپ دق کا مرض لاحق ہے۔ اس انکشاف نے زید کا دل گھائل کیا ہی تھا وہیں تمام لوگ بھی غمزدہ ہوگئے تھے۔ صوفیہ اور بوا کی حالت رو رو کر خراب ہوگئی تھی۔ زمرد بیگم ان کو سنبھالتے سنبھالتے خود بھی بکھر رہی تھیں۔ صالحہ بھی ان کی دلجوئی کے لیے دن بھر وہاں رہیں سب لوگ وہاں موجود تھے مگر لگتا تھا در و دیوار سے سناٹے پھوٹ رہے ہوں ویرانی واداسی کا راج ہر سو طاری تھا۔ سودہ کا زیادہ وقت دواؤں کے زیر اثر گزر رہا تھا۔ اسپتال سے فارغ ہونے کے بعد صوفیہ اس کو اپنے کمرے میں ہی لے آئی تھیں اس کی بیماری کے تحت کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا تھا۔

"پھوپو جان، میں سودہ سے ملنا چاہتا ہوں۔" وہ ملازمہ رانو کو کچن صاف کرنے کا کہہ کر پلٹی ہی تھیں جب زید آہستگی سے گویا ہوا۔

"ارے بیٹا یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ سودہ سے ملنے کے لیے تم کو میری اجازت کی کوئی ضرورت نہیں وہ تمہاری بیوی ہے جب چاہو بے دھڑک آؤ اگر چاہو تو یہیں قیام پزیر ہو جاؤ میں دوسرے روم میں رہ لوں گی۔" تھکا تھکا سا مضمحل وفکر مند زید پر ان کو ٹوٹ کر پیار آیا کتنی محبت کرتا تھا وہ ان کی بیٹی سے جس کی تکلیف نے دو دن میں ہی اس کی صورت مرجھا کر رکھ دی تھی۔ وہ سخت مضطرب ومتفکر دکھائی دے رہی تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے کمرے میں چلا آیا وہ بیڈ پر لیٹی سو رہی تھی گلابی کمبل شانوں تک لیے ہوئے نیلے رنگ کا دوپٹا حسب عادت سر پر موجود تھا اس کی یہ عادت تھی کہ دوپٹا سوتے میں بھی سر سے جدا نہ کرتی تھی اور اس نیلے دوپٹے میں اس کا زرد چہرہ اور عارض پر جھکی ہوئی سیاہ دراز پلکیں نمایاں تھیں۔

اس کا بیمار حسن اب بھی جاذبیت لیے ہوئے تھا وہ اس کو یک ٹک دیکھ رہا تھا وہ سو رہی تھی تو نگاہیں اٹھ گئی تھیں وگرنہ کل بیماری کا پتا چلنے کے بعد سے وہ اس سے ہی کیا خود سے بھی نگاہیں نہ ملا پا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کا حق دار تو بن گیا مگر حق نبھا نہ سکا تھا۔ محض چند ماہ میں ہی وہ اس ملکیت بن کر اتنی بڑی بیماری میں مبتلا ہوگئی اور اس کو معلوم بھی نہ ہوسکا کہ اندر ہی اندر اس کے ساتھ کیا معاملہ چل رہا ہے۔ اس کی مسکراہٹ کے پیچھے کتنا درد پنہاں ہے۔ اس کے اندر دھواں سا بھرنے لگا اور اپنی بے پروائی و بے نیازی پر

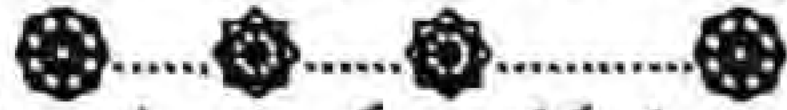
خود کو سزا دینا چاہ رہا تھا۔
وہ دوزانو بیٹھ گیا اور کمبل سے باہر نکلے اس کے ہاتھ کو بے حد نرمی سے تھام کر اس پر لب رکھ دیے پھر نا معلوم کیا ہوا کہ وہ بے آواز رونے لگا آنسو تواتر سے اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ یہ سودہ سے ہونے والی بے لوث محبت تھی جو اس کے دل کو بے اختیار کر گئی تھی وگرنہ وہ کمزور اعصاب کا مالک نہیں تھا۔ شعور کی منزل پر قدم رکھتے ہی اس کا واسطہ سخت و کٹھن ترین حالات سے پڑا تھا جس سے اس کے اعصاب ہی نہیں دل بھی مضبوط ہو گیا تھا' از حد مشکلات و پریشانیاں سہنے کے باوجود بھی اس کا دل کبھی دکھی نہیں ہوا تھا نہ آنکھ کبھی نم ہوئی تھی اور اب کل سے جب یہ صورت حال اس پر آشکار ہوئی تب سے آنسو اندر ہی اندر گر رہے تھے جواب موقع پا کر بہہ نکلے تھے اور ضبط کا بندھن توڑ گئے تھے۔
سودہ کی آنکھ کھلی تو پہلے اس کو سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ دھیمی دھیمی مدہم آوازیں کیسی ہیں؟ غنودگی کی حالت میں وہ بے حس و حرکت لیٹی محسوس کرنے کی کوشش کرتی رہی اور چند لمحوں بعد ہی اس کی تمام حسیات بیدار ہو گئی تھیں۔ اس کو محسوس ہوا وہ اس کے قریب بیٹھا ہے' چہرہ جھکائے اس کا بایاں ہاتھ تھامے وہ رو رہا تھا۔ اس کی دبی دبی، گھٹی گھٹی سسکیوں کی آوازیں تھی وہ جن کی وجہ سے وہ بیدار ہوئی تھی۔ وہ آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"زید...... ! زید کیا ہوا؟" وہ اسی پوزیشن میں رہا۔
"پلیز...... کچھ تو بتائیں میرا دل گھبرا رہا ہے؟" اس کی آواز لرز رہی تھی۔
"ریلیکس...... کچھ نہیں ہوا۔" وہ اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔
"پھر آپ رو کیوں رہے تھے؟ آپ کو میں نے کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا۔"
"یہ سوچ کر دل بھر آیا کہ میں تمہارا خیال نہ رکھ سکا' میں تمہارے لائق نہیں ہوں' میرے نام سے جڑتے ہی تم بیماری کی گرفت میں آ گئی اور میری نالائقی دیکھو میں فیل بھی نہ کر سکا۔" وہ نگاہیں جھکائے گویا کسی گناہ کبیرہ کا اعتراف کر رہا تھا۔ معاً وہ میز پر رکھے ٹشو بکس سے ٹشو نکال کر اس کی بھیگی آنکھیں صاف کرتے ہوئے گویا ہوئی۔
"آپ اتنا نیگیٹیو کب سے سوچنے لگے۔ یہ فضول سوچ ہے آپ کے قابل تو میں نہیں ہوں آپ نے اپنا نام دے کر مجھ ذرے کو آفتاب بنایا اس کے لیے میں آپ کی ممنون ہوں اور بیماری تو میرے مقدر میں پہلے سے لکھ دی گئی تھی یہاں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔"
"اچھا نہیں ہوتا اتنا اچھا ہونا مائی ڈیئر؟" وہ اس کے ہاتھ کو اپنی آنکھوں سے لگاتا ہوا جذب کے عالم میں گویا ہوا تو اس نے شرما کر نگاہیں جھکا لیں' اس کا دل دھڑک اٹھا تھا۔
"وعدہ کریں آپ آئندہ کبھی اس طرح کی باتیں نہیں کریں گے؟" وہ مطمئن انداز میں بیٹھا تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔
"تم کتنا بھی مجھے بہلانے کی کوشش میں لگی رہو لیکن میں جانتا ہوں یہ میری وجہ سے ہی ہوا ہے' میں تم سے محبت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا مگر ممی کے دل میں تمہاری محبت کس طرح اجاگر کروں؟"
"محبت بے اختیاری جذبہ ہے خواہ کسی رشتے سے بھی ہو' یہ زبردستی نہ کر سکتے ہیں نہ کرائی جا سکتی ہے آپ ٹینس نہ ہوں میں بے حد خوش ہوں۔"



انشراح نے آنے والی ہستی کو لمحے بھر میں شناخت کر لیا تھا اور مسکرا کر بولی۔
"آپ وہ...... !" ان سے مخاطب ہونے کے ساتھ ہی نوفل کی طرف دیکھ کر چونکی جس کے چہرے کی رنگت سرخ ہونے لگی تھی۔
"جی...... میں نوفل کی ماما ہوں۔" وہ نوفل کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔
"مم...... ما...... ؟" وہ جو کھڑی ہوگئی تھی ان کے احترام میں ان کے انکشاف پر ہکا بکا رہ گئی جبکہ وہ ایک دم ہی غصے سے اٹھا۔
"پلیز گو۔" ان کو پوری طرح سے نظر انداز کر کے وہ اس سے گویا ہوا۔
"نوفل پلیز...... معاف کر دیں مجھے...... میں......"

''یہاں تماشا کری ایٹ مت کریں پلیز۔'' وہ ان کی بات کاٹ کر بولا۔
''میں تماشا نہیں کر رہی میری جان۔ ایک بار میری بات سن لیں آپ۔'' انہوں نے التجائیہ انداز میں کہا۔ انشراح نوفل کی کیفیت دیکھ کر خوف زدہ ہونے لگی تھی۔ وہ وہاں موجود لوگوں کی وجہ سے اپنے جنون واشتعال پر بہ مشکل قابو کیے ہوئے تھا مگر اس ضبط میں اس کا چہرہ تپتے تانبے کی مانند سرخ ہو گیا تھا اور پیشانی کی رگیں ابھر آئی تھیں۔
''میں آپ کی کوئی بات سننا نہیں چاہتا۔'' وہ انشراح کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا۔
''میں بہت تکلیف میں ہوں پلیز......'' وہ ان کے ساتھ چلنے لگیں۔
''آپ مجھے تکلیف میں مبتلا نہیں کریں، بہت مشکل سے جینا سیکھا ہے میں نے، کیوں مجھے بے سکون کرنے چلی آئی ہیں؟ گو بیک پلیز۔''
''میں واپس جانے کے لیے نہیں آئی آپ کے ساتھ رہنے آئی ہوں۔'' ان کے لہجے میں درد و رنج نمایا تھا۔
''نوفل پلیز ایک بار ان کی بات سن لیں ناں۔'' انشراح کو ایک دم سے ہی شعوانہ پر بے حد ترس آیا تو وہ آہستگی سے بولی۔
''شٹ اپ...... تمہیں اس معاملے میں بولنے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے اس بری طرح اس کو جھڑکا کہ وہ چپ ہو کر رہ گئی۔
''ٹھیک ہے میں اس فلور سے کود کر اپنی جان دے دوں گی، میں نے جو کیا اس کا انجام یہی ہونا چاہیے، مرجانا چاہیے مجھے۔'' ان کے انداز میں ہذیانی پن ابھرا اور لگتا تھا کہ وہ بالکل حوصلہ ہار گئی ہیں۔
''صرف ایک بار کہہ دیں معاف کیا مجھے۔'' وہ رونے لگیں مگر نوفل کچھ نہ بولا وہ اس کا ہاتھ تھامے چلتا رہا اس کا چہرہ سپاٹ تھا مگر آنکھیں قندیلوں کی مانند جل رہی تھیں وہ لفٹ کی بجائے سیڑھیوں کی طرف بڑھا، شعوانہ اوپر ہی رہ گئی تھیں۔ ابھی وہ چند سیڑھیاں ہی نیچے آئے تھے معاً انشراح نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔
''خدارا اتنے سنگ دل و کٹھور نہ بنیں، معاف کر دیں انہیں ماں ہیں وہ آپ کی آپ کو ایسا رویہ زیب نہیں دیتا۔''
''بکواس بند کرو تم، کہا ہے ناں تمہیں اس معاملے میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے، کون ہوتی ہو تم اس معاملے میں مداخلت کرنے والی؟'' اس نے شدید غصے میں انشراح کا ہاتھ جھٹکا۔
''کون ہوتی ہوں میں اس معاملے میں مداخلت کرنے والی، میں آپ کے ساتھ کس تعلق سے یہاں آئی ہوں، کس رشتے کی بنا پر آپ مجھے یہاں لائیں ہیں، یہ آپ کو معلوم نہیں ہے کیا؟'' اس بار اس کے لہجے میں بھی خفگی در آئی تھی۔
''ایک اجنبی عورت کی خاطر تم مجھ سے الجھنے کی کوشش نہیں کرو۔''
''وہ اجنبی عورت نہیں ہیں، ماں ہیں آپ کی آپ کب تک اس سے فرار حاصل کریں گے، یہ حقیقت آپ کو ماننی ہوگی۔''
''انف از انف۔'' وہ آگ بگولہ ہوا۔
''یہ ورڈز آپ کے لیے بھی ہیں، بہت ہو گیا ہے، انہیں معاف کر دیں اللہ بھی تو ہمارے گناہ، ہماری لغزشیں، ہماری غلطیاں و خطا معاف کرتا ہے، انہوں نے اپنے جرم کی سزا پالی ہے۔''
''کم آن...... مجھے کوئی وکالت نہیں چاہیے۔'' وہ کہتا ہوا اس کا ہاتھ چھوڑ کر نیچے اترتا چلا گیا۔
''مجھے لگ رہا ہے وہ تھرڈ فلور سے چھلانگ لگا دیں گی اور اس کی ذمہ داری ہم پر آئے گی بلاوجہ کی رسوائی ہمیں گھیر لے گی۔'' وہ بھی بھاگتی ہوئی پیچھے چلی رہی تھی اور سخت بدحواس ہی تھی۔
''چھلانگ لگانا ان کا ذاتی فعل ہے ہمیں رسوائی کیوں گھیرے گی؟''
''بی کوز لوگ ان کو ہمارے ساتھ دیکھ چکے ہیں اور ایسے موقعوں پر لوگوں کے دماغ بڑے کام کرتے ہیں دیر نہیں کریں...... پلیز۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر اس کے آگے کھڑی ہو گئی اور بڑا التجائیہ انداز اپنایا تو نوفل نے اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں نمی ستاروں کی مانند چمک رہی تھی، گلاب سی پنکھڑیوں سے ہونٹ شدت جذب سے کانپ رہے تھے۔ نوفل نے چند لمحے کرب سے آنکھیں بند کیں۔
''کاش کوئی ایسا ریمور ایجاد ہو جائے جو ہماری ساری خطاؤں اور دکھ و کرب رہنے والی باتوں کو ہمیشہ کے لیے ریموو کر دے...... کاش۔'' وہ دکھ بھرے لہجے میں بڑبڑایا اور اس کے ہمراہ لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ انہوں نے دیکھا وہ آہستہ آہستہ ریلنگ کی طرف بڑھ

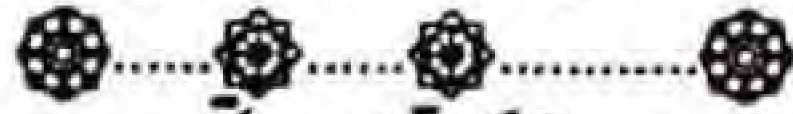
رہی تھی چند قدم کا ہی فاصلہ رہ گیا تھا جب وہ ان کے سامنے آ کھڑا ہوا چہرہ جھکائے لب سختی سے بھینچے۔
"نوفل......! نوفل میں یہ خواب تو نہیں دیکھ رہی ہوں؟" وہ فرط جذبات سے اس سے لپٹ کر رونے لگی تھیں۔



"یہ کیا حالت بنا رکھی ہے آپ نے بھائی؟ آپ کو دیکھ کر بھابی کس طرح ٹھیک ہو سکتی ہیں خود کو سنبھالیں تپ دق کوئی لاعلاج مرض نہیں ہے اس دور میں بہت بہترین و مکمل علاج موجود ہے اس بیماری کا۔" شاہ زیب نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے کہا۔ ان چند دنوں میں زید کی حالت ہی بدل کر رہ گئی تھی وہ ہمیشہ خوش لباس رہا کرتا' تازہ شیو سے اس کا چہرہ چمکتا رہتا' پرفیوم استعمال کرنے کا اس کو کریز تھا۔ دور سے اس کے ملبوس سے پھوٹتی مہک اس کی آمد کا پتا دیتی تھیں اور ان کچھ ہی ہفتوں میں اس کی جامہ زیبی و نفاست پسندی کھو کر رہ گئی تھی۔ سودہ کی بیماری نے اس کو سدھ بدھ بھلا دی تھی اس کی شیو بڑھ گئی تھی۔ بال بے ترتیب رہنے لگے تھے اور خوش بو استعمال کرنا وہ بھول ہی گیا تھا۔
"میں ہر طرح سے ٹھیک ہوں' کیا ہوا ہے مجھے۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر دھیرے سے مسکرا کر گویا ہوا۔
"ادھر آئیں، دیکھیں خود کو کیا حال بنا رکھا ہے؟ میں نے پہلے کبھی آپ کو اس طرح نہیں دیکھا جس طرح آپ اب دکھائی دے رہے ہیں کمزور، نڈھال، ہمت ہارے ہوئے' کسی سو سالہ بوڑھے کی مانند جو زندگی کے آخری اسٹیج پر کھڑا آخری لمحوں کو گن رہا ہو۔" وہ آئینہ دکھاتا ہوا بولا۔
"ایسا ہی ہے کچھ ماجرہ۔ سودہ کی بیماری نے مجھے وقت سے پہلے ہی ان اندھیروں میں دھکیل دیا ہے ایسا اندھیرا جو قبروں میں ہوتا ہے' یہ صدمہ میری جان لے لے گا کہ وہ ان چند ماہ میں جو میرے نام سے اس کے ساتھ گزرے اور ان مہینوں نے اس کو اس موذی مرض کا شکار بنا دیا۔ میری محبت' میرے ساتھ امتحان در امتحان ثابت ہوئی ہے۔"
"یہ سب مقدر کے لکھے ہوئے کھیل ہیں آپ کیوں خود کو قصوروار سمجھتے ہیں پھر زندگی و موت رب کے ہاتھ میں ہے۔ امید کی کرن کو کبھی بھی مایوسی کی پھونک سے بے دم نہیں کرنا چاہیے آس کی ڈور آخری سانس تک بندھی رہتی ہے آپ کو میں ہمت ہارنے نہیں دوں گا بھائی۔"
"ہمت ہار چکا ہوں میں...... زندگی بے رنگ ہوگئی ہے' سودہ ممی کے مس بی ہیویئر کے باعث اس بیماری کو پہنچی' ممی اس کو کسی طور بہو ماننے کو راضی ہیں نہ کمپرومائز کرنے کو تیار پھر میں کیونکر زندگی گزار سکتا ہوں۔ میری زندگی ممی اور سودہ کے بغیر زندگی نہیں ہے میں دونوں کے بغیر کیسے رہ سکتا ہوں' ایک میرا دل ہے تو دوسری میری دھڑکن۔" اس کا دل دکھ سے بھر گیا' اپنوں کی لگائی ہوئی آگ خاک کر ڈالتی ہے وہ بھی ماں کی انا و ضد کی آگ میں جل رہا تھا اور اس قدر خاک ہو چکا تھا کہ اب لفظوں سے بھی دھواں اٹھتا دکھائی دے رہا تھا۔
"مجھے بے حد افسوس اس امر کا ہے کہ تمہاری قربانی بھی رائیگاں گئی۔ تم نے ہماری خوش حالی کی خاطر اپنی خوشیوں کی قربانی دی ایک ایسے رشتے سے منسلک ہوئے جو جڑنا ناممکن تھا مگر ہر تدبیر الٹی ہوتی چلی گئی۔" معاً قدموں کی آہٹیں ابھری تو دونوں نے ہی مڑ کر دیکھا۔ سامنے عمرانہ کھڑی تھیں سادہ لباس و سنجیدہ چہرے کے ساتھ ان کی نم آنکھیں گواہی دے رہی تھیں کہ وہ روتی رہی ہیں۔
"دلبرداشتہ نہیں ہو میرے چاند۔ سب ٹھیک ہوگا' سودہ ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ کی سچی و بے لوث محبت اس کو جب کسی اور کے نصیب سے کھینچ کر لے آئی تو موت بھی آپ سے جدا نہیں کر پائے گی۔" عمرانہ قریب آ کر اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے تھام کر گویا ہوئیں' جواباً وہ کچھ بولا نہیں بس گردن جھکا کر رہ گیا۔
"میری شک مزاجی و وہم پرستی نے ہر طرح سے مجھے رسوائی و تنہائی اور اضطراب دیا ہے' سودہ کو نکاح کے بعد میں بہو تسلیم کر چکی تھی مگر یہاں پھر میری بدگمان فطرت نے کام دکھایا' اس کی محبت، صبر و استقلال میرے برے سے برے رویے پر بھی اس کا رویہ نہ بدلتا تھا وہ اسی طرح میری خدمت و خیال میں مگن رہتی تھی اور میں سوچتی تھی یہ محض دکھاوا ہے وہ مجھے مرعوب کرنے کا ڈھونگ کرتی ہے اور یقیناً پیٹھ پیچھے زید کے کان بھرتی ہوگی عموماً اکثر بہوئیں ایسی ہوتی ہیں جو سسرالیوں کے سامنے پیاری میٹھی بنی رہتی ہیں اور تنہائی میں اندر کی تمام کڑواہٹ و نفرت بیٹوں کے کانوں میں بھر کر ان کو گھر والوں سے بدظن و متنفر کر دیتی ہیں' میرے اندر بھی یہی کمینی سوچ ابھری تھی اور جب انسان کمینے پن پر اتر آئے تو سارے ادب و آداب بھول جاتا ہے اور میں بھی بھول گئی تھی پھر یہ جاننے کے

لیے کہ ان کے درمیان میرے بارے میں کس طرح کی گفتگو ہوتی ہے میں چھپ چھپ کر ان کی باتیں سننے لگی......" بولتے ہوئے ان کی آواز بھرائی۔

"کوئی بھی ماں مجھ جیسی کم ظرف و بے غیرت نہیں ہوگی جیسی میں ہوں......انا و ضد نے مجھے اخلاقیات سے ہی نابلد کردیا تھا۔ میں سگی ماں ہو کر بھی سوتیلوں سے بدتر ثابت ہوئی اور میری توقع کے برخلاف آپ دونوں ایک دوسرے کو سمجھاتے ہی رہے تھے ایک دن میرے بدلنے کی امید لگائے بیٹھے رہے اور یقین کریں جس دن سودہ آپ کو چھوڑ کر نیچے گئی تھی اس وقت مجھے لگا تھا کچھ برا ہو گیا ہے شاید میں اپنی حد سے باہر نکل گئی ہوں میں نے اپنی زندگی تو برباد کرلی اب بچوں کی زندگی بھی جہنم بنا رہی ہوں۔ یہی سوچتی ہوئی میں سودہ کو واپس لانے کی نیت سے اٹھ ہی رہی تھی کہ مائدہ نے سودہ کی حالت کے متعلق بتایا اور میں تو اپنی جگہ سے اٹھ ہی نہ سکی پھر مجھے یقین ہو گیا یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے میں نے اعتبار کرنے میں بہت دیر کردی......" وہ بے ساختہ رونے لگی تھیں۔



موسم میں سردی کا راج بتدریج بڑھ رہا تھا ٹھنڈی ہوا گنگناتی پھر رہی تھی اور ان ہواؤں سے در و دیوار سے برفیلی ٹھنڈک پھیل رہی تھی۔ حالانکہ رات کا ابھی ابتدائی دور شروع ہوا تھا مگر یخ بستہ موسم کے باعث ہر سو سناٹے و خاموشی کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ روڈوں پر ٹریفک برائے نام تھا موسم سے بھی زیادہ سرد مہری اس کے مزاج پر حاوی تھی۔

وہ سپاٹ چہرے اور سختی سے بھینچے ہونٹوں کے ساتھ ڈرائیونگ کر رہا تھا غصہ و رنج مسرت و ملال کوئی بھی احساس اس کے چہرے سے ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ انشراح کی بات کی لاج رکھ کر یا اپنے دل کے جھکنے پر وہ شعوانہ کو معاف کر چکا تھا ان کی زیادتیاں بھلانے کو تیار ہو گیا تھا ان کو سینے سے بھی لگا لیا تھا ان کے آنسو بھی صاف کیے تھے یہ مناظر بڑے جذباتی و رقت آمیز تھے۔ انشراح کی آنکھیں بھی برسات کی طرح برس رہی تھیں۔ نوفل کی آنکھیں خشک ہی تھیں مگر سرخی بتا رہی تھی اندر ہی اندر جل تھل شد و مد سے جاری ہے۔ یہاں اس نے خود کو کسی لمحے کمزور نہ پڑنے دیا تھا مگر شعوانہ کے آنسو تھے کہ بھرے بادلوں کی مانند مسلسل برس رہے تھے۔

ان کے آنسوؤں میں پچھتاوے، حسرتوں و ندامت کی سسکیاں موجود تھیں۔ دل سے نکلتی ہر آہ ماضی کی لغزشوں پر نوحہ کناں تھی جو اس کے دل کی سنگلاخ دیواروں کو توڑتی جا رہی تھی، ناراضی کی تاریکی کتنی دبیز کیوں نہ ہو مگر خلوص و سچائی کی فقط ایک کرن اس تاریکی کو زائل کر دیتی ہے، یہاں بھی ایسا ہی ہوا تھا پہلے پہل وہ صرف انشراح کا مان رکھنے کے لیے آگے بڑھا تھا جو محض دکھاوا تھا۔ وہ دکھاوا کب اور کس لمحے دکھاوا نہ رہا اور دل کی تڑپ بن گیا شاید حقیقی رشتے اسی طرح سے خود کو ثابت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو منوا لیتے ہیں اور بالآخر شعوانہ کی ممتا نے بھی خود کو اور اپنی محبت کو منوا لیا تھا۔ وہ اپنی شکنوں و محرومیوں کی بھڑاس کئی بار نکال چکا تھا اور اب رہا سہا ابال بھی نکل ہی گیا تھا۔ ساری زندگی اس عورت سے ہونے والی نفرت ختم ہو گئی تھی۔ محبت تو ابھی محسوس نہیں ہوئی تھی مگر لگتا تھا کئی صدیوں سے سرمئی غبار میں گم اس کی ذات دکھائی دینے لگی ہے۔

"اف......آج سردی کچھ زیادہ ہی نہیں ہو گئی؟ صبح یونیورسٹی آتے ہوئے اتنی محسوس نہیں ہو رہی تھی جتنی اب ہو رہی ہے" اس نے گہری خاموشی سے گھبرا کر کہا۔ وہ پھر بھی چپ رہا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا......کیا ابھی تک خفا ہیں؟"

"تم سے نہیں میں خود سے خفا ہوں......ساری زندگی جو نفرت و دکھ میرے ساتھ رہا، لمحہ بھر میں وہ اس طرح غائب ہوا جیسے موجود ہی نہیں تھا۔ اتنی سرعت سے جذبات کے بدلنے پر حیران ہوں میں اب تک۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر اس طرح بڑبڑایا جیسے وہ ان حالات و واقعات کو سمجھ نہیں پا رہا ہو۔

"لوگ ایسے سچے اور منافقت سے پاک ہوتے ہیں کہ جب ان کا دل کسی سے صاف نہ ہو تو وہ سامنے والے کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے اور جب قصوروار اپنی غلطی مان کر معافی مانگ لے تو وہ سب کچھ بھلا کر اس سے دوستی کر لیتے ہیں اور پھر اچھے دوست ثابت ہوتے ہیں مگر یہاں معاملہ اہم ہے......شعوانہ آنٹی آپ کی ماما ہیں ان سے تعلق کبھی ٹوٹنے والا ہی نہیں تھا ایک نہ ایک دن آپ کو ان کو ماں کا درجہ دینا ہی تھا۔" وہ کچھ نہیں بولا پھر خاصی دیر خاموشی کے بعد انشراح دوبارہ گویا ہوئی۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں کیا......میں نے آپ کو فورس کر کے غلط کیا ہے؟ آپ کی خاموشی سے میں یہی سمجھ رہی ہوں کہ میں نے اچھا نہیں کیا۔ دراصل مجھ سے ان کی بے بسی دیکھی نہیں گئی اور پھر وہ اوپر سے کودنے کو تیار تھیں اگر ہم ذرا بھی دیر کر دیتے تو وہ خود

کشی کرلیتی۔ وہ بے حد نا امید و ڈسٹرب لگ رہی تھیں۔" اس کی جامد خاموشی اور سپاٹ انداز اس کو ہولانے لگا تھا۔
"آپ تو ناراض ہی ہوگئے ہیں۔ ایم سوری لیکن پلیز اب ان سے ناراض مت ہوجایئے گا آپ کا ساتھ ان کے لیے ایسا ہی ہے جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ان سے بھول کر بھی یہ سہارا نہیں چھینیے گا۔" اس کے التجائیہ انداز میں سردی کی دھوپ جیسی نرماہٹ تھی اس نرمی نے اس کے دل کو غبار سے پاک کردیا تھا وہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ وہ لڑکی اس کی ماں کے لیے بالکل اجنبی ہوکر کتنا درد رکھتی ہے اور اس حقیقت سے بھی اس کو انکار نہیں تھا کہ اس کی منت دماجت کے باعث ہی وہ شعوانہ کو معاف کرنے کو تیار ہوا تھا اور اب دل کے سکون و قرار سے محسوس ہوتا تھا کہ اس نے یہ فیصلہ غلط نہیں کیا نہ انشراح کو اپنانے کا نہ ماں کو معاف کرنے کا اور جہاں یہ احساس ابھرا وہاں وہ بالکل پُرسکون ہوگیا تھا۔
"میں تم سے قطعی طور پر ناراض نہیں ہوں اور کیوں ہوں بھلا...... تم نے بڑی نیکی کمائی ہے میری ماں جو نفس کی دکھائی گئی راہ پر چلتی رہی تھی اب حرام موت کو گلے لگانے جارہی تھی مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ تم مجھے فورس نہ کرتیں تو میں مڑ کر دیکھنے والا بھی نہیں تھا۔" اس کی خاموشی بہت عمدہ و گداز لہجے سے ٹوٹی تھی۔
"شکر ہے آپ کا دل ان کی طرف سے صاف تو ہوا پھر آپ کب ملنے جائیں گے ان سے کیونکہ آپ نے جلد ہی ان سے ملنے کا وعدہ کیا ہے۔"
"بہت جلد جاؤں گا تم بھی ساتھ چلوگی ناں میرے؟"
"اگر آپ لے کر چلنا پسند کریں گے تو ضرور چلوں گی۔"
"ہوں...... شیور۔" وہ دلکشی سے مسکرادیا۔
"آپ کیا بات کرنا چاہ رہے تھے جو آپ یونی سے پک کرنے آئے تھے؟"
"وقت بدل گیا ہے اب بات تم سے نہیں تمہاری نانی سے ہوگی۔"

❁......❁......❁......❁

مدثر صاحب کے چہرے پر ایک عرصے بعد آسودہ و طمانیت بھری مسکراہٹ ابری تھی۔ انہوں نے ندامت سے آنسو بہاتی عمرانہ بیگم کا ہاتھ تھام کر ان کی تمام زیادتیوں کو معاف کردیا اور وہ ان کے سینے سے لگ کر رولیں۔
"بہت زعم تھا مجھے اپنے حسن پر نہ جانے کیوں یہ ناز ہوگیا تھا کہ آپ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتے، میرے حسن کا سحر آپ کو کسی اور کی جانب نگاہ اٹھانے کا موقع ہی نہ دے گا مگر......" وہ ان سے علیحدہ ہوتے ہوئے آہستگی سے آہ بھر کر رہ گئیں۔
"اس مگر نے ہی ہماری جوانی کے سنہرے دور کو کسی مگرمچھ کی طرح نگل لیا اور خواہشیں مرگئیں محض حسرتیں ہی زندہ رہ گئی ہیں اب......"
"ایسا نہ کہیں مدثر...... اب ہماری زندگی میں خواہشیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں لیکن مرادیں ضرور برآئیں گی، اب زندگی نغمے کی کسی نوحے کی جگہ نہیں ہے ہمارا جیون جدائی و بدگمانی کے کانٹوں سے چھلنی ہوا مگر میں اب اپنے بچوں کی زندگی میں ایسا کوئی نہیں آنے دوں گی جو ان کو خوشیوں و سکون سے محروم کردے۔" ان کا چہرہ کئی رنگوں سے جھلملا رہا تھا ان کے چہرے پر کئی طرح کے عکس تھے وہ مکمل عورت، پُرخلوص شریک حیات، جان نچھاور کردینے والی ماں اور ان کا ہر روپ بھرپور و مکمل تھا۔ اس انداز میں وہ بے حد باوقار لگ رہی تھیں۔
"کاش...... یہ سب تم پہلے ہی سمجھ جاتیں تو آج ہم ماضی کے جدائی کا غم نہ منارہے ہوتے نہ کوئی ہمارے درمیان میں موجود ہوتا......"
"شاید جو ہوا اچھے کے لیے ہوا...... صالحہ ہمارے درمیان نہ آتی تو ہم اسی طرح لڑتے جھگڑتے زندگی گزار دیتے کہ بنا چوٹ کھائے ہیرا بھی پتھر ہی رہتا ہے۔ میں اسی طرح شک کا اظہار کرتی رہتی اور آج تک آپ صفائیاں پیش کرتے رہتے، اس جدائی نے ہمیں ایک دوسرے کے قریب کیا، جاننے اور سمجھنے کا موقع دیا جس قدر دوری میں آپ میرے قریب رہے اتنے قریب تو آپ میرے قریب رہ کر بھی نہ تھے۔"
"دیر آید درست آید، اب بھی خواب میں بھی جدائی کی بات نہ کرنا عمرانہ، جو لوگ کھونے کے بعد ملتے ہیں وہ دل و جان سے زیادہ

عزیز تر ہوجاتے ہیں جن کو کھونا بھی زندگی کھونے کے مترادف ہوتا ہے۔" وہ تمام تر نفرت وغصہ، بیگانگی و بیزاری گویا پاؤں دبا کر بھاگ گئی تھی۔ مدثر صاحب پر نوجوانی کی چھب در آئی تھی۔ عمرانہ کے اظہار و پشیمانی اور ندامت نے ان کے دل کو بالکل صاف و شفاف کر دیا تھا۔ انہوں نے عمرانہ کو معاف کر دیا تھا۔ بے شک عمرانہ کی جدائی میں گزرنے والے دن بے حد بوجھل و کٹھن تھے مگر ان کی نیک نیتی کے سبب صالحہ جیسی بیوی بھی ان کے عقد میں آ گئی تھی جو عام شکل و صورت کی مالک تھی مگر ان کا دل دنیا کی ہر حسین عورت کی خوب صورتی سے بڑھ کر خوب صورت تھا۔

"میں نے سودہ کے ساتھ بے حد زیادتیاں کی ہیں، اس کو ہونے والا تپ دق میرے ہی رویوں کے سبب ہے۔ بہت برا سلوک کیا میں نے اس کے ساتھ، لمحہ بہ لمحہ میرے جذبات اس کے ساتھ بدلتے رہے چاہنے کے باوجود بھی اس کو دل سے قبول نہ کر سکی۔ دن ورات اس سے لڑتی تھی مجھے اس سے محبت ہوجائے زید کی خاطر ہی میں اس کو برداشت کرلوں لیکن......" سودہ کے ذکر پر ان کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"لیکن آج میں حلفیہ کہتی ہوں سودہ مجھے زید ہی کی طرح ہی عزیز ہے۔"

❁......❁......❁......❁

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک
دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک
عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہوجائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں اک عنایت کی نظر ہونے تک

زید بے حد غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے زرد رخساروں پر دھیمی دھیمی شفق سی پھوٹ رہی تھی، خوب صورت آنکھوں کے گرد بڑھنے والے سیاہ حلقوں میں نمایاں کمی رہی تھی۔ ستواں ناک کے نیچے خزاں رسیدہ ہونٹوں پہ بھی بہاری چھانے لگی تھی۔ آج کی سودہ کچھ ماہ قبل والی سودہ سے یکسر مختلف و بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ چند ماہ قبل تپ دق نے اس کو کسی پھول کی مانند کملا کر رکھ دیا تھا۔ ساری رعنائی و شباب کم ہو کر رہ گیا تھا۔ اس بیماری کے سبب علاج کے بے حد تکلیف دہ مراحل سے گزرنا پڑا تھا۔ زید نے اپنی تمام مصروفیات بلائے طاق رکھ کر اس کی تیمارداری میں دن ورات ایک کر دیے تھے۔ یہاں پر اس کا ساتھ سب گھر والوں نے بھی بھرپور انداز میں دیا تھا۔ جن میں پیش پیش عمرانہ بیگم رہی تھیں کہ جب ان کے دل سے نفرت ناپسندیدگی و بغض نکل گیا تو پھر محبت و شفقت نے اپنی جگہ بنالی تھیں۔

ان کی محبت میں سودہ ڈھتی چلی گئی اور حقیقت حال یہی تھی کہ زید سے زیادہ عمرانہ کی محبت نے صحت مند ہونے میں مدد فراہم کی تھی۔ اب وہ کئی ہفتے ہاسپٹل میں گزار کر گھر واپس آئی تو ڈاکٹرز نے اس کی صحت کے مطابق حوصلہ افزا جواب دیا تھا۔ وہ خطرے کی پہنچ سے باہر ہوگئی تھی۔ زندگی جاتے جاتے پلٹ آئی تھی۔ زید کا دل بھی مطمئن دھڑکنوں کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا۔ اس کا دل بھی بند ہوتے ہوتے دوبارہ کام کرنے لگا تھا کہ اس کی زندگی کا ہر لمحہ اس سے ہی منسلک تھا ہمیشہ کے لیے۔

"ارے کیا ہوا آپ رو رہے ہیں؟" نہ جانے کس لمحے آنسو بہہ کر اس کے ہاتھ پر گرے اور وہ چونک کر بیدار ہوتے گویا ہوئی۔

"رو رہا ہوں...... پتا ہی نہ چلا کب یہ آنسو بہہ نکلے۔" یکلخت وہ ہوش میں آیا اور چہرہ صاف کرتا ہوا گویا ہوا۔

"یہ آنسو کیوں بہہ نکلے......ایسا کیا ہوا اب؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیوں فکر کرتی ہو یار...... یہ آنسو خوشی کے ہیں اللہ نے تمہیں نئی زیست سے نوازا ہے میں از حد شکر گزار ہوں۔ رب نے کتنا

کرم کیا ہے ورگرنہ مجھے لگتا تھا اب سب کچھ ختم ہونے والا ہے تم...... میں کچھ بھی نہیں بچے گا لیکن دیکھو سب اس کی مہربانی ہے، عنایت ہے، کرم ہے، محبت ہے۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر طمانیت چمک رہی تھی۔

"کیا حال بنالیا ہے آپ نے اپنا؟ میں تھوڑی بیمار ہی ہوئی تھی۔ کوئی مری تو نہیں تھی ناں۔" وہ اس کی بڑھی ہوئی شیو دیکھ کر بولی۔

"آج تو تم نے یہ بات کہہ دی ہے نیکسٹ ٹائم تمہارے منہ پر بھول سے بھی یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں۔" وہ سخت برہم ہوا۔

"جانتی ہو تم کو کھو کر پایا ہے میں نے تمہارے بنا میری زندگی بے معنی ہے تم کب تک میری محبت سے بے خبر رہو گی۔"

"اتنی محبت کرتے ہیں آپ مجھ سے؟" وہ بے ساختہ بول اٹھی۔

"شاید محبت سے بھی بڑھ کر محبت کرتا ہوں میں تم سے۔" وہ گویا اس کی محبت وچاہت میں اپنی سدھ بدھ ہی کھو بیٹھا تھا اور جان بوجھ کر وہ اس سے اظہار محبت کررہا تھا تاکہ وہ بیماری کے خول سے نکل کر زندگی کی طرف آئے اور زندگی کو زندہ رکھنے والی شے محبت سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہوسکتی۔ معاً دروازے پر دستک ہوئی اور چند لمحوں بعد ہچکچاتی ہوئی عروہ اندر آئی اور سودہ کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟"

"ٹھیک۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئی جبکہ زید خاموش رہا۔

"آئم سوری میں نے آپ لوگوں کو ڈسٹرب کیا ایکچوئیلی...... " وہ کچھ لمحے خاموش رہ کر لفظوں کو ترتیب دینے لگی۔

"میں کافی دنوں سے سوچ رہی تھی آپ کے پاس آنے کے لیے لیکن میں ہر بار ہمت ہار جاتی تھی حوصلہ نہیں تھا میں نے آپ کو بے حد تکلیف دی ہے اور زید بھائی آپ کو بھی، میں نے خواہشوں کی تقلید میں اپنے نسوانی وقار وانا کی بھی پروا نہ کی۔ اسی جنون وخیال میں کتنی بار آپ پر گرفت حاصل کرنے کی گھٹیا حرکتیں کیں جو آج میرے لیے پشیمانی کا باعث بن رہی ہیں نہ جانے ایسا کیوں ہوا کہ آپ کے حصول کی طلب میں، میں کچھ بھی سوچے بنا گرتی چلی گئی۔"

"گزری باتوں کو دفن ہی رہنے دو۔ جو گزر گیا وہ واپس نہیں آتا تم اپنے کیے پر شرمندہ ہو یہی تمہاری اچھائی ہے آئندہ کبھی بھول کر بھی ان باتوں کا ذکر مت کرنا تم اب اس گھر کی عزت ہو شاہ زیب کے حوالے سے عزت کرتا ہوں میں اور سودہ بھی۔ شاہ زیب کے روپ میں تمہیں مجھ سے زیادہ بہترین جیون ساتھی مل گیا ہے۔" عروہ کو بے حد شرمندہ و پرملال دیکھ کر زید کی تمام خفگی اور کدورت دور ہوگئی تھی۔ وہ اس سے پہلی دفعہ مسکرا کر گویا تھا۔

"زید کی بات درست ہے عروہ...... بری باتیں بھولا کر ہی ہم رشتوں کو مزید مضبوط اور خوب صورت بناسکتے ہیں، بس اب تم ریلیکس ہوجاؤ یہ سوچ کر کے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہمارے درمیان برا کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ ہم سدا سے ہی اتنے پیارے رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں۔" سودہ نے آگے بڑھ کر اس کو گلے لگالیا۔ عروہ کے انداز میں بھی گرم جوشی تھی۔ بہت اپنائیت سے اس نے سودہ کا رخسار چوما۔ وہ ان کے ہمراہ لاؤنج تک آئی۔ وہاں سب لوگ بیٹھے تھے۔ رضوانہ نے اٹھ کر سودہ کی پیشانی چومی اور ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب ہی بٹھایا، قریب ہی عمرانہ بھی موجود تھیں اور مسکرا رہی تھیں۔ رعب ونفرت سے پاک مسکراہٹ نے ان کے چہرے کو نئی جلا بخشی تھی۔

"پروردگار کا لاکھ شکر واحسان ہے کہ سودہ ماشاء اللہ روز بروز صحت وتندرستی کی طرف گامزن ہیں، ان شاء اللہ جلد ہی مکمل صحت یاب ہوجائیں گی اور سودہ کے صحت مند ہوتے ہی ہم لوگ ایک بڑی دعوت کا اہتمام کریں گے اور وہ ہوگی دعوت ولیمہ۔ بہو تمہارے پاس خاموشی وسادگی سے آگئی مگر اب دعوت ولیمہ سادگی وخاموشی سے ہرگز ہرگز نہ ہوگا۔" رضوانہ بیگم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر شوخی سے کہا تو سودہ نگاہوں کے ساتھ گردن بھی جھکا گئی۔ جبکہ زید کے لبوں پر دلفریب سی مسکراہٹ در آئی تھی۔ شاہ زیب نے دلچسپ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بجیا...... آپ بالکل فکر نہ کریں غم کے بادل چھٹ گئے ہیں اب اللہ کے حکم سے خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی ولیمے کی تقریب بھی ایسی ہوگی کہ لوگ مدتوں یاد رکھیں گے دل کے سارے ارمان ہم نکالیں گے کوئی کمی کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔" وہاں موجود مدثر صاحب نے خوشدلی سے کہا۔

"بھائی...... کچھ سفارش میرے لیے بھی کیجئے نہ......" شاہ زیب نے قریب آکر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"کتنا اچھا لگے گا جب میرا اور آپ کا ولیمہ ساتھ ساتھ ہوگا۔"



ایک عرصے بعد اس کو گہری و پُرسکون نیند آئی تھی۔ برسوں سے تسلط جمائے ملال و دکھ اس کی ایک معافی سے دور ہوگئے تھے۔ معاف کردینے کا عمل جسم کے ساتھ ساتھ روح کو بھی سرشار کردیتا ہے۔ بے شک اس نے ماں کے رویئوں کی چبھن اتنی شدت سے محسوس کی تھی کہ سالوں گزرنے کے بعد بھی اس تکلیف سے نجات نہ مل پارہی تھی اور آج اس تکلیف سے راحت مل گئی تھی۔ وہ خود کو بہت تر و تازہ و ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا۔ زرقا بیگم کے دل کو بھی کئی گنا راحت نصیب ہوئی تھی کہ وہ ہر وقت یہ دعائیں کرتی تھیں کہ اس کے دل کو اللہ نرمی عطا کرے شعوانہ کو اپنی زیادتیوں کا احساس ہوگیا تھا۔ اب نوفل کے دل کو بھی نرمی و محبت عطا کردے۔ پُرخلوص دعائیں ہمیشہ رنگ لاتی ہیں اور یہ رنگ خوشی بن کر ان کے دل اور چہرے پر چھا گیا تھا۔ وہ پہلی فرصت میں انشراح کو دلہن بنا کر لانا چاہ رہی تھیں جس کا برملا اظہار وہ رات سے اب تک کئی مرتبہ کرچکی تھیں۔ اس لمحے بھی وہ اس کے جاگ جانے پر یہی بیان کررہی تھیں۔ معاً وہ مسکرا کر دلکش لہجے میں بولا۔

"ماما..... مجھ سے زیادہ آپ بے قرار ہیں بی کوز ہیڈ پارٹ میرا ہے۔"

"اوہ..... یعنی بی مینڈ کی کو بھی زکام ہوا۔ اب آپ ایسی باتیں کریں گے، ماشاء اللہ..... ماشاء اللہ آپ کو بھی بولنا آگیا۔" وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے گویا ہوئیں۔

"ماما..... پہلے آپ جملے کی تصحیح کریں، میں بی مینڈکی نہیں میاں مینڈک ہوں۔" اس کے اس انداز پر زرقا بیگم بہت زور سے ہنس دیں۔ ان کا ساتھ چائے بناتی امینہ بی نے بھی دل کھول کر دیا۔

"بہو ابھی اپنے میکے میں ہی ہے اور آپ کی زبان فصاحت و بلاغت سے بھرپور انداز میں رواں ہے، بہو کے آنے کے بعد کیا حال ہوگا؟"

"پھر تو ان کی بولتی ہی بند ہوجائے گی، آپ نے سنا ہے ناں بیگم صاحبہ چراغ بجھنے سے پہلے خوب بھڑکتا ہے کچھ ایسا ہی ماجرا ہمارے نوفل صاحب کے ساتھ بھی ہے، کچھ دنوں بعد ہماری بہو بیگم آجائیں گی پھر ان کی کوئل جیسی آواز ہی یہاں ٹھمکا کرے گی۔" امینہ بی نے چائے کا مگ اس کو تھماتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"ارے امینہ بی..... آپ کیا مجھے کاٹھ کا الو سمجھتی ہیں وہ جو میری بولتی بند کردے گی؟ دیکھیے گا آپ میں کس طرح اس کو اپنی انگلیوں پر نچاتا ہوں، میں کوئی زن مرید ٹائپ کا شوہر نہیں بنوں گا۔"

"جی..... وہ تو جیسے کوئی جیتی جاگتی لڑکی نہیں، کوئی کپڑے کی گڑیا ہوں گی، جن کو آپ اپنی انگلیوں کے اشارے پر نچائیں گے۔"

"یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ کون کس کو نچائے گا میں نے رات ہی یوسف کو کال کردی تھی وہ جلد ہی واپس آئیں گے اور ان کے آتے ہی ہم شادی کی تاریخ طے کرنے جائیں گے۔" زرقا بیگم نوفل کو اس روپ میں دیکھ کر بے حد خوش تھیں۔ ان کو کبھی معلوم ہی نہ ہوسکا تھا، از حد سنجیدہ و بیزار بلکہ دنیا سے یکسر ہی لاتعلق رہنے والا نوفل کے اندر بھی کوئی شوخ و شنگ اور کھلنڈرا سا ٹوٹ کر محبت کرنے والا نوجوان چھپا ہے جس سے آج سے قبل کبھی ملاقات ہی نہ ہوئی تھی۔

"اللہ وہ مبارک دن جلد لے کر آئے میرا دل کررہا ہے پلک جھپکتے وہ دن آجائے اور بہو بیگم کسی مورنی کی مانند ہر سو پنکھ پھیلائے گھومتی دکھائی دیں، جب سے وہ گئی ہیں ہر سو ویرانی چھائی ہے جو ان کے یہاں آنے پر ہی ختم ہوگی۔" امینہ کا لہجہ محبت سے چور تھا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو امینہ، جب سے انشراح یہاں سے گئی ہیں تب سے ہی گھر میں بوجھل پن اتر آیا ہے۔ یہ اداسی ان کے آنے سے ہی دور ہوگی۔" وہ بولتے ہوئے رکیں اور اسی لمحے نوفل نے شانے پر کسی ہاتھ کو محسوس کیا اور اچانک مڑ کر دیکھا تو لاریب کھڑا تھا۔

"میں تم سے اپولوجائز نہیں کروں گا نوفل کہ یہ ورڈز جو میں نے جرم کیا تھا اس کے آگے بہت چھوٹا ہے شاید بے معنی بھی۔ آپ جو سزا مجھے دینا چاہیں وہ دیں مگر..... مگر مجھ سے خفا نہ رہیں۔" وہ صوفے کے پیچھے سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کمزور و نادم لہجے میں گویا ہوا۔ نوفل کے مسکراتے لب یک دم بھنچ گئے تھے۔

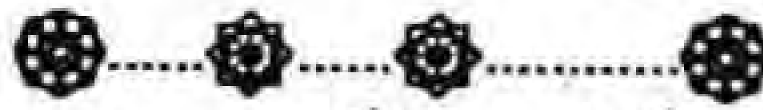
"میری وہ پہلی و آخری غلطی تھی، بہک گیا تھا طاقت کے نشے میں بھول ہوگئی مجھ سے میں رشتے و ناطے کے احترام کو بھول گیا تھا

جانور بن گیا تھا۔ بالکل حیوان ہوگیا تھا میری ہوس نے تباہ کردیا مجھے۔“
”ٹھیک ہے جاؤ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔“ وہ اس کے ہاتھ شانوں سے ہٹاتا ہوا سنجیدگی سے بولا۔
”نہیں اس طرح نہیں، مجھے گلے لگا کر مسکرا کر کہو کہ تم مجھ سے ذرا بھی خفا نہیں ہو، وہ سب جو ہوا تھا وہ بھول گئے ہو۔“ وہ اس کے سامنے آ کر گویا بھیک مانگنے لگا تھا۔
”پلیز...... میرے ضبط کا امتحان مت لو جو کہا وہ کافی ہے۔“ وہ جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے جانے لگا معاً زرقا بیگم نے کہا۔
”جس کو قدرت نے سزا دی ہو پھر اس سے کیسی ناراضی بیٹا؟ آگے بڑھ کر گلے لگالیں بھائی کو یہ اب سہارے کے بنا چل ہی نہیں سکتے۔“ زرقا بیگم نے لاریب کی طرف دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ نوفل کی گولی نے اس کی ایک ٹانگ ناکارہ کردی تھی۔ وہ اسٹک کے سہارے چلتا رہا تھا۔
”اب کوئی شکایت کا موقع نہیں دوں گا یہ سب میری کرنی کا پھل ہے جو مجھے راہ راست پر لے آیا ہے۔“ اس نے دکھ سے کہا تو نوفل نے اسے سینے سے لگالیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

”ارے بیٹا کیا کرنے بیٹھ گئی ہو، ابھی تم بالکل صحت مند نہیں ہوئی اور پھر یہ رانو اور رفیقہ کس مرض کی دوا ہیں وہ کریں گی یہ کام ان کو کوئی مفت کی روٹیاں توڑنے کے لیے یہاں نہیں رکھا۔“ وہ بیٹھی ہوئی اپنی اور مائدہ کی مشترکہ الماری میں بکھرے کپڑے تہہ اور ہینگ کررہی تھی۔ معاً عمرانہ وہاں آئیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کارپٹ سے اٹھاتی ہوئیں شفقت بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔
”میں ٹھیک ہوگئی ہوں ممانی جان۔ بور ہوگئی ہوں آرام کر کر کے سوچا وارڈ روب ہی درست کرلوں کچھ ٹائم تو گزرے گا۔“ وہ اپنے مخصوص نرم لہجے میں گویا ہوئی۔
”ماشاء اللہ طبیعت ٹھیک ہوگئی ہے مگر ویکنیس کس قدر ہے چلو ریسٹ کرو میں رانو سے کہتی ہوں وہ تمام کپڑے ہینگ کردے گی۔ کوئی ضرورت نہیں ہے اب تمہیں یہ چھوٹے موٹے کام کرنے کی بہت کام کرلیا تم نے۔“
”ممانی جان کام نہیں کروں گی تو دل کس طرح لگے گا؟“
”پگلی لڑکی۔ کام سے بھی کوئی دل لگاتا ہے ارے دل لگانے کے لیے زید ہے ناں اس سے پیار بھری باتیں کرو، محبت کرو دل خود بخود لگ جائے گا۔“ وہ شرارتی لہجے میں بولیں تو وہ لجا کر گردن جھکا کر رہ گئی کہ اس کو ان سے ایسے بے باک مذاق کی قطعی توقع نہ تھی۔ اس کے انداز پر وہ ہنس دیں۔
”ہنستی مسکراتی رہا کرو۔ یہی عمر ہوتی ہے لائف کی خوب صورتی کو دل سے انجوائے کرنے کی جب عمر نکل جاتی ہے پھر پچھتاوا و حسرتیں رہ جاتی ہیں، جس طرح میں نے خود اپنے گلشن کو خاک کیا اور راکھ کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ لگا وقت گزر گیا ملال چھوڑ گیا۔“
”وقت گزرنے کا بے شک ملال ہے لیکن ماموں جان کی محبت تو کم نہیں ہوئی ناں۔ بیتے وقت نے اس کو مزید مضبوط کردیا ہے۔“ وہ اس کو لے کر اپنے روم میں چلی آئی تھیں۔
”ہوں، درست کہہ رہی ہو۔ مدثر اسی طرح محبت کرتے ہیں مگر صالحہ کسی کانٹے کی طرح مجھے کھٹکتی رہتی ہے آئی نو وہ بہت اچھی بے ضرر عورت ہے بے حد ممنونیت واحترام ہے اس کی نیچر میں جو ایک بار اس سے ملتا ہے اس کا گرویدہ ہوجاتا ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی میں اس کو قبول کرچکی ہوں مدثر پر صالحہ کا بھی اس قدر ہی حق ہے جتنا میں رکھتی ہوں۔ سب خبر ہے اور سب معلوم ہے مگر خلش ہے کہ جاتی ہی نہیں دنیا کا سب سے بھاری تاوان مجازی خدا کو بانٹنا ہوتا ہے۔“ معاً مائدہ نے دروازے سے گردن نکال کر اندر جھانکتے ہوئے کہا۔
”اوہو ہو...... ساس، بہو ایک ساتھ بیٹھی ہیں یعنی انتہا امن ماحول ہے کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ سے پانی پی رہے ہیں۔“
”بی لومڑی تم بھی آ جاؤ تمہاری بھی گنجائش ہے گھاٹ پر۔“
”مائی گاڈ مما آپ نے مجھے لومڑی کہا......! بہو کیا آئی آپ نے تو پارٹی ہی بدل لی ایسا کہیں ہوتا ہے کیا۔“
”دروازے پہ کیوں کھڑی ہو؟ اندر آؤ ناں۔“
”میں بتانے آئی تھی وہ منزہ آنٹی آئی ہیں آپ سے ملنے۔“ اس نے اندر آ کر اطلاع بہم پہنچائی تو منزہ کا نام ان کے اندر پتنگے لگا

گیا فوراً منہ بنا کر گویا ہوئیں۔
"مجھ میں کون سے سرخاب کے پر لگ گئے جو مجھ سے ملنے آئی ہے؟ جا کر کوئی بہانہ کردو میں نہیں ملوں گی اس سڑیل عورت سے۔"
اسی اثناء میں دروازہ وا ہوا اور منزہ اپنی ساس کے ہمراہ اندر آئیں۔
"چلیں ہم نے سوچا آپ ہم سے نہیں ملیں گی تو ہم خود آپ کی خدمت میں پیش ہو جاتے ہیں ایک ہی بات ہے۔" وہ مسکراتی ہوئیں منہ بنائے کھڑی عمرانہ کے گلے لگ گئیں پھر وہ ساس بہو باری باری عمرانہ اور سودہ سے گلے ملیں۔
"بیٹھنے کا نہیں کہیں گی؟ میں بڑی مشکل سے سیڑھیاں چڑھ کر آئی ہوں۔" جنید کی دادی ہانپتی ہوئیں عمرانہ سے مخاطب ہوئیں۔
"ارے بیٹھیں ناں آپ کا اپنا ہی گھر ہے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔" عمرانہ اور سودہ ان کی خوش مزاجی و شیریں گفتاری پر حیران ہوئیں کہ آج ان کا لہجہ شہد میں ڈوبا اور انکساری سے بھرپور تھا۔
"میں دراصل معذرت کرنے ہی آئی ہوں اس دن جو آپ کے ساتھ میں نے رف گفتگو کی تھی وہ ایک پلاننگ کا حصہ تھا جس میں مائدہ اور جنید نے میرا ساتھ دیا تھا۔" وہ عمرانہ کا ہاتھ تھام کر ایک ایک بات بتاتی گئیں کہ کس طرح مائدہ نے جنید کو سودہ اور زید کے ساتھ عمرانہ کے سلوک کے بارے میں بتایا تھا اور جنید بھی زید کی طرف سے پریشان و فکر مند تھا اور اس کو معلوم تھا کہ زید کسی بھی حال میں اپنے حالات سے اس کو آگاہ نہیں کرے گا پھر ان کی خوشیوں کے لیے انہوں نے یہ پروگرام بنایا کہ منزہ عمرانہ کو ان کو برے سلوک کا احساس دلانے کے لیے مائدہ کے ساتھ ایسا ہی بی ہیو کریں گی اور انہوں نے ایسا ہی کیا تھا ان کے احساس کو بیدار کرنے کے لیے ابھی یہ ڈراما جاری رہتا کہ سودہ کی بیماری نے پانسا پلٹ دیا اور سب کچھ اس کے حق میں بہتر ہوتا چلا گیا۔
"شکر ہے میری آنکھوں پر چڑھی ضد و انا کی پٹی اتر گئی اور یہ بھی رب کا کرم ہے کہ میری بیٹی کی ساس اور دادی ساس مجھ سے بھی بہتر ہیں۔" مارے خوشی کے ان کے آنسو بہہ نکلے تھے۔



"نانی نوفل نے اپنی مدر کو معاف کردیا ہے اور ان کو دل سے قبول کرلیا ہے اب ضرور ان کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی آئے گی۔"
"یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا انگلیوں سے ناخن جدا نہیں رہتے البتہ وقتی طور پر کٹ ضرور جاتے ہیں میں کہتی ہوں تم بھی عقل کے ناخن لو اور روشن کو ماں مان لو...... ماں صرف ماں ہوتی ہے۔" لوہا گرم دیکھ کر انہوں نے بھی چوٹ لگائی۔ وہ اس وقت ان کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی چند لمحے توقف کے بعد سنجیدگی سے بولی۔
"جی...... ماں صرف ماں ہوتی ہے لیکن یہ کیسی ماں ہے جو اپنی زندگی روشن رکھنے کے لیے اپنے ہی بچوں کے جیون اندھیروں سے بھر دیتی ہیں۔ ایک کرب ناک زندگی میں نے گزاری ایک اذیت ناک حیات نوفل کی گزری۔ جب بھی ماضی پر نگاہ پڑتی ہے تو حسرت و تشنگی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اینی ویز، جو ہونا تھا وہ ہو گیا دعا کریں ہماری آئندہ آنے والی زندگی پُرسکون پُر تشنگی و حسرتوں سے پاک مسرتوں میں گزرے کوئی ملال دسوز چھوئے بھی نہ۔"
"دُھوں سے نکل آؤ بیٹا۔ تم دونوں کی زندگی سے غم کی رات ڈھل گئی ہے اور سکھ و خوشیوں کا سویرا پھوٹ نکلا ہے، تم نوفل کے لیے ایک اعلیٰ و قابل رشک شریک سفر ثابت ہو کہ تمہاری چھاؤں میں آکر وہ خود کو خوش نصیب تصور کرے اور اس کی رفاقت میں تم خود پر ناز کرو۔ جب تم ایک ساتھ ہوں گے تو ماضی بھول کر بھی پاس نہ آئے گا۔"
"ماسی رات کال آئی تھی زرقا آنٹی کی وہ ان کی شادی کی ڈیٹ فکس کرنے آنا چاہ رہی ہیں پھر کب بلا رہی ہیں تاکہ ہمارے گھر بھی شہنائیاں بجیں اور میں خوب ناچوں، گاؤں اور ٹھمکے لگاؤں۔" بالی کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں وہ از حد مسرور تھی۔
"کل بلا لوں گی...... ہمیں بھی تو اس ماہ کے آخر میں جانا ہے اور جانے سے قبل اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں ہی تو اچھا ہے۔ کل ڈنر پر انوائٹ کرلیتی ہوں بس دو ہفتے بعد کی ڈیٹ فکس کردیں گے۔" وہ بالی کے لائے کلینڈر سے دن و تاریخ دیکھتی ہوئی بولیں۔
"آپ سچ مچ چلی جائیں گی؟" معاً گلوگیر لہجے میں انشراح کہہ اٹھی۔ انشراح کو اپنی خوشیوں پر بھاری ان کی جدائی لگ رہی تھی جیسے جیسے ان کے جانے کے دن قریب آرہے تھے اس پر عجیب کیفیت طاری ہو رہی تھی۔
"کیا بچوں جیسی باتیں کررہی ہو انشی؟ ہمیں تو جانا ہی ہے اب یہاں رہنے کو دل نہیں کرتا۔ بہت صدمے گزرے ہیں یہاں

دل پر۔ جب وہ یاد آتے ہیں تو راتوں کی نیندیں اور دن کا چین اڑ جاتا ہے۔" جہاں آرا بیتے وقت کی تلخیوں میں گم ہو کر گویا ہوئیں۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں آپ کے اور بالی کے بغیر کیسے رہوں گی؟ کبھی آپ سے دور جو نہیں رہی ہوں۔ ایک ہی بار دور رہی تھی تو دیکھا تھا کیا سلوک ہوا تھا میرے ساتھ؟" شدت جذبات سے وہ رونے لگی۔

"ارے یہ کیسی باتیں کررہی ہو تم؟ اب ہمارا ٹھہرنا امپاسبل ہے پھر ہم تمہیں تنہا چھوڑ کر نہیں جارہے نوفل بھائی کی صورت میں ایک مضبوط سہارا دے کر جارہے ہیں تمہارے پاس۔ دیکھنا ان کی سنگت میں تم ہمیں یاد بھی نہیں کرو گی۔" بالی کا دل خود اس کی جدائی کے احساس سے بوجھل ہورہا تھا کئی بار وہ چھپ چھپ کر رو تی رہی تھی۔ اب بھی وہ اس کو گلے سے لگا کر روتے ہوئے بولی۔

"اس ٹیکنالوجی کے دور نے فاصلے سمٹ دیے ہیں ہم سے بات کرنا اور جب چاہے ہم سے ملنے نوفل کے ساتھ امریکا آجانا۔" بھیگی آنکھوں اور مسکراتے لبوں کے ساتھ انہوں نے دونوں کو گلے لگایا۔ دوسرے دن کی شام بڑی گہما گہمی لے کر آئی تھی۔

شعوانہ اور زرقا بیگم انشراح کے اردگرد بیٹھی تھیں اور وہ ان کے درمیان بیٹھی گھبراہٹ محسوس کررہی تھی۔ وہ اس وقت سی گرین میکسی میں ملبوس تھی جس پر سلور کام لشکارے ماررہا تھا۔ اس کے گولڈن بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔

"بھابی جان میری اور نوفل کی پسند دیکھی آپ نے کس قدر یسم ہے۔ انشی کو میں نے پہلی بار دیکھا تھا تب ہی میرے دل نے کہا تھا کہ یہ لڑکی تو میرے نوفل کے ساتھ جچے گی یہ تو بعد میں آپ نے بتایا کہ انشی نہ صرف ہماری بہو ہے بلکہ نوفل کی پسند بھی ہے۔" وہ بے حد خوش تھیں۔

"انشراح اور نوفل کا کپل تو پرفیکٹ ہے ماشاءاللہ۔" وہاں موجود بالی نے بھی ستائشی لہجے میں کہا۔

"یہ کنگن میں اپنی بہو کے لیے لائی ہوں آپ کو پسند آئے گا؟" شعوانہ بیگم اپنے پرس سے طلائی جڑاؤ کنگن نکال کر اس کو پہنانے لگیں۔

"ماشاءاللہ یہ تو بے حد خوب صورت ہیں۔" کنگن سب کو پسند آئے۔ انہوں نے کنگن پہنا کر محبت سے اس کی پیشانی چومی۔ اس نے مسکرا کر ان کا شکریہ ادا کیا جواباً انہوں نے بھی مسکرا کر کہا۔

"آپ کی وجہ سے ہی میرا بیٹا مجھے ملا ہے میں تاحیات آپ کی ممنون رہوں گی۔ میں بے حد خوش ہوں بہو کے روپ میں بیٹی مل گئی ہے مجھے۔"

"اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ انشراح نے ہماری زندگی میں اجالے بکھیر دیے ہیں۔" زرقا بیگم کے لہجے میں محبت تھی۔

اسی اثنا میں بالی نے کھانا لگنے کی اطلاع دی اور وہ لوگ ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گئے۔ دو ہفتے بعد اس کو نوفل کے سنگ رخصت ہو جانا تھا نہ کرتے ہوئے بھی ناجانے دل کب اس کو قبول کر گیا تھا۔ وہ پوری سچائی کے ساتھ اس کی ہمراہی و رفاقت قبول کر چکی تھی لیکن وہ غم و خوشی کے درمیاں خود کو محسوس کررہی تھی۔

رات کی محفل اچھی رہی تھی۔ سب بہت خوش تھے پر بالی انشراح کو اداس دیکھ کر پریشان ہورہی تھی اور اب صبح ہو جانے پر بھی وہ الجھن کا شکار لگ رہی تھی۔ بال جو اس کے احساسات سمجھ رہی تھی اس نے خاموشی سے نوفل کو کال پر اس کی ساری کیفیت بتائی وہ فوراً ہی چلا آیا تھا۔ اتفاق سے جہاں آرا گھر میں نہیں تھیں انشراح کے چہرے پر آلود سرخی پھیل گئی تھی نوفل کو غیر متوقع طور پر اپنے سامنے دیکھ کر وہ اس کی آمد سے بے خبر تھی۔

"سنا ہے تم شادی سے خوش نہیں ہو؟" اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے وہ از حد سنجیدگی سے استفسار کرنے لگا تو وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

نیلے کوٹ سوٹ میں اس کی وجیہہ پرسنالٹی خاصی نمایاں تھی۔ اس کے ملبوس سے دلفریب مہک اٹھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں قندیلیں روشن تھیں وہ بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے گھبرا کر نگاہیں جھکا لیں۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں دیواروں سے نہیں جواب دو، تم اس شادی سے خوش نہیں ہو، کیا ہماری شادی کا فیصلہ غلط ہے؟"

"نہیں..... نہیں یہ کس نے کہا آپ سے؟" اس کے درشت لہجے میں ہلکا خروہ گڑبڑا کر بول اٹھی۔

"کون کہے گا بھلا..... تمہارا رویہ بتارہا ہے کہ کل شادی کی تاریخ طے پاجانے پر تم نے مجھے مبارک باد تک دینا گوارا نہ کیا اب بھی تمہارے چہرے پر کوئی خوشی و انبساط دکھائی نہیں دے رہا..... اگر تم خوش نہیں ہو تو میں ابھی یہ قصہ تمام کردیتا ہوں، انکار کردوں شادی

سے بولو؟"

"بٹ...... بٹ میں نے کچھ نہیں کیا...... میں تو بہت خوش ہوں۔" اُس کو تیزی سے کھڑے ہوتے دیکھ کر وہ بھی کھڑی ہوتی بوکھلا کر کہہ گئی۔

"خوش ہو لیکن یہ کیسی خوشی ہے جس میں تمہاری آنکھیں نم ہیں؟"

"نانی اور بالی کی جدائی کا خیال مجھے مضطرب کیے ہوئے ہے میں کبھی بھی ان سے اتنا دور نہیں ہوئی ہوں اور اب وہ اتنی دور چلی جائیں گی کہ......" وہ بے اختیار رونے لگی۔اس کی بے چارگی و بے بسی نوفل کو تڑپا گئی حالانکہ اس نے بالی سے کہا تھا کہ وہ کچھ دیر اس کو تنگ کرے گا مگر اس کو روتا دیکھ کر وہ اس کے قریب آیا اور ہاتھ پکڑ کر نرمی سے بولا۔

"میں مذاق کر رہا تھا...... بالی فون پر مجھے سب بتا چکی ہے اس میں اتنا فکر مند اور گھبرانے کی کیا بات ہے کچھ دن تفریح کی غرض سے ان کو جانے دو، میں پرامس کرتا ہوں ہم دونوں امریکا جا کر ان کو واپس لے آئیں گے اور پھر ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ یہاں رکھ لیں گے۔" اس نے اس کے آنسو صاف کرتا ہوا محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"ریئلی...... !آپ سچ کہہ رہے ہیں نانی اور بالی ہمارے ساتھ رہیں گی؟" وہ بے ساختہ روتے ہوئے خوشی سے جھوم کر بولی۔

"ریئلی...... جھوٹ بولا ہے میں نے کبھی تم سے جواب بولوں گا؟"

"نہیں...... کبھی نہیں۔" مارے خوشی کے وہ پھولوں کی مانند کھل اٹھی۔

"ایک بات بالکل سچ سچ بتاؤ گی؟" وہ اس کے ہاتھ تھام کر اس کی خوب صورت ڈارک براؤن چمکیلی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔وہ چپ رہی۔

"مجھ سے محبت کرتی ہو؟" اس نے بھاری لہجے میں سرگوشی کی تو جواباً اس کا چہرہ گلال ہو گیا۔اس کی ساری بولڈنس ہوا ہو گئی گردن جھکتی ہی چلی گئی تھی۔وہ اس کے ہاتھ تھامے سرگوشیاں کرتا رہا۔

"جواب دو ناں......؟ محبت کرتی ہو یا نہیں، چپ رہنے سے کام نہیں چلے گا۔"

"عورت اقرار کرتی ہوئی اسٹوپڈ لگتی ہے پھر آپ بھی اس طرز عمل و بے باکی کو پسند نہیں کرتے تھے آج آپ کو کیا ہوا ہے جو ایسی باتیں کر رہے ہیں یاد ہے آپ کو میں کسی زمانے میں کتنی بے باک اور بولڈ ہوا کرتی تھی اور آپ کس طرح ناپسندیدہ اور قہر آلود نگاہوں سے مجھے دیکھا کرتے تھے۔" وہ ہاتھ چھڑا کر اس سے دور ہو کر کہہ گئی۔

"شروع شروع میں مجھے آپ کی حالت دیکھ کر خوشی ملتی تھی کہ اس وقت آپ مجھے اپنے دشمن لگا کرتے تھے میں جان بوجھ کر ایسی ڈریسنگ کرتی تھی تاکہ آپ کو خوب جلاؤں لیکن پھر ایسا وقت آیا کہ مجھے ادراک ہوا عورت مکمل ڈھکی ہوئی خوب صورت لگتی ہے پردہ ہی اس کا مکمل و مضبوط حصار ہے آج میں اس حصار میں خوش ہوں تو آپ میرا حصار توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے تم سیریس ہی ہو گئی ہو میں ایک کامن بات کر رہا ہوں میں تم سے بے شمار بار اظہار محبت کر چکا ہوں، اپنے عشق کی دیوانگی سے آگاہ کر چکا ہوں اب تمہیں بھی کرنا چاہیے۔اب ہم لائف پارٹنر بننے والے ہیں۔" وہ مسکرایا تھا اس نے دیکھا وہ بے حد خوش لگ رہا تھا۔

"اب میں کیا کہوں...... مجھے کچھ میں نہیں آ رہا؟" وہ نروس ہوئی۔

"ارے ارے...... ٹینشن مت لو...... میں یہ چیک کر رہا تھا کہ تم سچ مچ میرے آئیڈیل میں ڈھل گئی ہو یا محض مجھے دکھانے کے لیے ڈھونگ کر رہی ہو، تھینکس گاڈ کہ تم سچ مچ میرا آئیڈیل بن گئی ہو۔شرم و حیا کا پیکر، حساس و پرخلوص وجود والی ایک ٹیلر بالڑکی۔" اس کی آواز چاہت کے پھولوں سے مہک رہی تھی آنکھوں میں وفاؤں کے چراغ پوری آب و تاب سے روشن تھے انشراح کے چہرے پر پرسکون روشنی پھیل گئی تھی۔ایک کٹھن زندگی کے بعد اب خوب صورت زندگی کا آغاز ہونے جا رہا تھا۔اس کی محبت کی شدت وہ دیکھ رہی تھی وہ اس کی چاہت میں دیوانہ تھا محبت تو وہ بھی اس سے جنونی کرتی تھی مگر اقرار کرنا معیوب لگ رہا تھا۔

"مشعوانہ آنٹی کو بھی ہم ساتھ رکھیں گے کیونکہ ان کے ہزبینڈ کینسر کے لاسٹ اسٹیج پر ہیں کبھی بھی ان کا سانسوں سے ناطہ ٹوٹ سکتا ہے۔"

''حکم کی تعمیل ہوگی ملکۂ عالیہ۔'' وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔ تب ہی بالی ٹرالی لیے وہاں آئی اور ان کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر اس کے دل سے دعا نکلی کہ وہ سدا یوں ہی خوش وخرم مسکراتے رہیں۔
''اب میں بھی کچھ کہوں جو تمہیں بھی ماننی پڑے گی۔'' نوفل نے انشراح کے ہاتھ محبت سے تھام کر کہا تو انشراح نے حیران ہو کر اس کو دیکھا۔
''جی کہیں...... کیا منوانا چاہتے ہیں آپ۔'' انشراح نے شریر لہجے میں کہا۔
''اب تمہیں بھی اپنی ماں کو معاف کر دینا چاہیے۔'' اس کی بات پر انشراح نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ وہ تذبذب کا شکار ہوگئی۔
''معاف کر دو گی ناں اپنی ماں کو؟'' اس نے بڑے مان سے کہا تو انشراح اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔



چھو کر میرے من کو کیا تو نے کیا اشارہ
بدلا یہ موسم لگے پیارا جگ سارا

وہ بال بناتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔ وہ آج بے حد خوش تھا۔ سودہ کی رپورٹس کلیئر آئی تھیں وہ تپ دق کے چنگل سے نکل آئی تھی۔ کئی ماہ اس نے اس بیماری کو خندہ پیشانی وصبر واستقامت سے جھیلا تھا۔ اس کی گنگناہٹ کو بریک دروازے پر ہونے والی دستک سے لگا تھا۔
''آئیں مما۔'' اس نے عمرانہ کو دیکھ کر ادب سے کہا۔
''کہیں جانے کا ارادہ ہے آپ کا؟'' وہ پیار سے گویا ہوئیں۔
''جی نہیں کوئی کام ہے؟'' وہ برش رکھ کر ان کے قریب چلا آیا۔ وہ اس کو اتنے قریب سے خاصے دنوں بعد دیکھ رہی تھیں اور ان کو محسوس ہوا سودہ بیماری میں برف کی مانند پگھلی تھی تو کمزور وہ بھی خوب ہوگیا تھا اور یہ اس کی سچی محبت کا ثبوت تھا۔
''کتنے ویک ہوگئے ہیں؟ کیسی زور آور محبت ہے آپ کی کسی معاملے میں بھی سودہ کو تنہا نہیں چھوڑا۔'' انہوں نے ستائشی لہجہ میں کہا تو وہ مسکرا دیا۔
''کام کوئی نہیں ہے میں یہ کہنے آئی تھی کہ سودہ اللہ کے حکم سے صحت یاب ہوگئی ہے البتہ کمزوری ابھی باقی ہے میں چاہتی ہوں ایک عرصہ پریشانیوں ومشکلات میں گزرا ہے آپ سودہ کو لے کر کسی پُر فضا مقام پر چلے جائیں ہماری خواہش بھی یہ ہے اور ڈاکٹرز نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔'' اس کے لیے ہی نہیں سودہ کے لیے بھی ان کے لہجے میں فکر مندی تھی۔
''ہم سب ہی ساتھ چلتے ہیں مما کبھی ہم لوگ ساتھ نہیں گئے۔''
''ساتھ بھی چلیں گے لیکن ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے آپ کا اور سودہ کا جانا ضروری ہے نیکسٹ ٹائم ہم سب ساتھ چلیں گے۔''
''آپ ٹال رہی ہیں...... ابھی ساتھ چلنے میں کیا قباحت ہے؟''
''سمجھا کریں بیٹا صالحہ بتا رہی تھیں مدثر کو ہارٹ پرابلمز رہتی ہے' آپ کی غیر موجودگی میں شاہ زیب کو ساتھ لے کر میں مدثر کا کمپلیٹ چیک اپ کراؤں گی' آپ کی اور سودہ کی موجودگی میں وہ آئیں بائیں شائیں کریں گے پھر سودہ کو ماحول کی تبدیلی کی ضرورت ہے۔'' انہوں نے پیار سے اس کے گلا تھپتھپاتی ہوئی کہا۔
''ڈیڈی کی فکر مت کریں آپ...... میری ان کے فزیشن کے بورڈ سے بات ہوگئی تھی یعنی ایک طویل میٹنگ ہوئی تھی جہاں ڈیڈی کی رپورٹس کی بڑی باریک بینی سے جانچ پڑتال کے بعد یہی معلوم ہوا تھا کہ وہ شدید ڈپریشن کا شکار ہیں اور آپ نے دیکھا رفتہ رفتہ جب سب پرابلمز سولو ہوتی گئیں اور ڈیڈی ذہنی بوجھ وتفکرات سے آزاد ہو کر اب بالکل چاق وچوبند نظر آرہے ہیں اور جب صالحہ آنٹی اور شاہ زیب کو آپ نے کھلے دل سے ایکسیپٹ کیا تب سے وہ بالکل ہی ریلیکس ہوگئے ہیں۔'' اس کے لہجے میں ماں کے لیے ستائش وفخر تھا وہ مسکرا اٹھیں۔
''آپ کچھ بھی دلائل دیں مگر یہ طے ہے کہ آپ اور سودہ ہی جائیں گے' یہ سب سے زیادہ میری خواہش ہے ہذیل۔'' وہ کچھ رنجیدہ

سی ہوئیں۔

"میں سب جانتی ہوں آپ نے میری وجہ سے اپنی میرڈ لائف کو بھی ٹھوکر ماردی تھی آپ کی یہی خواہش تھی ناں جب تک میں سودہ کو دل سے قبول نہ کرلوں آپ اس کو چھوئیں گے بھی نہیں۔" وہ رک رک کر بات کررہی تھیں کہ اس موضوع پر اس سے گفتگو کرنا ضروری تھا کہ وہ ان کی خوشی کی خاطر شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی غیر شادی شدہ کی مانند زندگی گزار رہا تھا۔

"میں چاہتی ہوں آپ اب اس خودساختہ صبر و جبر سے باہر آجائیں اور میں اپنے ضمیر کی قید سے رہائی پاؤں مرتے دم تک سودہ میری محبت کی چھاؤں میں رہے گی اب میں بھی اس کو نظر انداز نہیں کرسکتی۔"

"مما یہ کس طرح ممکن تھا میں ماں کی خفگی پر اپنی خوشی کی سیج سجاؤں اس سے قبل میں موت کو گلے لگانا پسند کرتا۔"

"اللہ نہ کرے...... یہ کیسی باتیں کررہے ہیں؟ اللہ آپ کو عمر خضر عطا کرے آمین۔" وہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر نارضی سے گویا ہوئیں تو وہ ان سے لپٹ گیا۔ سودہ ابھی نیچے پورشن میں ہی مقیم تھی۔

بیماری اور کمزوری کے باعث کسی نے بھی اس کو اوپر جانے کا نہیں کہا تھا۔ صوفیہ نے اس کو ہاتھ کا چھالا بنالیا تھا' رات دن وہ اس کے تیمارداری میں لگی رہتیں' یہی وجہ تھی کہ وہ رات اپنے کمرے میں ہی گزارتا تھا پھر ابھی ایک حجاب بھی ان کے درمیان حائل تھا جو اس کو پیش قدمی کی اجازت نہیں دے رہا تھا اور آہستہ آہستہ یہ راز سب پر ہی عیاں ہوگیا تھا کہ وہ دونوں ابھی بھی ایک دوسرے سے اجنبی ہیں۔ ملک سے باہر جانے سے زید نے انکار کردیا تھا کہ ابھی سودہ کی صحت طویل سفر کے قابل نہیں تھی سو یہ فیصلہ ہوا کہ مری میں قائم کاٹیج میں وہ قیام کریں گے۔ وہاں کا موسم اور فضائیں سودہ کی صحت کے لیے بہترین و موزوں ترین تھیں سودہ نے سنا تو گڑبڑا کر بولی۔

"مری...... ہم تنہا جائیں گے؟"

"تنہا...... دو افراد بھلا تنہا کس طرح ہوسکتے ہیں۔" مائدہ کھلکھلائی۔

"میرا مقصد ہے سب گھر والے ساتھ چلیں تو اچھا لگے گا۔"

"ارے بھئی ہم کیوں کباب میں ہڈی بنیں' میرا مطلب ہے ممی کی پُرزور خواہش ہے کہ آپ اور بھائی جائیں' ممی کو احساس ہے ان کی وجہ سے بھائی نے اپنی خوشیاں پس پشت ڈال دی تھیں' اب وقت آگیا ہے ان خوشیوں کو ڈبل کرکے لوٹانے کا۔ محبت و بے لوث بے غرض تعلق کبھی رائیگاں نہیں جاتا صبر کے پھل کی مانند میٹھا ملتا ہے۔"

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو تم سچی محبتیں ہو یا رشتے کبھی نہ کبھی اپنا اثر ضرور رکھتے ہیں پھر ممانی زید سے بے حد محبت بھی تو کرتی ہیں۔"

"زید سے ہی نہیں...... میں تم سے بھی محبت کرتی ہوں مائدہ کچھ عرصہ بعد اپنے گھر رخصت ہوکر چلی جائے گی اصل بیٹی تم ہو جو بہو بن کر ہمیشہ میرے ساتھ رہوگی پھر میں تم سے کیوں نہ پیار کروں۔" مسکراتی عمرانہ وہاں آکر گویا ہوئیں تو وہ سر جھکا کر رہ گئی۔ آج اس کے چہرے پر روخوف اور گھبراہٹ مفقود تھی جوان کو دیکھ کر اس پر طاری ہوجاتی تھی۔

"میں نے تمہاری اور زید کی تمام پیکنگ کروادی ہے کل شام کو تم دونوں کی فلائٹ ہے' مری میں تمہاری پسند کے مطابق کاٹیج کو ڈیکوریٹ کرایا ہے اگر کوئی کمی رہ گئی ہو وہاں تو ملازمین سے کہنا وہ ہر حکم کو مانیں گے' چوکیدار اور اس کی پوری فیملی سرونٹ کوارٹر میں مقیم ہے وہ ہی وہاں کام بھی کرتے ہیں بہت وفادار و محنتی لوگ ہیں۔ وہ تم دونوں کو کسی شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔ اب تیار ہوجاؤ ولیمے کے سوٹ کی تیاری کے لیے زید کے ساتھ آرڈر دینے چلی جاؤ تمہاری مری سے واپسی بھی ڈیڑھ ماہ بعد ہوگی۔ اتنی مدت میں ولیمہ کا سوٹ بھی تیار ہوجائے گا۔" وہ بڑے اطمینان سے اس کو آگاہ کررہی تھیں وہ سر جھکائے کھڑی رہی۔

"ارے تو کیا ولیمے کا ڈیسائیڈ بھی ہوگیا...... کس دن ہوگا؟"

"ان کی واپسی کے تیسرے دن سنڈے کو ولیمہ پارٹی رکھی ہے۔"

"اوہ...... پھر تو مجھے بھی آج سے ہی تیاری شروع کرنا چاہیے بی کوز میرے اکلوتے بھائی کا ولیمہ ہوگا میں تو بہت سارے سوٹ بناؤں گی اور میچنگ کی جیولری' چوڑیاں' جوتے کھسے میک اپ اور اور...... مائی گاڈ ابھی سے مجھے لسٹ بنا کر تیاری کرنی ہوگی پہلے لسٹ بناتی ہوں۔" مارے خوشی کے اچھلتی ہوئی وہ وہاں سے چلی گئی۔

"اس لڑکی کو شاپنگ کا کریز ہے دیکھنا اب یہ رات دن میرا دماغ خراب کرے گی ایک تقریب کے لیے کئی ملبوسات و دیگر

چیزیں چاہیں۔" مائدہ کے جانے کے بعد وہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئیں جو خود بھی خاصی خوش تھیں۔
"صحت یابی کے بعد پہلی بار گھر سے باہر تم زید کے ساتھ جارہی ہو، بہت اچھے سے ڈریس اپ ہونا جیلری میک اپ سب اچھا ہونا چاہیے۔" وہ کہہ کر چلی گئیں۔
وہ کی رنگ ہاتھ میں پکڑے اسے بلانے کی خاطر کمرے میں داخل ہوا اور وہ اس کو سامنے ہی منتظر دکھائی دی۔ وہ بھی سراپا قیامت بنی ہوئی تھی۔ میرون دلکش شیفل سوٹ میں اس کالائٹ میک اپ و جیولری چہرہ چاند کی طرح روشن و دل آویز لگ رہا تھا۔
"اوہ......! ڈیٹس یو مائی لو۔" اوپر سے نیچے تک پھسلتی ایک نظر میں وہ چاہت سے مخمور لہجے میں کہہ اٹھا پہلی بار وہ اعتماد سے مسکرائی تھی۔
لائٹ کلر کے ویسٹ کوٹ سوٹ میں وہ ہمیشہ سے زیادہ وجیہ و خوبرو دکھائی دے رہا تھا وہ بے خود سا آگے بڑھ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔
"کہاں چھپا رکھا تھا تم نے یہ حسن جو آج سے قبل مجھے دکھائی نہیں دیا۔" اس کے ملبوس سے نکلتی مدہوش کن مہک اس کو اپنے حصار میں لینے لگی۔ اس کی چاہت کی حدت سے لو دیتی آنکھوں نے اس کو نگاہیں جھکانے پر مجبور کردیا اس کی گرم سانسوں کی تپش اس کی سانسوں کو بے ترتیب کرنے لگی تھی بہت عجیب انداز میں اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔
"مجھے معلوم ہی نہیں ہوسکا تھا کہ تم اس قدر حسین ہو...... رانیوں کی طرح پُر وقار، شہزادیوں کے جیسی حسین وطرح دار حسن کی مالک" وہ نرمی سے اس کے چہرے پر انگلیاں پھیرتا ہوا کہہ رہا تھا۔ اس کے گرم ہاتھ کا لمس اس کے اندر برق سی دوڑانے لگا تھا وہ گھبرا کر پیچھے ہوتے ہوئے بولی۔
"شاپنگ کے لیے ممانی جان اور مائدہ کو ساتھ لے کر چلیں مجھے شاپنگ کی عادت نہیں ہے پھر ان کا ہمارے ساتھ ہونا اچھی بات ہے۔"
"ارے یار چھوڑو شاپنگ کو ہمیں ابھی اپنی باتیں کرتے ہیں وہ باتیں جو کبھی ہم نے کی نہیں کچھ تم کہنا کچھ میں سناؤں گا...... شاپنگ کا کیا ہے وہ رات میں بھی ہوجائے گی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا جذبات سے بوجھل لہجے میں گویا ہوا۔
"رات میں دعوت ہے آپ بھول رہے ہیں پھر شاہ زیب اور جنید کا رات بھر بلہ گلہ کرنے کا ارادہ ہے پھر شاپنگ کا ٹائم کہاں ملے گا ویسے بھی کل تک سب یہاں ٹھہریں گے اور ہمیں ایئرپورٹ سی آف کرکے واپس جائیں گے۔" وہ بہت ہوشیاری سے اس کو ہوش کی دنیا میں واپس لے آئی۔
"ہوں...... بہت چالاکی سے اپنی جان چھڑا رہی ہو۔" وہ بھی کائیاں تھا فوراً ہی معنی خیزی سے گویا ہوا۔
"چالاکی کی کیا بات ہے کیا میں غلط کہہ رہی ہوں آپ جان بوجھ کر انجان کیوں بن رہے ہیں سب پروگرام معلوم ہے آپ کو پھر؟" وہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا اور اس کی قربت اسے بدحواس کیے دے رہی تھی کبھی بھی کسی بھی لمحے یہاں کوئی آسکتا تھا۔
"آئی ڈونٹ کیئر...... جب مجھے کسی کی پروا نہیں تو تم کیوں کرتی ہو۔" اس کے چہرے پر پھیلتی سراسیمگی سانسوں کا بے ترتیب ہوتا زیروبم زید کو لطف دے رہا تھا تیزی سے گرتی اٹھتی سیاہ دراز پلکوں والا چہرہ کسی جاپانی گڑیا کی مانند خوب صورت و معصوم دکھائی دے رہا تھا۔
"ارے ممانی جان آپ؟" بے ساختہ وہ دروازے کی طرف دیکھتی ہوئی گھبرا کر بولی تو ہڑبڑا کر وہ اس سے دور ہوا اور اسی لمحے وہ بھاگ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی جہاں کوئی نہ تھا۔
"ہاہاہا...... کیسے پل بھر میں ساری عاشقی ہوا ہوئی۔" وہ اپنی حاضر دماغی پر ہنستی ہوئی بولی تو اس کی شرارت پر وہ بھی ہنستا ہوا اس کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔

(ختم شد)



نیلا دل

یاسمین نشاط

چلنے کا حوصلہ نہیں رکنا محال کردیا
عشق کے اس سفر نے تو مجھ کو نڈھال کردیا
ممکنہ فیصلوں میں اک ہجر کا فیصلہ بھی تھا
اس نے تو ایک بات کی، ہم نے کمال کردیا

"مجھے سمجھ میں نہیں آتی اتنی حماقتیں کیوں کیے جارہے ہو تم؟ کیوں تمہارا دماغ کام نہیں کررہا؟" رفاقت زبیر حذیفہ پر برس رہے تھے۔

"آپ نے بابا! اس کی بکواس نہیں سنی...... مجھے ڈومینیٹ کرنا چاہتی ہے...... مجھے احساس دلاتی ہے کہ میں اس کے لیے کس قدر برا شخص ہوں۔" حذیفہ کے پاس اپنے ہر جرم، ہر گناہ کی ایک سو ایک تاویلیں موجود تھیں۔ رفاقت زبیر کو تاؤ آ گیا۔

"تم ابھی میں رملہ کی مصیبت سنبھال نہیں پایا اور تم نے زرش کو زخمی کردیا۔ اگر وہ بھی پریس کانفرنس کرنے بیٹھ گئی ناں تو بینڈ بجا کر رکھ دے گی ساری کمپین کی لیکن نہیں تمہیں تو ساری خرمستیاں اب ہی سوجھ رہی ہیں۔ مزید کیا کیا چل رہا ہے تمہارے دماغ میں ابھی بتادو تاکہ میں نمٹنے کے لیے تیار رہوں۔" رفاقت زبیر حقیقتاً شدید غصے میں آ گئے تھے۔

"ڈیڈ......" وہ ان کے قریب ہوا۔ "آپ یونہی غصہ کررہے ہیں، کچھ نہیں ہونے والا ہمارے ووٹ بینک کو...... یہ جاہل قوم ہے، اس کو جو دکھادو دیکھ لے گی، جو سنادو سن لے گی، ہماری نمک خوار کہیں نہیں جائے گی...... ان لوگوں کے پاس سوچنے کے لیے اور بہت سے مسائل ہیں۔ دو وقت کی روٹی، مکان کا کرایہ، تن کا کپڑا، آسائشات کی نہ ان کو ضرورت اور نہ ہی کوئی آگاہی۔ دن بھر محنت مزدوری کرکے جب گھر لوٹتے ہیں ناں تو ان کے پاس اتنا ٹائم نہیں بچتا کہ ان مسائل پہ سوچیں، ان کا سب سے بڑا مسئلہ روٹی ہے اور یہ ساری عمر اس تگ و دو میں گزار دیتے ہیں۔" حذیفہ ازلی ہٹ دھرم تھا۔ رفاقت زبیر کی اس کی سچی باتیں بری تو لگیں لیکن غصہ پی گئے۔

"بہرحال ہاسپٹل جاؤ اور جب تک وہ ٹھیک نہیں ہوجاتی ایک لمحے کے لیے بھی اسے تنہا مت چھوڑو۔ اگر اس کا دماغ گھوم گیا تو سارا میڈیا گھمادے گی۔ لڑ لینا پھر الیکشن۔" رفاقت زبیر کے لہجے میں تحکم کے ساتھ ساتھ تنبیہہ بھی تھی، چاروناچار حذیفہ نے ہامی بھرلی تھی۔ رفاقت زبیر کسی کا نمبر ملانے لگے تو حذیفہ باہر نکل آیا وہ گاڑی میں بیٹھنے ہی والا تھا کہ رملہ آ گئی۔

"حذیفہ" اس نے پکارا۔ حذیفہ نے کوفت سے اسے دیکھا۔

"ایک اور مصیبت۔" وہ بڑبڑایا۔

"کیا تکلیف ہے؟" ناگواری کا برملا اظہار کیا۔

"تکلیف یہ ہے کہ سرونٹ کوارٹر میں میرا گزارا نہیں، بہت گرمی اور مچھر ہیں وہاں۔ اس لیے میرے لیے مناسب کمرے کا انتظام کرو۔" اس نے جھجکے بغیر اپنا مدعا بیان کیا۔

"میڈم جب آپ کو فرنشڈ فلیٹ میں آرام اور سکون سے رکھا ہوا تھا تو پھر کیوں یہاں آ کر شور مچانے کی جلدی تھی آپ کو؟ اب اس کمرے اور ماحول میں ہی گزارا کیجیے۔" وہ کہہ کر گاڑی کے اندر بیٹھ گیا۔

"حذیفہ" وہ بھاگ کر آگے ہوئی، اس نے ڈرائیور کو اشارہ

کیا تو وہ گاڑی بیک کرنے لگا۔
"سنو حذیفہ......" اس نے تیزی سے گاڑی کی کھڑکی کا شیشہ بجایا۔
"رحم کرو حذیفہ اپنے بچے پر' اس اتنے بڑے گھر میں کیا ایک کمرہ بھی ایسا نہیں جس میں ہم ماں بیٹا رہ سکیں۔" وہ شیشہ بجاتے ہوئے بلند آواز سے چلائی۔ ٹیرس پر کھڑی ہانیہ نے سن لیا لیکن حذیفہ نے شیشہ کھولنا گوارا نہیں کیا۔ گاڑی گیٹ سے باہر نکل گئی۔ رملہ وہیں کھڑی کھلے گیٹ کو دیکھتی رہی۔ کبھی کبھی تو واقعی خسارے کا سودا ہو جاتا ہے۔ یہ بڑے لوگوں کے چھوٹے چھوٹے دل جس میں کسی غریب' بے سہارا کے لیے گنجائش ہی نہیں نکلتی......وہ وہیں ملول سی کھڑی رہی۔
"بھابی۔" کندھوں پہ ہلکا سا دباؤ محسوس کرتے ہوئے وہ مڑی تو وہاں ہانیہ کھڑی تھی۔
"کمال ہے......تم مجھے بھابی پکار رہی ہو اور جس کے توسط سے یہ رشتہ بنا ہے وہ مجھ سے بات کرنے کا روادار بھی نہیں۔" اس کا لہجہ طنز اور شکایت سے بھرپور تھا۔
"آپ اس وقت اسی رشتے کے حوالے سے اس گھر میں موجود ہیں اور اس کے حوالے کے علاوہ اور کوئی رشتہ ہے نہیں جس سے آپ کو پکارا جائے۔" ہانیہ کا دو ٹوک لہجہ رملہ کو چونکا گیا۔
اس نے بغور ہانیہ کو دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔
"اس گھر میں......" اس نے گردن گھما کر سارے گھر کا جائزہ لیا پھر ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولی۔ "اس گھر میں رشتے نہیں نام رہتے ہیں۔ مسٹر رفاقت زبیر' مسز زبیر' حذیفہ زبیر' رافع زبیر' ہانیہ زبیر' یہاں کوئی انسان نہیں ہے تو پھر احساس کہاں سے آئے؟" اس نے بھرپور طنز کیا اور جہاں سے نمودار ہوئی تھی اس سمت کو قدم بڑھا دیے۔
ہانیہ کو غصہ آ گیا کوئی اس کی توہین کرے یہ کیسے ہو سکتا تھا' وہ تو اس کا بھلا کرنے چلی تھی' عزت دے رہی تھی لیکن وہ اس قدر احساس سے عاری تھی کہ ہانیہ کو اپنے کچھ دیر پہلے کے خیالات پر دکھ ہونے لگا۔
"یہ لوگ واقعی سر چڑھانے کے قابل نہیں ہوتے۔" اس نے غصہ سے سوچا اور اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔



زرش نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھولیں' حذیفہ اسے ذرا فاصلے پر سر جھکائے بیٹھا نظر آیا' دل میں بیک وقت کئی جذبات

ابھرے۔ نفرت، غم اور غصہ کہ اس نے دوبارہ آنکھیں موند لیں۔ وہ فی الحال اس شخص کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

"بیٹھا ہوگا اپنے کسی مطلب کے لیے۔"

"ایکسکیوزمی آپ ان کے کون ہیں؟" نرس پوچھ رہی تھی۔ حذیفہ نے سر اٹھا کر ناگواری سے اس دو ٹکے کی نرس کو دیکھا اور شیشے کے پار نظر آتے اپنے باڈی گارڈز کو۔

"سر آپ نے بتایا نہیں۔" اس نے دوبارہ پوچھا۔ حذیفہ کو غصہ آ گیا۔

"کوئی رشتہ ہے تو یہاں بیٹھا ہوں، بیوی ہے میری، کوئی اعتراض ہے؟" نرس نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا پھر سر ہلا کر بولی۔

"میں پوچھنا چاہ رہی تھی کہ ان کو کس نے اس حال میں پہنچایا...... لیکن اب جان گئی ہوں۔" حذیفہ کا دل چاہا دو چار تھپڑ اور ایک آدھ لات تو رسید ہی کردے اسے لیکن وہ سرعت سے واپس مڑی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ حذیفہ کو رفاقت زبیر پر غصہ آیا لاکھ کوشش کے باوجود انہوں نے پروٹوکول لگی گاڑی اسے نہیں لانے دی تھی۔ خوامخواہ میڈیا کی نظر میں آنے کا خدشا تھا انہیں ورنہ اس وقت اسپتال کے عام سے کمرے میں ہونے کے بجائے وہ سب سے بہترین کمرے میں ہوتے اوپر سے پروٹوکول الگ ملتا لیکن رفاقت زبیر کی احتیاطیں اس نے ایک نظر بظاہر سوئی زرش پر ڈالی اور باہر نکل آیا وہ یہاں مزید وقت نہیں گزار سکتا تھا۔

❁......❁......❁......❁

"کیا ہے...... کیا ہے...... کیا ہے یہ؟" رفاقت زبیر چیخ رہے تھے ٹی وی پر خبر چل رہی تھی۔

"حذیفہ زبیر کا اپنی پہلی بیوی پر قاتلانہ حملہ۔ بیوی ہاسپٹل میں داخل، حذیفہ زبیر نے ایک سے زیادہ شادیاں کر رکھی ہیں...... جھگڑا اسی سلسلے میں ہوا...... حذیفہ زبیر مفرور......" ایک کے بعد ایک شہ سرخی چل رہی تھی۔

"میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں شوٹ کردوں۔" وہ غصے سے ٹہل رہے تھے اور قہر بار نظروں سے مطمئن حذیفہ کو دیکھ رہے تھے۔

"تمہیں کوئی اثر نہیں ہو رہا آئے دن تمہارے اسکینڈل آئے دن تمہاری حرکتیں نشر ہو رہی ہیں۔ تم چاہتے کیا ہو آخر؟ بتاؤ حذیفہ چاہتے کیا ہو آخر؟ کتنی بیویاں ہیں تمہاری؟ کہاں کہاں چھوڑی ہے تم نے اپنی اولاد...... میں کس کس کا منہ بند کروں...... ایک سے ایک بڑا بلیک میلر ہے یہاں۔" رفاقت زبیر کا مارے غصے کے برا حال تھا۔

"آپ یونہی پریشان ہو رہے ہیں ڈیڈ...... میں نے سنبھال لیا ہے سارا معاملہ ہوگئی بات میری ابھی تردید آ جائے گی اور آپ لوگوں کی ٹینشن لینا چھوڑ دیں۔ کسی کو ایک دن سے زیادہ یاد بھی نہیں رہتا اپنی کم مصیبتیں ان کی ہیں۔" وہ چینلز سرچ کرتے ہوئے کمال اطمینان کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"حذیفہ؟" وہ گرجے۔ "تم اپنے ہر غلط کام کا جواز کیوں دینے لگتے ہو اور میں نے نہیں کہا تھا کہ زرش کو ایک لمحہ کے لیے بھی تنہا مت چھوڑنا...... میڈیا لے گیا اسے اچک کے اب اپنی مرضی سے بیان بازیاں کرواتا پھرے گا۔" رفاقت زبیر کو کسی پل سکون نہ آ رہا تھا۔ ان کی ہر تدبیر حذیفہ الٹی کیے دے رہا تھا۔

"وہ میری بیوی ہے ایسا کچھ نہیں کہے گی۔" واللہ حذیفہ کا یقین واعتماد۔

"بیوی کو جس طرح تم نے رکھا ہوا ہے ناں، بہت کچھ بتائے گی اور وہ رملہ...... تمہارے بیٹے کی والدہ محترمہ۔" انہوں نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا۔

"اس کو بھی اس گھر میں مسز حذیفہ کی حیثیت سے کمرہ چاہیے، سرونٹ کوارٹر اس کے شایان شان نہیں...... طلاق دے کر نکال باہر کروں دل تو یہی چاہ رہا ہے میرا۔" اس نے ریموٹ رکھتے ہوئے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو رفاقت زبیر کا پارہ مزید چڑھ گیا۔

"یہ دیکھو حذیفہ۔" انہوں نے ہاتھ جوڑے۔ "میرے سیاسی کیریئر پر رحم کھاؤ۔ کچھ دنوں کے لیے ملک سے باہر چلے جاؤ نہیں تو تمہاری حماقتیں میرا سارا کیریئر لے ڈوبیں گی۔" ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ حذیفہ کو گولی سے اڑا دیں۔ کسی طرح بھی معاملے کی نزاکت سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔ آئے دن کے اسکینڈلز نے انہیں چکرا کر رکھ دیا تھا۔

"پھر آپ ہی بتا دیں کیا کروں میں؟ ایک پہلے ہی ناقابل برداشت تھی آپ نے دوسری بھی میرے سر پر بٹھا دی۔ اوپر سے بچے کی بلیک میلنگ الگ سے۔" وہ جھنجلایا۔

"صبر کرو صبر اور برداشت پیدا کرو خود میں۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئے۔ حذیفہ تھوڑی دیر وہیں بیٹھا رہا پھر سرونٹ کوارٹر کی طرف بڑھ گیا۔ رملہ دور سے ہی کپڑے دھوتی نظر آ گئی وہ آگے

نہیں گیا' وہیں رک گیا۔ لوہے کے پرانے سے جھولے میں بچہ سو رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر میلے کپڑوں کا ڈھیر تھا اور رملہ کمر پر دوپٹہ باندھے کپڑے الگنی پر پھیلا رہی تھی۔

"ارے صاب جی آپ؟" پیچھے سے حمیدہ کی آواز آئی۔ وہ پلٹا' حمیدہ ٹرے میں چائے کا کپ اور دودھ کی بوتل لیے کھڑی تھی۔ حمیدہ نے تیزی سے آگے جا کر رملہ کو خبردار کیا۔

"صاب جی کھڑے ہیں' کام ہے ان کو شاید۔" رملہ نے مڑ کر دیکھا حذیفہ اب جھولے کے پاس کھڑا طلحہ کو دیکھ رہا تھا۔ بہت زیادہ مشابہت تھی اس سے لیکن اس کے دل میں جانے کیوں اس بچے کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے رملہ کے لیے اس کے دل میں کوئی جذبہ نہیں رہا تھا۔ رملہ ہاتھ پونچھتی قریب آ کھڑی ہوئی۔ دل میں سو طرح کی خوش فہمیاں جاگ اٹھی تھیں۔ شاید اس کے حقوق کا خیال حذیفہ کو آ ہی گیا ہو۔

"ابھی سویا ہے۔" رملہ نے خاموشی کو توڑا' حذیفہ نے ایک نظر رملہ پر ڈالی اور پھر سامنے دیکھنے لگا۔

"میں تمہیں چھوڑنا چاہتا ہوں رملہ۔" بے حد آہستگی سے اس نے رملہ کی سماعتوں میں بم پھوڑا۔

رملہ کا دل کانپ اٹھا' ایک لمحے میں اس نے خود کو بے سائبان محسوس کیا۔ نظریں طلحہ کے معصوم چہرے سے ہوتی ہوئی حذیفہ کے سفاک چہرے پر ٹھہر گئی تھیں۔ حمیدہ' صادقہ کے کمرے میں غائب ہوگئی تھی لیکن دوسری طرف وہ کھڑکی سے کان لگائے کھڑی تھی۔ بیگم صاحبہ نے اسے جس کام پر مامور کیا تھا وہ بھی تو پورا کرنا ضروری تھا۔

"تو پھر چھوڑتے کیوں نہیں؟" رملہ نے ہمت مجتمع کرتے ہوئے کہا۔ حذیفہ نے ایک نظر رملہ کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی اور پھر زور سے ہنسنے لگا۔

"تمہیں پتا تو ہے کیوں نہیں چھوڑتا تمہیں۔" وہ اس کے پاس آیا اور اس کے چہرے پر جھولتی لٹ کو کھینچ کر چھوڑ دیا۔ ایک سرد آہ رملہ کے لبوں سے خارج ہوئی اور وہ نیچے بیٹھ کر طلحہ کو سیدھا کرنے لگی جو کروٹ لیتے ہوئے الٹا ہوگیا تھا۔

"بہت عقل مند ہو تم رملہ۔" حذیفہ نے دونوں ہتھیلیاں آپس میں مسلتے ہوئے اس کی تعریف کی۔

"میں جانتی ہوں۔" رملہ نے اس کے طنز کا جواب بھی طنز سے ہی دیا۔

"عقل مند نہ ہوتی تو آج میں بھی کسی ان کاؤنٹر میں ماری گئی ہوتی۔" طلحہ کسمسا رہا تھا' اس نے اسے اٹھا کر گود میں بھرا اور چارپائی پہ جا کر بیٹھ گئی۔ حذیفہ کو جو تیر اس نے مارا تھا ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔ حذیفہ چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر واپس پلٹ گیا۔ گیراج میں جا کر گاڑی نکالتے ہوئے اس نے جس طرح زور زور سے ہارن بجایا اس کے اندر ہونے والے شور کو بھرپور نمایاں کر گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی حمیدہ اور صادقہ باہر آ گئیں۔

حمیدہ ٹھنڈی چائے ٹرے سمیت واپس لے گئی اور صادقہ اس کے بچے ہوئے کپڑے نتھارنے لگی تھی۔ رملہ جانتی تھی حذیفہ اگر چاہے بھی تو اسے طلاق دے کر گھر سے نہیں نکال سکتا کیونکہ جس دن وہ ایسا کرتا' رملہ اس کے سارے راز فاش کر دیتی اور راز بھی وہ جو اسے تختہ دار تک پہنچانے کے لیے کافی ہوتے' سو فی الفور یہی ڈر حذیفہ کو کوئی بھی انتہائی قدم اٹھانے سے روکے ہوئے تھا لیکن رملہ کو یہ خوف بھی تھا کہ حذیفہ کا ڈر ختم بھی ہوسکتا تھا اور اس کے لیے وہ انتہائی قدم اٹھانے سے بھی نہ چوکتا تو رملہ بہر حال مطمئن نہیں تھی۔ میڈیا کا سہارا لے کر وہ اس کے گھر میں گھسنے میں کامیاب ہوگئی تھی لیکن ایک خوف بہر حال اس کے ساتھ ساتھ ہمہ وقت پروان چڑھ رہا تھا۔ حذیفہ اسے اس گھر میں بیوی والا درجہ دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا یہ وہ جان گئی تھی اسے شاید باقی زندگی اسی سرونٹ کوارٹر میں ہی گزارنا تھی۔

"خیر......" اس نے طلحہ کو سینے سے لگایا۔ "وقت اور حالات بدل بھی تو سکتے ہیں۔ اللہ سے اچھی امید رکھنے میں کیا حرج ہے۔"

❁.......❁.......❁.......❁

یہ بندہ بالکل ویسا ہی تھا' اس کے دراز میں رکھے بندے کی طرح کا' گڈے موچی کا دل آنکھوں میں ضرور آیا تھا لیکن اس نے پلکیں اٹھا کر خود کو بے آبرو نہیں ہونے دیا تھا۔

"اس کا میں کیا کروں جی؟" اس نے جوتے کے تلوے اور پتاوے کے بیچ سلوشن لگا کر پھونک مار کر خشک کیا پھر آپس میں جوڑا اور اوپر سے دبانے لگا۔ ہانیہ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ واضح طور پر دیکھ نہیں پائی تھی لیکن اس نے وہ بندہ اٹھایا نہیں۔

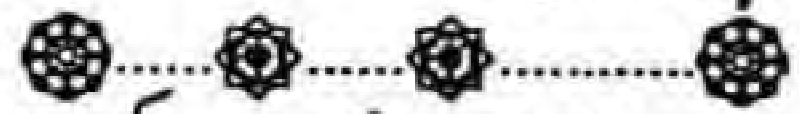
"میرا اس طرح کا بندہ کھو گیا ہے شاید یہیں کہیں گر گیا ہے' تمہارے پاس تو نہیں؟" اس نے پوچھا۔ گڈے موچی کا دل چاہا' وہ چیخ چیخ کر اسے بتائے کہ بندہ اس کے پاس ہے لیکن وہ چیخ نہ سکا۔ دل پر ایک اور دراڑ پڑ گئی۔

اس نے جوتے کو ٹھیکا لگایا' ایک طرف رکھا اور تھوڑا سا دھیان سامنے کیا' دودھیا پاؤں سفید چپل میں قید تھے اور کیا خوب صورتی تھی' اس سے زیادہ وہ نظر نہیں اٹھا سکتا تھا' اس میں ہمت ہی نہیں تھی۔

"غریب بندہ ہوں جی' سارا دن محنت مزدوری کرتا ہوں۔ میں کیا کروں گا اتنے قیمتی بندے کا لیکن آپ بے فکر رہیں' اگر مجھے مل گیا تو میں فوراً آپ سے رابطہ کروں گا۔ اعتبار رکھیے۔"

ہانیہ چند ثانیے کھڑی رہی پھر یہ کہہ کر پلٹ گئی۔

"جو چیزیں دل میں گم ہوجائیں وہ کبھی نہیں ملا کرتیں۔" اور گڈرے موچی نے اپنا دل لہولہو ہوتا محسوس کیا تھا اور اس روز اس نے بکسا پھینکنے کا پکا ارادہ کرلیا تھا۔



جرار سے اس کا رشتہ رسمی تھا دلی نہیں' اس کا کبھی دل نہیں کیا تھا بطورِ منگیتر اس سے بات کرے' اس کے ساتھ آؤٹنگ پر جائے' کبھی ڈنر کرے' اسے تو اس کے فون کالز کا بھی کبھی انتظار نہیں ہوتا تھا اور خود کبھی جرار نے بھی ایسی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے پاس تو چلو مصروفیت بہت تھیں لیکن پھر بھی جیسا کہ اس رشتے کے جبلی تقاضے ہر مرد کو تھوڑا یا بہت پٹڑی سے اترنے پر مجبور کردیتے ہیں لیکن جرار نے یہ بھی کبھی نہیں کیا تھا' اسے جب ملنا ہوتا سیدھا سیدھا ان کے گھر چلا آتا تھا' سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیا' کبھی اس سے علیحدہ بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اس بات پر بھی ہانیہ شکر کرتی تھی ورنہ وہ اکثر سوچتی تھی کہ اگر کبھی اس کے فیانسی کی کال آجاتی تو وہ اس سے کیا بات کرتی' باتیں تو ساری اس نے عبدالحسیب سے کرلی تھیں۔

"محبت نہیں ہونی چاہیے۔" وہ کئی بار سوچتی۔ "خاص کر وہ محبت' جو کسی انجان سے ہوجائے' جس کا نہ کوئی سر ہو نہ پیر' بس لاشہ ہی ہو' کٹا پھٹا' جی دہلا دینے والا۔" بالکل ایسے ہی جیسے وہ عبدالحسیب تھا۔

جو اس کو اچانک دکھا تھا' اچانک ملا تھا' اچانک ہی دل میں بسا تھا اور ایسے ہی ایک دم سے اچانک ہی بچھڑ گیا تھا اور ایک بری یاد بن کر اس کی یادداشت میں رہ گیا تھا۔ اس طرح کہ وہ لاکھ چاہنے کے باوجود اس کو نکال نہیں پارہی تھی۔ باوجود اس کے کہ گھر میں اس کی اور عبدالرافع کی شادی کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں۔ اس نے پھر بھی اپنے دل میں کوئی خوب صورت جذبہ محسوس نہیں کیا تھا۔

ڈیڈ ایک بار پھر الیکشن میں کامیاب ہوگئے تھے۔ حذیفہ بھائی کی عیاشیاں عروج پر تھیں۔ عبدالرافع اپنی منگیتر کے ساتھ شاپنگ کرنے میں مصروف تھا اور مام اس کی شادی کی شاپنگ کرنے میں مصروف...... ان کے بیرونی ملک کے دورے بڑھ گئے تھے۔ ہانیہ کو وہ بہت لاجواب جہیز دینے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ گھر' گاڑی کے علاوہ اور یہ بھی سچ تھا ہانیہ نے مام کی لائی ہوئی ایک بھی چیز جی بھر کے نادیکھی تھی۔

دل ہی نہیں تو دل کے سہاروں کو کیا کریں
جب پاس وہ نہیں تو بہاروں کو کیا کریں

اس نے غروب ہوتے سورج پر نظریں جمائیں۔

"مجھے غروب ہوتا سورج بہت خوب صورت لگتا ہے۔" گاڑی سے ٹیک لگاتے ہوئے اس کا لہجہ خواب آگیں ہوا تھا۔

"اے ملکہ عروج' جان کی امان پاؤں تو پوچھوں کہ زوال کیوں پسند ہے؟" عبدالحسیب اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

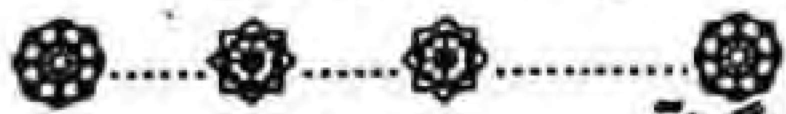
"آج میں سجاد کو جل دے کر آئی ہوں۔ اس لیے نہیں کہ تمہاری طنزیہ باتیں سنوں بلکہ اس لیے کہ تمہارے ساتھ چند یادگار لمحات گزار سکوں۔ تم مجھے زادِ راہ دو' زندگی کے سفر میں اگر میں کبھی تھکنے لگوں' گرنے لگوں تو تمہارے ساتھ گزارے یہ چند لمحے مجھے تھام لیں' میرے اندر حوصلہ بھریں۔ میں جانتی ہوں میری آئندہ کی زندگی میں کہیں محبت نہیں ہوگی' محبت جیسی کوئی چیز ہوسکتی ہے لیکن محبت نہیں......" اس کے آنکھ کے ساتھ لہجہ بھی نم ہوگیا تھا۔ رفتہ رفتہ پھیلتی تاریکی نے اس کے آنسو چھپالیے تھے جو نارسائی کے کرب کا غماز تھا اور عبدالحسیب خود تہی داماں تھا۔ ان دونوں کے بیچ کا فرق اسے وہ بات زبان پر لانے کی اجازت ہرگز نہیں دیتا تھا' جس کو سننے کی وہ پاگل لڑکی متمنی تھی اور جس کو کہنے کے لیے اس کا دل بے قرار تھا۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا' سورج رفتہ رفتہ پہاڑوں کے پیچھے چھپ گیا۔ باہر سڑک پر روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ محبت کی لو دیتا چہرہ بجھا بجھا سا ہوگیا تھا۔ کچھ لوگ بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔ اندر باہر ایک سے' تاریکیاں ان کا حسن اور بڑھا دیتی ہیں۔ عبدالحسیب کو بھی وہ لڑکی اس وقت دنیا کی خوب صورت ترین لڑکی لگ رہی تھی جو اس کی پہنچ میں تھی مگر اس کے لیے نہیں تھی۔

"اچھا سنو۔" طویل ہوتی خاموشی کو اس نے توڑا تھا۔

"یہ نمبر ذرا اپنے فون میں سیو کرلو۔" اس نے اپنے سیل فون کو

سلائیڈ کیا اور نمبرز بولنے لگی تھی۔
"یہ سجاد ڈیڈ بھائیوں اور عروبہ کے نمبرز ہیں۔" عبدالحسیب نے نوٹ کرتے ہوئے حیرانی سے اسے دیکھا۔ وہ ان سب کے نمبرز اسے کیوں دے رہی تھی؟ وہ اس کی حیرانی بھانپ گئی۔
"ان نمبرز سے اگر تمہیں کبھی بھی کال آئے تو اٹینڈ مت کرنا۔ ہوسکتا ہے تمہیں ٹریس کیا جارہا ہو۔ تمہاری لوکیشن جاننے کی کوشش کی جائے۔ اس کے علاوہ بھی اگر کسی نامعلوم نمبر سے کال آئے تو بھی مت اٹینڈ کرنا اور کبھی کسی کو اپنے بارے میں انفارمیشن مت دینا ورنہ تمہارے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا ہے اور اگر ایسی کوئی کال آئے تو مجھے ضرور بتا دینا۔ میں تمہارے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کروں گی۔" آخری بات اس نے ہنس کر کہی تھی۔ عبدالحسیب خوف زدہ سا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑی سے بڑی بات بھی اتنی آسانی سے کیسے کہہ دیتی تھی۔
"کیا مجھے مار دیا جائے گا......! تم سے ملنے کے پاداش میں؟" وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ ہانیہ نے بال جھٹکے اور زور زور سے ہنسنے لگی۔
"نہیں...... مجھ سے محبت کی پاداش میں۔" اب وہ بیگ کی زپ کھول کر کچھ نکال رہی تھی۔ عبدالحسیب کا رنگ فق ہوگیا تھا۔
"پتا ہے عبدالحسیب...... ہماری کلاس کی عورتیں سانپ کے جیسی ہوتی ہیں جس سے محبت کرتی ہیں اسے ڈس لیتی ہیں' ماردیتی ہیں' یا مروادیتی ہیں' ہمارے طبقے میں محبت وہ بھی کسی غریب سے قابل قبول ہے ہی نہیں۔" اس نے اپنی تلاش ترک کرتے ہوئے گاڑی کا لاک کھولا اور پھر بولی۔
"آج مجھے کھانا کھلاؤ' اچھا سا۔"
"کیا......؟" وہ چونکا' دھیان فوراً والٹ کی طرف گیا تھا اور دماغ نے حساب کتاب شروع کردیا تھا۔ اسٹور سے ملنے والی پندرہ دن کی تنخواہ کسی بھی طرح ایک ڈنر کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ بے شمار ادائیگیاں کرنا تھیں لیکن ہانیہ نے بھی تو پہلی دفعہ کچھ کہا تھا۔
"کیوں میں نے کوئی غلط فرمائش کردی؟" اس نے آنکھیں سکوڑی تھیں' لوگ چہرہ شناس ہوتے' یہ سوچ شناس تھی۔
"نہیں...... چلو کہاں جانا ہے؟" عبدالحسیب نے سر جھٹک کر جیسے حساب کتاب سے پیچھا چھڑایا تھا۔
"ھینکس......" وہ مسکرائی تھی اور اس کی فیورٹ جگہ پر کھانا کھلانے کے بعد اس کے پاس جتنے پیسے بچے تھے ان سے وہ صرف اس وقت اپنے فلیٹ جاسکتا تھا اور اگلے دن ناشتہ کرسکتا تھا۔ ہانیہ بہت زیادہ خوش تھی۔
"میں شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ یہاں آؤں گی اور اسی میز پر بیٹھوں گی اور تمہاری محبت کو محسوس کروں گی۔" وہ آنکھیں میچے آنے والے وقت کا تصور کررہی تھی۔
"اور میں کبھی دوبارہ یہاں نہیں آؤں گا' بھلے میری جیب اجازت دے۔" عبدالحسیب نے بھی دل کی بات کہی تھی' وہ جانتا تھا' وہ دوبارہ کسی صورت یہاں نہیں آسکتا تھا' نہ اب نہ ہی پھر کبھی' وہ رات واقعی یادگار رہی تھی۔ جاتے لمحے ہانیہ نے اپنا ایک بندہ اتار کر اس کی مٹھی میں دبایا تھا۔
"یہ کیا؟" وہ حیران ہوا۔
"میری نشانی...... میرا فیورٹ بندہ' کبھی میری یاد آئے تو اس کو دیکھ لیا کرنا اور یہ دوسرا میں سنبھال کر رکھوں گی' کبھی زندگی سے دل بھر جانے لگے تو یہ مجھے تمہاری محبت کی یاد دلائے گا۔ سمجھو آدھا دل میں نے تمہارے پاس رکھوا دیا ہے۔" سیڑھیاں اترتے وہ بول رہی تھی اور عبدالحسیب کو حقیقتاً وہ بندہ اپنی مٹھی میں دھڑکتا محسوس ہوا تھا۔
"بی بی...... آپ کا فون بج رہا ہے کافی دیر سے۔" صادقہ کی آواز اسے حال میں کھینچ لائی تھی۔ اسے اپنے رخسار بھیگے محسوس ہوئے تھے۔ اس نے بنا سر اٹھائے ہاتھ آگے کیا' صادقہ فون اس کی ہتھیلی پر رکھ کر مڑ گئی تھی۔ اسکرین پر جرار کالنگ آرہا تھا۔ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن پھر بھی ماضی سے تعلق توڑنے کے لیے اس نے حال کو تھام لیا تھا۔ اپنی آواز ہشاش بشاش بنانے میں اسے چند سیکنڈ لگے تھے۔ جرار اسے شاپنگ پہ لے جانا چاہ رہا تھا۔
"مما اور آنٹی کا خیال ہے ویڈنگ ڈریسز ہم دونوں کو مل کر خریدنے چاہئیں' میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں تم ریڈی رہنا۔" وہ خاموشی سے تیار ہونے چل دی تھی۔



زرش گھر آگئی تھی اور اس کے تعلقات حذیفہ سے بہت زیادہ کشیدہ ہوگئے تھے۔ اس نے ایک بار بھی حذیفہ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ خود حذیفہ کو بھی کہاں فرصت تھی کہ وہ گھر کی بیویوں پر حرف نظر کرے۔ دل بہلانے کو بہت سامان تھا' آج کل تو ویسے بھی فارم ہاؤس پر رہائش پذیر تھا۔

منظور نظر ٹاپ ماڈل تھی جس پر وقت اور پیسہ اندھا دھند لٹا رہا تھا' حرام کی کمائی حرام راہوں پر ہی خرچ ہوتی ہے۔ مسز زبیر شاپنگ میں مصروف تھیں اور زرش کو رملہ سے بات کرنے کا مواقع میسر آنے لگا تھا۔ اکثر شام کے وقت وہ چائے لان میں اکٹھی پینے لگی تھیں' یہ بات مسز زبیر اور باقی سب سے پوشیدہ رکھنے کے لیے زرش نے خاندانی ہتھیار (رشوت) کا استعمال کیا تھا' زرش نے صادقہ اور حمیدہ کو خطیر رقم دی تھی۔

رملہ پہلے تو اکھڑی اکھڑی رہی' شاید اس کی نیچر ہی ایسی تھی پھر آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگی' اس کے باوجود وہ حد درجہ محتاج تھی۔ وہ اس گھر کی ناقابل قبول بہو اور بیوی تھی۔ وہ زرش کے حق کی شراکت دار ہوئی تھی' زرش کیسے اسے قبول کرسکتی تھی؟ زرش کا اتنا نرم رویہ اس کے لیے ناقابل فہم تھا لیکن پھر بھی وہ چند لمحے اس کے ساتھ گزارنے لگی تھی۔ دونوں ایک مہینے میں ایک دوسرے کے بارے میں اتنا ہی جان سکتی تھیں۔ زرش حذیفہ کی خاندانی بیوی ہونے کے ساتھ ماموں زاد بھی تھی اور رملہ ایک جرنلسٹ کی بیٹی تھی اور حذیفہ سے شادی کے بعد وہ پڑھائی ادھوری چھوڑ چکی تھی۔ ماں بچپن میں فوت ہوگئی تھی۔ اس کا باپ ایک سچا و کھرا صحافی تھا لیکن اب کوئی بھی زندہ نہ تھا۔ حذیفہ سے شادی اتفاقیہ ہوئی تھی اور یقیناً یہ شادی اتفاقیہ ہی ہوسکتی تھی کیونکہ حذیفہ جیسا حسن پرست ایک عام سی شکل وصورت کی لڑکی سے شادی تو دور فیئر بھی نہیں رکھتا تھا اور اس اتفاق کے پیچھے کیا کہانی تھی یہی زرش کو جاننا تھا۔ اس روز وہ رملہ کے لیے کچھ کپڑے اور ضرورت کی دوسری چیزوں کی شاپنگ کرکے آئی تھی' طلحہ کے لیے بھی ڈھیر سارے کپڑے اور کھلونے تھے۔

"اتنا کچھ کیوں لے آئیں آپ؟ ضرورت نہیں تھی۔" وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

"یہ حق ہے تم لوگوں کا۔ حذیفہ کو تو خیال نہیں اب مجھے ہی رکھنا ہے یہ سارا خیال۔" زرش ایک ایک چیز اسے نکال کر دکھا رہی تھی' سب کچھ برانڈڈ تھا۔ رملہ نے سب کچھ دیکھا پھر ایک طرف رکھتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھ گود میں دھرے وہ تذبذب میں تھی۔

"آپ کیا چاہتی ہیں مجھ سے؟" بالآخر اس نے ہمت کرکے پوچھ لیا۔ "دیکھیں اگر آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں تو میرے لیے بہت مشکل ہے' ابو جی نے اپنی زندگی میں سچ کی صحافت کرکے بہت سارے دشمن بنالیے تھے اور انہی دشمنوں نے ایک دن' ابو کو....." اس کی آواز بھرا گئی۔

"بھائی گھر آتے ہوئے روڈ ایکسیڈنٹ میں مارا گیا اور میں تنہا رہ گئی تھی۔ حذیفہ کا ابو کے پاس آنا جانا تھا انہوں نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا...... اور......" وہ بولتے ہوئے رک گئی' زرش کے کان کھڑے ہوئے۔

"کتنا عرصہ ہوگیا تمہاری شادی کو؟" اس نے پوچھا۔

"تقریباً دو سال' پہلے انہوں نے خفیہ ہی رکھا تھا لیکن جب طلحہ پیدا ہونے والا تھا تو میں نے اصرار کیا پھر انہوں نے میرے لیے ایک فلیٹ کا بندوبست کیا اور مجھے وہاں لے گئے...... شروع شروع میں تو ایک دو دن چھوڑ کر چکر لگا لیتے تھے' رفتہ رفتہ یہ چکر مہینوں پر چلا گیا' جب خود آنا بند کیا تو لازمی بات ہے' پیسے آنے بھی بند ہوگئے...... میں یہاں کبھی نہ آتی اگر میرے سر پر تین ماہ کا کرایہ نہ چڑھا ہوتا۔"

"کرائے کے فلیٹ میں رکھا تمہیں؟" زرش حیران ہوئی تھی۔ رملہ نے سر ہلایا۔

"مجھے علم نہیں تھا' یہ تو جب مالک مکان نے کرایہ طلب کیا تو مجھے پتا چلا' میں نے حذیفہ کو فون کیے' میسج چھوڑے لیکن اس نے جواب نہیں دیا اور سچ بتاؤں مجھے یہاں آکر ہی پتا چلا کہ حذیفہ کس کا بیٹا ہے۔"

"سیدھی گھر تک پہنچی ہو تم میڈم؟" زرش معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"اچھا...... خیر مجھ سے جتنا ہوا میں کروں گی۔" اس نے رملہ کو تسلی دی۔ "بہت کیوٹ ہے طلحہ۔" ماحول میں چھایا تناؤ کم کرنے کے لیے اس نے طلحہ کی طرف توجہ کی' رملہ ممتا کے احساس تلے مسکرانے لگی۔ جبکہ زرش کا دماغ اب اس نہج پر سوچ رہا تھا کہ جو وجہ رملہ نے بتائی ہے اتنی چھوٹی سی وجہ کے لیے وہ نکاح جیسا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا' حذیفہ گلے میں رسی باندھ لینے کا قائل ہی نہیں تھا۔ اصل بات کچھ اور تھی یقیناً...... وہ تھوڑی دیر اور رملہ کے پاس بیٹھ رہی پھر اپنے کمرے میں آگئی۔ دماغ میں چبھتی بات زرش کو مطمئن نہیں ہونے دے رہی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

"لے دیکھ گڈے' کیسی ہے یہ لڑکی؟" فاطمہ نے تصویر اس کے آگے رکھی۔ وہ جو بکسے کی صفائی کررہا تھا' سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"یہ کون ہے؟" اس نے سرسری سا پوچھا۔

"چاچا رحمتے یاد ہے تاں' وہ جو مالٹے کے باغ کے ساتھ والی

ٹاری (جھونپڑی) میں رہتا تھا' اس کی پوتری (پوتی) ہے۔"
فاطمہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"یہ کہاں مل گئی تجھے؟" وہ تھوڑا حیران ہوا۔

"پنڈ گئی تھی ناں کل۔" فاطمہ کے کہنے پر وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

"پنڈ؟" ماں پنڈ سے ہو بھی آئی اور اسے پتا نہیں چلا۔

"آہو کل جی بڑا گھبرا رہا تھا۔ اپنے یاد آرہے تھے خورے میں مرنے والی ہوں۔" وہ آہستگی سے بولی تو وہ تڑپ گیا۔

"کیسی باتیں کرتی ہے اماں۔ اللہ تجھے میری عمر بھی لگائے۔" وہ فاطمہ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ فاطمہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

"پنڈ کی تو شکل ہی بدل گئی ہے' سارے گھر پکے ہوگئے ہیں۔ چوہدریوں کی حویلی تو اور ہی طرح کی ہوگئی ہے۔ وڈیاں وڈیاں مشیناں آگئی ہیں۔ پنڈ میں شور تھا کہ چوہدری صاب کے پتر اور دھی کا ویاہ ہے۔ میں حویلی گئی تھی' کسی نے مجھے پچھانا (پہچانا) ای نہیں۔ چوہدری صاب آئے ہوئے تھے پنڈ...... میں نے بتایا کہ میں فاطمہ ہوں نذیر موچی کی گھر والی تو خوش ہوئے' بہت پچھ رہے تھے نذیر علی کا...... میں نے بتایا تو کہنے لگے واپس پنڈ آجاؤ۔ گڈا مالٹوں کا باغ سنبھالے...... منشی جی فوت ہوگئے ہیں۔"

"بس کر اماں۔" وہ بے زاری سے بولا۔ "یہ چودھری اور وڈیرے بھی کبھی کسی کے ہوئے ہیں' انہیں غلام چاہیے اور میں بننے کو تیار نہیں۔ ہم جہاں ہیں جیسے ہیں خوش ہیں۔"

"بڈھی ہوگئی ہوں ناں اصلے کی طرف جانا اچھا لگتا ہے۔ پیو دادے کے پاس ہونے کو ہوکتی ہیں ہڈیاں اور کبھی اصل بھی چھپا ہے' ہم ان کے کامے ہیں' سال بھر کا اناج' دانہ پانی مفت کا' میں تو کہتی ہوں' واپس چلتے ہیں۔" فاطمہ کے اندر اس کا اصل شور مچانے لگا تھا۔ وہ پنڈ کے اصل ماحول میں واپس جانا چاہتی تھی جبکہ عبدالحسیب کو چوہدریوں' نمبرداروں کا کمی بننے کا ذرا بھی شوق نہیں تھا۔

"مجھے تو اچھی لگی ہے' سوہنٹری ہے' گھر کا سارا کم کرتی ہے' سنبھال لے گی تجھے بھی اور مجھے بھی۔" فاطمہ تو ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کو بیٹھی تھی۔ وہ اوندھا ہوگیا۔

"کہاں سے سنبھالے گی ادھر ادھر بکھرے وجود کو کیسے پورا کرے گی وہ۔" وہ ہولے سے بڑبڑایا۔

"عورت میں بڑا سلیقہ ہوتا ہے رے...... سانبھ لیتی ہے' بس تو حامی بھر۔" فاطمہ نے فوراً کہا۔

"میرا دل نہیں مانتا اماں' زندگی جیسے گزر رہی ہے' گزرنے دے' گڈا موچی کوئی اور بھار نہیں اٹھا سکتا۔" وہ دوبارہ سے اٹھ کر بکسا کھول کر بیٹھ گیا۔ فاطمہ کو غصہ آگیا۔

"جب تک تو اس بکسے کو نہیں چھوڑے گا' تیری زندگی میں کچھ نہیں بدلے گا' کتنی بار سمجھایا تجھے' چھوڑ اس کو' کہیں نوکری ڈھونڈ' خود بھی سکون کر' مجھے بھی کرنے دے۔"

"کیا بات ہے اماں؟" اس نے تشویش سے فاطمہ کو دیکھا۔ "یہ اچانک سے تجھے یہ بکسا اور یہ کام اتنا برا کیوں لگنے لگا ہے۔"

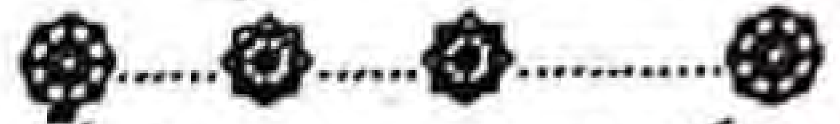
"بس۔" اس نے ہاتھ اوپر کیا۔ "دل بھر گیا میرا...... اس رونے دھونے سے' ختم کر یہ موت کا سوگ' زندگی جی اور مجھے بھی جینے دے۔ دیکھا ہے کبھی تو نے اس گھر کو؟ خود تو چلا جاتا ہے ناں کام پر' سارا دن یہ چیزیں روتی ہیں' انسوے بہاتی ہیں' بین کرتی ہیں' اس چھت کی شتیر' دروازوں کے کنڈے' یہ گلاس' یہ پیالہ' وہ تھالی' دیواریں' فرش روتی ہیں' روتی رہتی ہیں...... روتی رہتی ہیں۔" فاطمہ بولتے ہوئے ہذیانی ہوئی۔

"اماں۔" وہ اٹھ کر فاطمہ کے پاس آیا' ماں کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے۔ "کیا ہوگیا اماں؟"

"یہ دیکھ...... یہ دیکھ' یہ ہتھیلی' یہ آنکھیں...... سب نیلے ہوگئے رو رو کر تھک گئے اور رات کو تیرا یہ بکسا بین کرنے لگتا ہے' نذیر علی اور گڈو ہنستے مسکراتے نکلتے ہیں اندر سے پھر ان چیزوں کے ساتھ مل کر رونے لگتے ہیں۔ مجھے سونے نہیں دیتے' بین' میں نے غلط کیا' غلط کیا جو اس کی لاش لینے نہیں گئی' میں نے ایک کی محبت کو دوسرے کی محبت پر بھاری کردیا' میں نے اس کا گولیوں سے چھلنی وجود نہیں دیکھا تاں تو وہ وجود بھی روتا ہے' کرلاتا ہے' یہ سارے اوزار بھی روتے ہیں' تو ایسا کر اس بکس کو پھینک آ...... پھینک آ کہیں دور...... ورنہ سیلاب آجائے گا' یہاں اور سب ڈوب جائیں گے۔ من لے میری بات...... پھینک سب کچھ' پھینک سب کچھ۔" بولتے چلاتے فاطمہ نڈھال ہوگئی' ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ فاطمہ نے ضبط کھویا تھا اور شدت سے روئی تھی۔ اس نے فاطمہ کو رونے دیا تھا۔ ضروری تھا اندر کا دکھ پوری طرح باہر نکل جائے۔

"میں کل آپ کے ساتھ پنڈ چلوں گا' آپ جو کہو گی میں

کروں گا۔" وہ فاطمہ کو گلے لگائے وعدہ کر رہا تھا۔

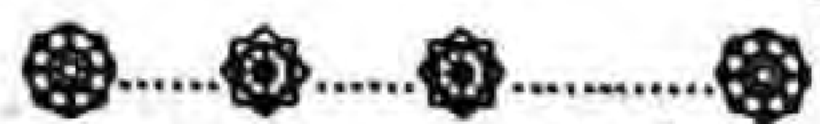


اور وہ شادی شہر کی بڑی شادیوں میں سے ایک تھی۔ کون سا کاروباری تھا جو یہاں مدعو نہیں تھا، رفاقت زبیر نے سارے شہر کی کریم جمع کرلی تھی۔ مہینہ پہلے سے شروع ہونے والی رسومات پر پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا تھا اور کیوں نہ بہایا جاتا' یہ شادی شہر کی مضبوط سیاسی شخصیت کے بچوں کی تھی۔ شادی سے ایک ہفتہ پہلے رفاقت زبیر نے فارم ہاؤس پر فنکشنز رکھے تھے جو کہ ولیمہ کے بعد بھی ایک ہفتے تک چلتے رہے تھے اور ان فنکشنز میں اداکار/اداکارائیں' ماڈلز غرض شوبز سے تعلق رکھنے والے ہر فرد نے شرکت کی تھی کہیں سے ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ یہ فنکشنز ایک قرضے تلے ڈوبے ملک کے شہری نے کروائے تھے۔

بھوک' ننگ' قرضے تو عام اور غریب لوگوں کے لیے ہیں' بڑی کرسیوں پر بیٹھے بڑے لوگ تو یہ نہیں جانتے کہ ان کے کچن میں جو لاکھوں کی گروسری آتی ہے ان کا اصل بھاؤ کیا ہے اور یہ لوگ تو گروسری بھی دوبئی سے لاتے ہیں' سو چھوٹے چھوٹے دکھ' بھوک افلاس' بیماری کے معنی ان کو نہیں معلوم' ان کے عشرت کدے آباد رہیں باقی سارے جائیں بھاڑ میں۔

زرش نے رملہ کو غیر محسوس طریقے سے ساتھ رکھا تھا نہ صرف ساتھ بلکہ ہر کام میں شامل بھی کیا تھا۔ مسز زبیر کے بگڑنے پر اس نے نہایت اطمینان سے کہا تھا۔

"سارا میڈیا اکٹھا ہے یہاں مام اور رملہ کی شادی کچھ زیادہ پرانی نہیں ہوئی' اس کی غیر موجودگی بہت سارے سوال اٹھائے گی۔ کیوں ہمدردی کا ووٹ اس کے لیے بڑھانا چاہتی ہیں۔" مسز زبیر نے اسے بھی بس گھورنے پر اکتفا کیا تھا۔ ہانیہ رخصت ہوگئی اور تانیہ صبوحی تشریف لے آئی۔ وہ ویسی ہی تھی جیسی کہ اس طبقے کی ہر لڑکی ہوتی ہے۔ محفلیں' گھومنا پھرنا' آزاد منش' ماما کا انتخاب..... دونوں میں بلا کی ذہنی ہم آہنگی تھی۔ شوق ایک جیسے' عادتیں ایک جیسی' سو وہ چند دنوں میں ہی پرفیکٹ بہو کا مقام حاصل کرگئی تھی۔



"محبت میرا مسئلہ نہیں ہے۔" رات کے تیسرے پہر جب اس کی کمر اکڑنے لگی تھی تب مسٹر جرار ابتسام نے شرف ملاقات بخشا تھا۔

"تو ادھر کون سا محبت ہی مسئلہ ہے؟" اکڑ نے دگڑ دگڑ کی۔

"اور نہ ہی عورت میری کمزوری۔" وہ اپنے پیروں کو جوتوں سے آزاد کر رہا تھا اور بہت سرسری انداز سے اپنی خوبیاں گنوا رہا تھا کیونکہ اس سرسری میں بھی "بس میں" والی پوری خوبی تھی۔ ہانیہ نے بہت سہولت سے اپنے آپ کو جیولری سے آزاد کرنا شروع کیا۔ ادھر کب پرواہ تھی۔ وہ لطف رساں رہا۔

"عورت میرا مسئلہ نہیں ہے۔" اس نے دہرایا۔ "لیکن اگر عورت میرے لیے مسئلہ بننے لگے تو میں اس سے جان چھڑوانے میں زیادہ دیر نہیں لگاتا۔" اب وہ وارڈروب کھولے کھڑا تھا۔

"میں نے بھی کبھی کسی کو اپنا مسئلہ نہیں بنایا جرار صاحب' خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔" وہ زیور سے آزاد ہوگئی تھی۔ اٹھ کر انہیں پیک کرنے لگی اور کچھ دیر بعد وہ فریش ہو کر آئی تو جرار صاحب خراٹے لے رہے تھے۔ جرار ایک مغرور اور خود پسند آدمی تھا اور وہ بھی کون سا کم تھی۔ جرار سے دو قدم آگے ہی ہوگی دونوں نے ہی ایک دوسرے سے توقعات نہیں رکھی تھیں اور دونوں اپنی جگہ مطمئن تھے۔

نہ جرار نے اپنی روٹین میں کوئی تبدیلی کی اور نہ ہی ہانیہ نے' جرار کا زیادہ وقت گھر سے باہر گزرتا تھا۔ چھٹی والے دن اگر کبھی وہ گھر ہوتا تو آدھا دن سو کر گزارتا جبکہ ہانیہ اپنی مرضی سے سوتی جاگتی تھی۔ کبھی ڈیڈ کی طرف چلی جاتی لیکن وہاں حذیفہ رملہ اور زرش کے اتنے مسائل تھے کہ اسے وہاں سے جلدی اٹھ آنا پڑتا..... جرار کو فارن ٹور پر جانا تھا اس نے سرسری سا اسے ساتھ چلنے کو کہا لیکن اس نے انکار کردیا۔ وہ جانتی تھی کہ جرار کے ساتھ سفر کرنا مصیبت سے کم نہیں..... وہ سامان اٹھا کر ڈیڈ کی طرف آگئی۔

"تم اس کے ساتھ کیوں نہیں گئیں؟" مام کو اس کی کم عقلی پر غصہ آیا۔

"شادی کے بعد وہ پہلی دفعہ جا رہا ہے' تم لوگ ہنی مون ہی پلان کرلیتے۔"

"وہ بہت بورنگ ہے مام۔" اس نے موبائل کی اسکرین سے دھیان ہٹایا۔ "مجھے اس کے ساتھ اپنا آپ قیدی جیسا فیل ہوتا ہے۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"ہانیہ' تمہیں اندازہ ہے کہ یہ سب تم کس کے بارے میں کہہ رہی ہو؟" مام زرش کی موجودگی میں یہ گوہر افشانی سن کر جزبز

ہوئیں۔
"پلیز مام میں نے آپ کے کہے سے شادی کرلی ہے' آپ پلیز مجھے ڈکٹیٹ مت کریں' جرار کو بھی لائف اسٹائل پسند ہے اپنی مرضی سے جینے کا وہ نہ کسی کی پرسنل لائف میں انٹرفیئر کرتے ہیں نہ کسی کو اپنی لائف میں کرنے دیتے ہیں۔ اس لیے ہم دونوں کمپٹیبل ہیں۔ آپ ٹینشن مت لیں۔" وہ کانوں میں ایئرپیڈ پھنسائے اٹھ گئی۔ مسز زبیر کو پریشانی نے آ گھیرا تھا۔



حسب وعدہ وہ فاطمہ کے ساتھ گاؤں چلا آیا تھا۔ رموچاچا' نوراں تائی' چھیماں خالہ یہ سارے اس کے خون کے رشتے تھے' جنہیں نذیر علی توڑ گیا تھا اور شہر میں جا کر ایک الگ دنیا بسالی تھی۔ نوراں تائی نے کچے صحن میں پانی چھڑک کر رنگین چارپائیاں' سفید چادریں بچھا کر صحن کے بیچوں بیچ بچھادی تھیں' فیکے سے کہہ کر فرشی پنکھا بھی منگوالیا تھا۔
"ہمارے ویہڑے کے بھاگ جاگے فاطمہ تم آئیں۔" ستو کا شربت مٹی کے گلاسوں میں ڈال کر دیتی تائی نے کہا۔
"بس بھابی' شہر جا کر ہوش ہی نہیں رہا' ساری کمائی سے یہ گڈو بچا کر لائی ہوں۔" فاطمہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔
"بہت بڑا دکھ ہے پر اس سے بھی بڑا دکھ تمہاری لاتعلقی کا ہے' بھرا نذیرا اور پتر کی فوتگی کی بھی اطلاع نہ دی تو نے' جیتے جی تو دور ہوئے تھے آخری واری منہ دیکھ لیتے۔" اب وہ سامنے چوکی پہ بیٹھے پیاز چھیل رہی تھیں۔ دیسی مرغی ذبح ہوگئی تھی۔ مٹی کے چولہے میں لکڑیاں ڈال کر آگ سلگادی گئی تھی۔ کونے میں لگے تندور سے بھی آگ کے شعلے نکلنے لگے تھے۔ تائی کی مدد کو عورتیں آ گئی تھیں۔ ایک نے آٹا گوندھا اور دوسری فناٹ پراٹھے بنانے لگی۔ عبدالحسیب کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ تبدیلی اچھی لگتی ہے ہر ذی نفس کو۔
تائی نے ہانڈی چڑھائی۔ فضا میں لکڑی جلنے کی بو رچ گئی تھی۔ فاطمہ اب چولہے کے پاس ہی جا بیٹھی تھی۔ عبدالحسیب نے تکیہ سیدھا کیا اور لیٹ گیا۔ پنکھے کی گھر گھر اس کے عمر رسیدہ ہونے کا پتا دے رہی تھی۔ صاف شفاف چمکتا آسمان اس کی نظروں میں تھا اور وہ شاید پہلی بار آسمان کو اتنے غور سے دیکھ رہا تھا۔
"لسی آ گئی تائی۔" کسی کی آواز آئی۔ عبدالحسیب نے غیر ارادی طور پر سر اٹھا کر آواز کی سمت دیکھا۔ لسی لانے والی لسی کا

ملکہ گھڑونچی پر رکھ رہی تھی۔ سرخ پھولوں والی بڑی سی چادر اوڑھے ناک میں چھوٹی سی تھلی پہنے وہ قبول صورت لڑکی تھی۔ کلائیوں میں بھر بھر کر چوڑیاں پہن رکھی تھیں اوراس کے ذرا سے ہاتھ ہلانے پر وہ چھن چھن بجنے لگتی تھیں۔ وہ پیڑھی کھینچ کر وہیں بیٹھ گئی۔ سیدھے ہوتے عبدالحسیب کو یاد آیا یہ وہی تصویر والی لڑکی تھی۔ فاطمہ نے اس کی حرکت دیکھ لی اور پُرامید ہوگئی تھی کہ اب وہ شادی کے لیے مان جائے گا۔ فاطمہ کا رات وہیں رکنے کا پروگرام تھا۔ شام کو نوراں تائی کا بیٹا بھی آ گیا تھا اچھا ہنس مکھ نوجوان تھا نواز علی تھوڑی دیر میں وہ اس کو پنڈ دکھانے ساتھ لے جارہا تھا۔

''فصلیں دیکھیں کبھی؟'' اس نے کھیتوں کے پاس سے گزرتے ہوئے پوچھا۔ عبدالحسیب نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ بتانے لگا۔

''یہ کماد کی فصل ہے یہ ادھر آلو کاشت کیے ہوئے ہیں۔ وہ مکئی ہے۔'' وہ اشارے سے بتارہا تھا کون سی فصل کتنی دیر میں پک کر تیار ہوتی ہے اس کا موسم کون سا ہے اس کے فائدے نقصان ساری معلومات نوازعلی کو ازبر تھیں۔

''تم کسان ہو؟'' عبدالحسیب نے پوچھا۔

''نہیں...... میں ادھر چوہدری صاحب کے مالٹوں کے باغات میں کام کرتا ہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بتایا۔

''مالٹوں کے باغ......؟'' اس کے قدم جم گئے۔

''ہاں ادھر سڑک کے اس پار یہ سارا ان کا فارم ہاؤس ہی تو ہے۔ مالٹے آم کیلے سارے پھل ہیں۔ اپنی فیکٹری ہے ان کی جام اور جیلی بنانے والی خود تو چودھری صاحب اب سیاستدان بن گئے ہیں لیکن مہینے میں ایک بار وہ یہاں کا چکر ضرور لگاتے ہیں۔ بڑی رونق لگتی ہے ان کی حویلی میں۔'' علی نواز اپنی دھن میں بول رہا تھا جبکہ عبدالحسیب کا دل ان مالٹوں کے باغات کو دیکھنے کے لیے مچلنے لگا تھا۔

''میرے مالٹوں کے باغات ہیں۔'' اس نے بھی چھوڑی تھی۔

''اچھا۔'' وہ ہنستی چلی گئی تھی۔ ''کبھی دکھانا اپنے مالٹوں کے باغ۔'' زندگی بڑی بے رحم اوراس سے زیادہ بے رحم یہ محبت۔

''باغ میں چلیں؟'' اس نے دھیرے سے کہا تو علی نواز مڑا۔

''اندھیرا ہوگیا اب تو صبح چلنا میرے ساتھ۔'' علی نواز نے نالہ پھلانگتے ہوئے واپسی کا راستہ اختیار کیا۔ جب وہ واپس آئے مغرب کی اذانیں ہورہی تھیں علی نواز مسجد چلا گیا فاطمہ تائی نوراں کے ساتھ کہیں گئی ہوئی تھی۔ وہ چارپائی پر لیٹ گیا تھا۔

''اماں کیوں سمجھتی ہے بکسا پھینک دینے سے ساری تلخ یادوں سے چھٹکارا مل جائے گا یادیں تو دل میں ہیں ڈس ڈس کر دل کو نیلا کیے دے رہی ہیں۔ بکسے میں کیا ہے؟''

اسے اس امیر زادی سے محبت ہوئی تھی اور انتہا کی ہوئی تھی۔ امیر زادی کی محبت کے بارے میں اسے یقین نہیں تھا۔ وقت گزرنے کے لیے اس نے بھی دو گھڑی بات کرلی ہوگی اور اس مذاق کی بات میں اس نے اپنا آپ رہن رکھ دیا تھا ساری عمر کے لیے وہ تو اب تک اس کو بھول بھال گئی ہوگی۔ وہ اکثر سوچتا تھا کہ یہ سب اس کے ساتھ ہوا کیا تھا؟ سارے خواب مٹی ہوگئے تھے۔ کس طرح اور کن مشکلوں سے وہ اپنا خواب پورا کرنے گیا تھا اور کس طرح سب مٹی کرآیا تھا۔ واپسی کا تو کوئی راستہ بچا ہی نہیں تھا۔ ایک گولی عبدالمعیز کو کھا گئی تھی۔ ایسا نہ ہو ہانیہ کا کہا سچ ہوجائے اور وہاں جا کر ایک گولی اس کا بھی مقدر ہوجائے۔ زندگی تو یوں بھی تھم سی گئی تھی۔ زندگی میں کبھی دوبارہ ہانیہ سے اس کا سامنا ہوسکتا ہے یہ اس نے دل ود ماغ سے نکال دیا تھا۔ وہ کوئی اور دنیا تھی جہاں وہ اسے کچھ دیر کو ملی تھی اور اب صرف سراب تھا نیلے آسمان کی وسعتوں نے سیاہ ستاروں بھرا آنچل اوڑھ لیا تھا۔ کہیں دور پچھلی تاریخوں کا چاند بھی گھڑی دو گھڑی کو نظر آجاتا...... وہ دب اکبر کے ستارے کئی بار گن چکا تھا۔

''مبارک ہو گڈو میاں۔'' تائی نوراں کی آواز اسے آسمان کی بلندیوں سے کھینچ لائی تھی۔

''رشتہ پکا کردیا ہم نے تمہارا۔'' تائی نوراں نے چادر اتار کر رکھتے ہوئے کہا تو وہ اٹھ بیٹھا۔

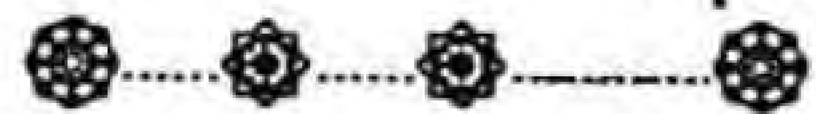
''تائی جی ابھی......''

''ہاں تو اور کتنی دیر چاہیے تمہیں۔ ماشاءاللہ دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔ رب تجھے حیاتی دے۔ یہی تو عمر ہے۔'' تائی نوراں چارپائی کی پائنتی پر بیٹھ گئیں اور پلیٹ میں دھری جلیبیوں سے اس کا منہ میٹھا کروانے کی کوشش کرنے لگیں۔ عبدالحسیب نے شپٹا کر ماں کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرارہی تھی۔ وہ منع کرتے

کرتے رک گیا اماں یونہی بکسا بھکنے کا نہیں کہتی تھی وہ سچ میں نئی زندگی جینا چاہتی تھی اور اس کے لیے ہی جینا چاہتی تھی۔ عبدالحسیب نے آنکھیں موند لیں' یہ موڑ بھی زندگی میں آنا تھا۔ جب آپ اپنا خود اٹھا کر کسی اجنبی کو سونپ دیتا تھا پرانی جلیبی کا ذائقہ بہت برا محسوس ہوا پھر بھی اس نے کھالی تھی۔ اگلی صبح وہ واپس آگئے تھے۔ حالانکہ علی نواز نے اسے مالٹوں کا باغ دکھانے کا لالچ بھی دیا لیکن اس نے منع کردیا تھا۔

''کیوں؟ رات کو تو بڑے بے چین ہورہے تھے۔'' علی نواز بغل گیر ہوتے ہوئے بولا۔

''رات کو وہاں کا حسن اور ہوتا ہے پھر کسی دن گاؤں آؤں گا تو چلیں گے۔'' اس نے گرم جوشی سے مل کر مصافحہ کیا۔ رشتے رشتے ہی ہوتے ہیں' وہ جو کافی عرصے سے خود کو تنہا محسوس کررہا تھا علی نواز سے اسے اپنائیت کا احساس ہونے لگا تھا۔ فاطمہ بہت زیادہ خوش تھی۔ اس نے زندہ رہنے کی ایک کوشش کی تھی' وہ سارے رستے اس سے مہ جبین کی باتیں کرتی آئی تھی۔ وہ کیا کرتی ہے' کیا کھاتی ہے' کیا پہنتی ہے' کون سا رنگ اسے پسند ہے' ساری معلومات اس کے گوش گزار کرتی رہی اور وہ عدم دلچسپی سے ہاں ہاں کرتا رہا تھا۔



''مبارک ہو بی بی بہت بہت۔'' عروبہ نے آگے بڑھ کر اسے مبارک باد دی۔ ''آپ کو بھی صاحب۔'' جرار نے ہلکا سا سر ہلایا اور ہانیہ یہ بھی نہیں کرسکی تھی۔ ڈیڈ اور مام کو چین ہی نہیں آیا تھا' ایک ہفتے بعد ہی اسے جرار کے پیچھے روانہ کردیا تھا اور جہاز میں بیٹھے بیٹھے ہی اس نے سوچا تھا کہ وہ کتنا بدل گئی تھی۔

کہاں اس کی مرضی کے بغیر کوئی کام ہوتا نہیں تھا اور اب بس فیصلوں پر عمل درآمد کروایا جارہا تھا اور وہ خاموشی سے کر بھی رہی تھی اور جرار کا پتا نہیں پہلے سے منصوبہ تھا یا اس کے آنے کے بعد تبدیل ہوا تھا وہ دوسرے دن ہی اسے لے کر وہاں آگیا تھا۔ عروبہ نے بہترین کھانا تیار کیا تھا' دیسی' تھائی' اٹالین' وہ بہت اچھی کک بن گئی تھی۔ جرار کو کھانا بہت پسند آیا اور اس نے عروبہ کو انعام بھی دیا تھا۔

''سجاد باڈی گارڈ کہاں ہے؟'' ہانیہ کو خیال آیا۔ جرار نے اس کی طرف اور پھر عروبہ کی طرف دیکھا۔

''وہ جی...... چلا گیا یہاں سے......'' عروبہ نے سر جھکا کر بتایا اسے حیرانگی کے ساتھ خوشی بھی ہوئی۔

''اچھا ہی ہوا گیا کہاں ویسے؟ پاکستان واپس؟'' اس نے ایک ساتھ کئی سوال کیے۔

''عروبہ اچھی سی کافی پلوادو۔'' عروبہ کے جواب دینے سے پہلے جرار نے فرمائش کردی۔ وہ فوراً کچن میں چلی گئی ہانیہ کو محسوس ہوا جیسے جرار کو سجاد کا ذکر اچھا نہیں لگا تھا۔ جرار کھانے سے فارغ ہوگیا تھا۔ اس لیے اٹھ کر لاؤنج میں چلا گیا' وہ واک کرنے کی غرض سے باہر ٹیرس میں آگئی۔ عروبہ اس کی کافی لیے وہیں آگئی تھی۔ فضا میں خنکی تھی اسے سردی محسوس ہونے لگی تھی۔ عروبہ تھوڑی دیر کھڑی رہی پھر واپس جانے کو پلٹی ہی تھی کہ ہانیہ نے آواز دی تو وہ رک گئی' ہانیہ چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔

''میرے جانے کے بعد کوئی یہاں مجھ سے ملنے تو نہیں آیا تھا؟''

''نہیں جی۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ کچھ اور پوچھنا چاہتی تھی مگر جرار کے آنے پر چپ کرگئی۔ عروبہ لوٹ گئی۔ ان کے درمیان ہمیشہ والی خاموشی حائل ہوگئی۔

جرار پوری طرح باہر کے نظارے میں گم ہونے کی کوشش کررہا تھا اور وہ آرام سے بیٹھی کافی کے سپ لیتی رہی۔

''سجاد انکل کا بہت وفادار تھا ناں؟'' جرار نے سوال کیا۔

''تھا کیا مطلب؟'' اس نے ابرو چڑھائی۔

''وہ ہے' ڈیڈ نے اسے واپس بلالیا شاید۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' وہ مسکرایا۔ ''تمہاری تو بہت یادیں ہیں ناں یہاں' بچپن پھر لڑکپن' لڑکیاں لڑکوں سے زیادہ حساس ہوتی ہیں ان کا حافظہ بھی بڑا اچھا ہوتا ہے' جلدی بھولتی نہیں ہیں۔'' اس نے طنز کیا تھا یا کچھ اور لیکن ہانیہ کو تڑپا کے رکھ دیا تھا۔ اس نے کافی کا مگ ایک طرف رکھ دیا۔

''مطلب کیا ہے آپ کا اس بات سے؟''

''لو جی مطلب کیا پوچھا ہے۔'' وہ دوبارہ سے کافی کے سپ لینے لگا اور ہانیہ سوچ رہی تھی اس نے مام ڈیڈ کی بات مان کر بہت بڑی غلطی کی ہے' اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ وہ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

اگلی صبح جرار اس کے اٹھنے سے پہلے ہی کہیں چلا گیا تھا' اس نے بھی پرواہ نہیں کی' عروبہ نے اسے ناشتہ دیا شکر ہے اب عروبہ اپنی روٹین بدل رہی تھی۔

''سجاد نوکری چھوڑ گیا؟'' اسے ایک بار پھر سجاد یاد آگیا۔

''پاکستان بلوایا تھا بڑے صاب نے' واپس نہیں آیا۔''

عروبہ کی بات نے اسے حیران کیا۔
"یہاں کون ہیں اب؟" اس نے سلائس کا کونا کترا۔
"کمل چاچا اور ریحان ہیں...... دوپہر کے لیے کیا پکاؤں؟" اس نے پوچھا۔
"کچھ نہیں میں باہر جارہی ہوں۔" اس نے جوس کا گلاس خالی کیا اور موبائل پر کچھ ڈھونڈنے لگی۔
"آپ باہر مت جائیں بی بی۔" عروبہ نے اس کے قریب آ کر آہستہ سے کہا۔
"کیوں؟" اس کا انداز ہانیہ کو چونکا گیا۔
"صاحب نے ریحان کی ڈیوٹی لگائی ہے۔" اس نے ادھر ادھر دیکھ کر رازداری سے کہا تو ہانیہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔
"اتنا شک اور ہانیہ تم پر......؟ اس شخص کو اس پر اعتبار ہی نہیں......" وہ کھول رہی تھی۔
"میں تو آپ کی نمک خوار ہوں جی، بس خیال رکھیں اپنا۔" وہ سر جھکائے بہت احتیاط سے بول رہی تھی۔ جیسے کوئی اور سن رہا ہو اور ہانیہ نے ایک پل میں فیصلہ کرلیا اسے ابھی اسی وقت واپس جانا تھا، اس شخص کے ساتھ وہ ایک لمحہ مزید گزارنے کو تیار نہیں تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

اور بالکل غیر محسوس طریقے سے مہ جبین اس کی زندگی میں چلی آئی تھی۔ گرمیوں کی اس تپتی دوپہر میں جب اس نے نکاح کے تین بول پڑھے تھے تو اسے اندازہ ہوگیا تھا زندگی اب اس کے تابع نہیں رہی۔ مہ جبین حاکم تھی اور وہ حکومت کرنے آئی تھی۔ اس کو اپنے دس جماعت پاس ہونے کا زعم ہی بڑا تھا۔ نخرے کسی کی جاگیر تھوڑی ہوتے ہیں۔ اماں جو اس کی تعریفوں کے پل باندھتی پھر رہی تھی ان پلوں کو ٹوٹتے دیکھ کر ایک بار پھر خاموش ہوگئی تھی۔ گھر کی خاموشی ٹوٹی ضرور تھی مگر مہ جبین کے چیخنے چلانے کی آوازوں سے، اسے اونچا بولنے کی عادت تھی تو گھر کا سناٹا اپنے آپ ختم ہوگیا تھا۔ ہر وقت آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر سراہتی رہتی، اسے نہ فاطمہ سے غرض تھی نہ ہی عبدالحسیب سے، اس کا آئیڈیل ایک پڑھا لکھا بڑی گاڑی والا افسر تھا۔ سڑک کنارے بیٹھ کر لوگوں کے جوتے سینے والا موچی نہیں۔ گڈے موچی کا رہا سہا وجود بھی بکسے میں بند ہوگیا اور مہ جبین ڈیڑھ ماہ بعد ہی میکے جا بیٹھی۔ اسے ناکام عاشق کے ساتھ سر نہیں پھوڑنا تھا۔ فاطمہ عبدالحسیب کو ساتھ لے کر اسے منانے گئی، نوراں تائی ساتھ تھی، مہ جبین نے کسی کا لحاظ نہ کیا۔
"کس کے ساتھ گزارا کروں، بتانا پھوپی، گزارا انسان کے ساتھ ہوتا ہے، پتھر کی مورت کے ساتھ نہیں، مجھے اس لیر لیر ہوئے شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزارنی...... مجھے طلاق دے دے بس۔" اس نے فیصلہ سنادیا۔
"ہائے میں مرگئی۔" اس کی دیدہ دلیری پر تائی نوراں نے کلے پیٹ ڈالے۔ اس کا باپ چپ تھا۔ جانتا تھا مہ جبین گزارا کرنے والی نہیں۔ نوراں تائی انہیں مہ جبین کو سمجھانے کا کہہ کر آ گئیں۔ عورت بدلحاظ ہوجائے، سر چڑھ کر طلاق مانگے تو جان لو وہ خود کو تباہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اور اس ارادے سے اسے کوئی باز نہیں رکھ سکتا لیکن وہ انتہائی فیصلہ کرنے کے حق میں نہیں تھا سو اس نے طلاق نہیں دی اور واپس آ گیا اور یوں زندگی پھر اسی ڈھب پر آ گئی جو تبدیلی آئی تھی اس کا اختتام تین ماہ میں ہی ہوگیا تھا۔
"ماں ہمیں خوشیاں راس نہیں۔" وہ فاطمہ کی گود میں سر رکھے کہہ رہا تھا اور فاطمہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس کی کہی بات کی تائید کررہی تھی۔



"بس یہیں پہ روک دیں چاچا۔" اس نے دائیں طرف بنی سبز عمارت کی طرف اشارہ کیا اور خود بیگ کھول کر موبائل نکالنے لگی۔ اب وہ کسی کا نمبر ڈائل کررہی تھی۔ جلد ہی رابطہ ہوگیا، وہ اپنی لوکیشن سمجھانے لگی۔ پانچ منٹ بعد ہی ایک سولہ سترہ سال کا لڑکا دائیں طرف بنی گلی سے نمودار ہوا اور اس کو عمارت کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ رکشے والے کو کرایہ دے کر وہ بڑے محتاط انداز سے چلتی اس لڑکے کے پیچھے ہولی۔ تنگ تاریک گلی سے گزرتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس نے اکیلے آ کر بہت بڑی غلطی کی، اس کے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا تھا اور کسی کو پتا نہ چلتا کہ رملہ کہاں گئی۔ وہ قرآنی آیات زیر لب دہرا رہی تھی، سیڑھیوں کی خستہ حالی اور اس پر پڑا کچرا بتا رہا تھا کہ یہ عمارت کچھ زیادہ آباد نہیں اور اگر آباد تھی تو یہاں کے لوگ بدتہذیب تھے۔
قریباً بائیس سیڑھیاں چڑھنے کے بعد اسے مطلوبہ فلیٹ نمبر دکھائی دیا۔ آس پاس کے دروازے بند تھے اور ایک پراسرار خاموشی نے پوری عمارت کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ دروازہ بجاتے ہوئے اس نے نمبر بھی ملایا تھا، تیسری دستک پر دروازہ کھل گیا تھا۔ دروازہ کھولنے والا آٹھ دس سال کا بچہ تھا۔ اس نے

اپنا نام بتایا تو بچے نے ایک طرف ہو کر اسے راستہ دیا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ بچہ اسے سیٹنگ روم سے ہوتے ہوئے ایک بیڈروم میں لے آیا تھا۔

"آجاؤ بیٹا رک کیوں گئی ہو۔" کمرے کے نیم تاریک ماحول سے شناسا ہونے میں اسے کچھ دیر لگی تھی۔ ایک خاتون بیڈ پر نیم دراز تھیں۔

"السلام علیکم!" اس نے دھڑکتے دل پر قابو پاتے ہوئے سلام کیا اور آہستگی سے چلتی بیڈ کے قریب آ گئی۔

"بیٹھو۔" انہوں نے اشارہ کیا۔ بچہ باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد ہاتھ میں ایک سوفٹ ڈرنک پکڑے واپس آیا۔

"میں ٹرے میں رکھتا تو گر جاتی آنٹی۔" اس بچے نے وضاحت کی تو وہ مسکرادی اور بوتل اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اس کا سر تھپتھپایا۔

"شکریہ بیٹا۔" وہ مسکراتا ہوا باہر چلا گیا تو رملہ اس خاتون کی طرف متوجہ ہوئی۔ "جی آپ نے مجھے بلایا تھا۔" خاتون نے میز کی دراز کھولی اور ایک پیکٹ باہر نکالا۔

"یہ تمہاری امانت ہے۔" انہوں نے اس کی طرف پیکٹ بڑھایا۔ اس نے حیرانگی سے پہلے پیکٹ اور پھر عورت کو دیکھتے ہوئے لفافہ تھام لیا۔

"میں معذرت چاہتی ہوں میں نے یہ لفافہ کھول لیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس میں کیا ہے یہ تمہیں بہت پہلے مل جاتا لیکن ہم لوگ گھر پر نہیں تھے۔"

"میں سمجھ نہیں پارہی آنٹی...... یہ سب کیا ہے؟" رملہ اب پریشانی میں گھر گئی تھی۔

"آپ کے والد جرنلسٹ تھے؟" انہوں نے پوچھا تو رملہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "کسی کیس کے بارے میں معلومات ہیں۔"

"کیا؟" رملہ کو جھٹکا لگا۔

"آپ کو کس نے دیا یہ؟"

"ہمارے گھر کے اندر پھینکا گیا تھا یہ دروازے سے نیچے...... ہم لوگ گاؤں گئے ہوئے تھے چھ ماہ کے لیے واپس آنے پر یہ پڑا ملا...... سچ کہوں تو یہ سب دیکھنے کے بعد میری ہمت ہی نہیں پڑی کہ میں تم تک پہنچاؤں اس لفافے کے باہر لکھا گیا تھا کہ اسے رملہ تک پہنچا دیا جائے تمہارا نمبر بھی اس پر درج تھا لیکن مجھے لگا یہ تمہاری جان بھی خطرے میں ڈال سکتا ہے...... تو میں نے سوچا بات دبی ہے دبی رہے لیکن پچھلے دنوں جب میں نے نیوز میں تمہیں دیکھا کہ تم اس ایم این اے کے گھر میں کھڑی ہو تو میں خاموش نہیں رہ سکی تمہارا ان تمام حقائق کو جان لینا ضروری ہو گیا ہے لیکن بیٹا احتیاط سے میں تمہیں فون بھی اسی خوف کے مارے نہیں کر سکی تم نے یہاں آنے سے پہلے تسلی تو کر لی تھی ناں۔ کسی نے تمہارا پیچھا تو نہیں کیا؟" وہ خاتون خوف زدہ ہوئیں۔

"پتا نہیں آنٹی۔" وہ بری طرح الجھ گئی۔ اسے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہے یہ کون سے ڈاکومینٹس تھے جو ابو کو اس طرح چھوڑنے پڑے تھے انہیں بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا تھا کیا قتل کی وجہ یہی ڈاکومنٹس تو نہیں تھے اور بھائی...... اسے بھی کہیں قتل تو نہیں کیا گیا اور حادثاتی موت قرار دے دیا تھا۔ اس کا دل لرزنے لگا تھا جانے اس لفافے میں کیا کیا راز بند تھے جو اس کے باپ اور بھائی کی جان لے گئے تھے اور اسے تو اب یہ بھی گارنٹی نہیں تھی کہ یہاں آتے ہوئے اس کا پیچھا کیا گیا یا نہیں اور کوئی پتا نہیں تھا یہاں سے نکلتے ہی وہ کسی حادثے کا شکار ہو جاتی۔ اس نے لفافہ وہیں کھول لیا باہر جا کر اسے دیکھنے کی مہلت ملتی نہ ملتی۔ اس نے جیسے ہی لفافے کو الٹا کیا تصویریں کیمرہ رول یو ایس بی اخبار کے تراشے بیڈ پر بکھر گئے تھے۔ اس کی نظر جیسے جم سی گئی تھی۔ وہ تصویریں اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اس کے پورے وجود میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔

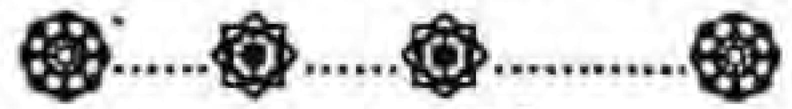
اخبار کے تراشے دو سال پرانے تھے دو سال پہلے جب ابا کا قتل ہوا تھا جب بھائی کی حادثاتی موت ہوئی تھی اور جب حادثاتی طور پر ہی اس کی شادی حذیفہ سے ہوئی تھی...... تب ہی جب ایک دہشت گرد کا ان کاؤنٹر ہوا تھا۔ وہ ساری چیزیں موبائل میں سیو کرتی گئی اور تین نمبرز پر فارورڈ بھی...... اسے یہ ریکارڈ کسی صورت ضائع نہیں ہونے دینا تھا کسی کی دنیا تہہ و بالا کرنے کے لیے کافی تھا یہ ریکارڈ۔

"ہمسائیوں سے پتا چلا تھا کہ اس روز بلڈنگ میں بہت فائرنگ ہوئی تھی۔ غنڈے ایک صحافی کو گھیر کر یہاں لائے تھے اور اسے گولی ماری تھی۔ بہت خوف و ہراس تھا اس دن ساری بلڈنگ میں۔ شاید اسی پیکٹ کے لیے یہ قتل ہوا لیکن اس صحافی نے بھی پیکٹ ان کے ہاتھ نہیں لگنے دیا اور اندر پھینک دیا۔" خاتون بتا رہی تھیں اور اس کی نظروں میں باپ کا تکلیف سے تڑپتا وجود گھوم گیا تھا۔ وہ حذیفہ کے ساتھ کراچی آئی ہوئی تھی

جب اسے ابا کے مرنے کی اطلاع ملی تھی۔ وہ بے حد مضطرب ہوگئی تھی۔ اس کے وجود پر لرزہ طاری تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے ابا کا قتل آج ہی ہوا ہو اور بھائی کو بھی آج ہی دفنایا ہو۔

وہ اس بلڈنگ سے نکل کر گھر کیسے پہنچی تھی اسے کچھ اندازہ نہ تھا۔ اس نے وہ پیکٹ میٹرس کے نیچے چھپایا' ایک ہی چیز تھی جو اس سے اٹھائی نہیں جاتی تھی' وہ رات کا شدت سے انتظار کررہی تھی۔ کب رات ہوتی اور وہ ان تمام حقائق کو جان لیتی' جس کے لیے اس کے بھائی اور باپ کو جان دینی پڑی تھی۔ اس رات اس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ طلحہ کو سلانے کے بعد اس نے اندر سے کنڈی لگائی اور پیکٹ کھول کر بیٹھ گئی اور جیسے جیسے وہ کھولتی گئی اس کا دماغ ماؤف ہوتا گیا۔ وہ ایک بے گناہ کے قتل کی مکمل داستان تھی' ثبوتوں کے ساتھ اور ثبوت میں قاتلوں کی ریکارڈ کردہ ویڈیو' تصاویر اور قتل ہونے والے کا جرم بھی شامل تھا۔ مکمل تحقیق جو کہ رملہ کے باپ نے کی تھی اور اس شواہد کو بچاتے بچاتے اپنی جان گنوادی تھی۔ اس نے سب کچھ دوبارہ بند کیا اور کمرے میں رکھی پیٹی کے پیچھے پھینک دیا۔ اسے اب کیا کرنا تھا یہ طے کرنا باقی تھا۔ اس کی جلد بازی یا ذرا سی بے وقوفی سب کچھ پلٹ سکتی تھی اور اپنے باپ کی طرح وہ بھی جان سے جاتی' یہ تو طے تھا' وہ ان تمام لوگوں کا کچھ بھی بگاڑنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ تو خود بہت کمزور تھی لیکن وہ باپ کی محنت اور جان کو اکارت جاتا بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اسے جو کرنا تھا بہت سوچ سمجھ کر کرنا تھا' وہ ساری رات اس نے پلاننگ کرتے گزار دی لیکن اسے پھر بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیسے یہ کام کرے گی۔

"اللہ میری مدد فرما۔" وہ بے بسی سے رو دی تھی۔



"آپ نے جہاں چاہا' جس کے ساتھ چاہا' میری زندگی کا فیصلہ کردیا مام' ایک بار بھی نہیں سوچا کہ وہ شخص میرے ساتھ میچ بھی کرتا ہے؟ اس کے نزدیک میں انسان بھی ہوں کہ نہیں۔" وہ مام سے الجھ رہی تھی۔

"میں آپ کے کہنے پر اس کے پیچھے گئی اور اس نے مجھ پر ہی پہرے بٹھا دیے' کیا سوچ کر؟ میں کیا کوئی تھرڈ کلاس لڑکی ہوں...... جو وہ یہ چھچھوری حرکتیں کررہا ہے؟" وہ چیخ رہی تھی' غصہ کررہی تھی۔

"شروع شروع میں اس طرح کی مس انڈر اسٹینڈنگز ہوجاتی ہیں' جب ساتھ رہتے ہیں تو ایک دوسرے کے عادی ہوجاتے ہیں اور یہ تم مڈل کلاس لڑکیوں کی طرح کیوں بی ہیو کررہی ہو۔ ہماری کلاس میں سب کی اپنی اپنی لائف ہوتی ہے اور سب اپنے اپنے طریقے سے لائف انجوائے کرتے ہیں۔ تمہارے پاس کس چیز کی کمی ہے' روپیہ پیسہ' گاڑی' حیثیت' سو یہ مڈل کلاس لڑکیوں کی طرح شوہر کی توجہ نہ ملنے پر کھپ ڈالنے کی بجائے اپنی ایکٹویٹیز ڈھونڈو...... خود کو بزی کرو۔" مام کے نزدیک یہ سب کچھ نارمل تھا۔

"کہاں بزی کروں خود کو؟" مام کی باتوں نے اسے مزید تپا دیا۔

"خود کو بزی کروگی تو زندہ رہوگی۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کڑھنا چھوڑ دو' اپنی لائف انجوائے کرو اور جرار کو اپنی مرضی سے جینے دو' اس کی زندگی میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی گنجائش نہیں۔" مام تو جرار کے خلاف ایک بھی بات سننے کو تیار نہیں تھیں۔ الٹا اسے ہی تبدیل ہونے کا مشورہ دے رہی تھیں۔ ان کے نزدیک لائف بس کٹی پارٹیز' فارن ٹورز اور شاپنگ کے گرد ہی گھومتی تھی۔ لائف میں اگر یہ سب آپ کو میسر ہے تو آپ دنیا کی خوش قسمت ترین عورت ہیں۔

"اور خوش قسمت ہونے کے لیے ضروری نہیں سب کا پیمانہ ایک سا ہو۔" مام سے بحث فضول تھی بلکہ شاید اس گھر کے ہر بندے کی سوچ ایک سی تھی۔ دولت' اسٹیٹس' اور بس...... اس کا گھر جا کر مزید دماغ خراب کرنے کا ارادہ نہیں تھا' وہ اپنے کمرے میں جا بسی۔ مام نے آنکھیں دکھائیں تو اس نے انہی کی کہی بات دہرا دی۔

"ہر بندے کو اپنی مرضی سے لائف جینے کا پورا حق ہے۔" مام نے رفاقت صاحب کو ساری بات کہہ سنائی۔

وہ ان دنوں فارم ہاؤس پر تھے۔ دو دن رک کر انہوں نے ہانیہ کو وہیں بلا لیا...... وہ چاہتے تھے ہانیہ اس اسٹریس سے باہر آئے جو اسے اندر ہی اندر تنگ کررہا تھا اور ہانیہ کو بھی مام کی نصیحتوں سے بچنے کا یہی حل نظر آیا کہ کچھ دن وہ فارم ہاؤس پر ہی گزار آئے...... وہ جانتی تھی زیادہ دن تک راہ فرار اختیار نہیں کرسکے گی لیکن جب تک ہوسکا تھا وہ اس شخص سے بچنے کی کوشش تو کرسکتی تھی اور ٹھیک دو گھنٹے بعد وہ کم از کم مہینہ بھر کا سامان اٹھائے فارم ہاؤس روانہ ہوگئی۔ چند دنوں جرار ابتسام جیسی برف کی سل سے بچاؤ کا ایک مفید نسخہ...... اس نے اپنے ذہن سے ساری سوچیں جھٹک دیں۔ وہ اس شخص کے بارے

میں سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔



"دیکھ دھیے! زندگی میں سارا کچھ نہیں مل جاندا۔" تائی نوراں ایک بار پھر مہ جبین کو سمجھانے آموجود ہوئی تھیں۔ "گھر اک واری اجڑ جائے تے فیر ساری عمر نہیں وسدا' کملی نہ بن' گڈو دل کا بڑا سوہنا اے۔"

"میں نے دل کا اچار ڈالنا ہے تائی؟" مہ جبین نے سر اٹھایا۔ "ہے کیا اس کے پاس' نہ تعلیم' نہ عقل' نہ کوئی ہور گل' دس جماعتیں اس لیے نہیں پڑھیں میں نے کہ ایک ان پڑھ جوتیاں سینے والے کے ساتھ زندگی گال لوں اپنی۔" جتنی نخوت تھی دس جماعت پاس مہ جبین کے لہجے میں تائی نوراں کا دل کیا اسے گت سے پکڑ کر گھمائے اور اتنا گھمائے کہ اس کے سر سے ساری جماعتیں نکل جائیں۔ انہوں نے چپ بیٹھی فاطمہ کو دیکھا۔

"کوئی پی ایچ ڈی (ڈی) نہیں کرلی تم نے؟ دس جماعتیں پڑھ کر بھی تو تو گنوار ہی ہے۔ تجھ سے تو اچھے ہم ان پڑھ ہی ہیں رشتوں کا مان رکھنا تو جانتے ہیں' پچھتائے گی تو' دیکھ لینا ایک دن اور باجی سمجھا اس نوں شریف گھروں کی بیٹیاں طلاقیں نہیں مانگا کرتیں۔" تائی نوراں کھری کھری سنا کر اٹھ گئیں' فاطمہ نے ایک لفظ نہ بولا' وہ تقدیر کے ہاتھوں یہاں بھی مات کھا گئی تھی۔

اس نے عبدالحسیب کو کوئی تسلی آس نہ دلائی' بس اتنا کہا کہ اسے ایک آخری کوشش کرلینی چاہیے۔ پرانی یادوں پر نئی یادوں کو رکھ دینا چاہیے...... وہ گاؤں آ گیا' شام ہو چلی تھی' علی نواز نے اسے دیکھا تو موٹر سائیکل نکال لایا۔

"چل آ آج پہلے مالٹے کے باغوں کی سیر کرتے ہیں' پھر بھرجائی کو مناتے ہیں۔" ماں کو روٹی کا کہہ کر وہ اسے پیچھے بٹھائے باغ کی طرف روانہ ہوگیا۔

"دیکھ گڈے ایک بات سمجھ لے' جو عورت بسنا نہ چاہے اسے چھوڑ دینا چاہیے' ایسی عورت کبھی متر نہیں بنتی' پانویں ہڈیاں کٹھ کر چھوڑیں تو اسے منا سہی لیکن مجبور نہ کر' ورنہ ساری عمر پچھتائے گا۔" علی نواز نے خود ہی بات شروع کی۔ پچھتاوے تو اس کے پاس اتنے ہیں کہ مزید پچھتاوے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ خاموشی سے علی کے اقوال سنتا رہا۔ جگمگاتی حویلی دور سے ہی نظر آرہی تھی۔

"لگتا ہے چوہدری صاحب آئے ہیں آج۔" علی نواز نے قیاس آرائی کی۔ "کوئی نہ کوئی تقریب ہوگی' ساری رات دھوم دھڑکا' حویلی کے تو طور طریقے ہی بدل گئے ہیں۔ یہ نکے چودھری صاحب نے ناک ہی کٹادی اپنے بزرگوں کی۔" عبدالحسیب کسی اور فسوں میں تھا' علی نواز کی باتوں پر دھیان ہی نہ دے رہا تھا۔

مالٹوں کا باغ' ملنے کا وعدہ' تعلق نہ رکھنے کا عہد' محبت کی جس طلسماتی وادی میں ہانیہ نے اسے چھوڑا تھا' اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا اور پھر بھی پتھر ہوگیا تھا۔ وہ باغ میں پہنچ گئے تھے۔ گیٹ پر بیٹھے چوکیدار کی منت ترلا کرنے کے بعد انہیں اندر جانے کی اجازت مل گئی تھی۔

"منشی صاحب اندر ہی ہیں' خفا ہوئے تو میرا ذمہ اوش......" چوکیدار نے متنبہ کیا۔

"منشی اپنا یار ہے۔" علی نواز نے مونچھوں کو تاؤ دیا۔ منشی کی ڈھاری (رہنے کے لیے بنایا گیا عارضی کمرہ) سے روشنی آرہی تھی۔ یعنی وہ جاگ رہا تھا۔ علی نواز اسے مالٹے توڑنے کا طریقہ کار بتا رہا تھا اور وہ ہوں ہاں کررہا تھا۔ منشی باہر ہی کرسیاں ڈالے بیٹھا تھا اور سامنے دھری کرسیوں پہ دو لوگ اور بھی بیٹھے تھے۔ سر نیہواڑے منشی جی سرکار جی سرکار کی گردان کررہا تھا۔ علی نواز نے اس کا ہاتھ پکڑ کر مزید آگے بڑھنے سے روک دیا۔

"ٹھہر...... حویلی سے آئے لگتے ہیں۔" وہ وہیں رک کر منشی کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

اندھیرا گہرا ہونے لگا تھا۔ بڑی دیر بعد منشی نے کتابچہ بند کیا اور وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور اب چلتے ہوئے اسی پگڈنڈی پہ آرہے تھے جہاں وہ دونوں کھڑے تھے۔

"جو حسن مالٹوں کے باغ میں ہے ناں' گھوڑوں کے اصطبل میں نہیں۔" ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"یوں کہو تمہیں جرار کا ساتھ پسند نہیں آیا۔" کہنے والے نے تو کہہ دیا اور سننے والی کو گویا جلا کر رکھ دیا۔

"بھائی گھوڑے کے ساتھ گھوڑے خوش رہ سکتے ہیں یا گھوڑے والا اور ایسے مرد کے ساتھ عورت چاہ کر بھی گزارا نہیں کرسکتی جہاں شوہر کے چوبیس میں سے بائیس گھنٹے گھوڑوں کے ناز اٹھاتے گزرتے ہوں۔" مرد ہنستا ہوا گزر رہا تھا۔

"اور عورت یا لڑکی......" روتے روتے اس کے دل کو بھگوگئی تھی...... مالٹے کے باغ کی مالکن' گھوڑوں کے مالک سے بدظن تھی لیکن وہ ابھی تک بے خبر تھی کہ اس باغ میں وہ بھی موجود ہے۔ جو نہ تو مالٹے کے باغوں کا مالک ہے اور نہ ہی گھوڑے پر سوار

ہونے کی دسترس رکھتا ہے۔لیکن دل ضرور رکھتا ہے اور دل بھی وہ جو اس مالکن کے خوب صورت پیروں میں وہ کب کا ڈال چکا تھا۔ سائے ہیولے نے اور آہستہ آہستہ نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ عبدالحسیب نے علی نواز کا بازو تھام لیا۔

"واپس چلتے ہیں۔" وہ پلٹا۔

"سیر؟" سوالیہ نظروں نے اس کا احاطہ کیا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ کندھے اچکا تا منشی جی سے سلام دعا کرنے لگا۔ یہ لڑکا بھی اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

"ہمیں آتے آتے دیر ہوگئی۔" اس کے ہمراہ چلتے ہوئے علی نواز بولنے لگا۔ "میرا خیال تھا شام ہونے سے پہلے ہم دیکھ لیں گے، خراب چاچے کے گھر جانا وہ پوچھ رہا تھا۔" وہ سوچ کر آیا تھا مہ جبین کو بتائے گا کہ وہ ان پڑھ موچی نہیں ہے۔ وہ اس کی دس جماعتوں سے زیادہ کوالیفائیڈ ہے اگر وہ صرف اس وجہ سے قبول نہیں کر پا رہی تو جان لے لیکن اب ایک دم ہی اس کا جی چاہا کہ وہ جائے اور اس گاؤں کی جاہل لڑکی کو بتائے کہ وہ جس کو دھتکارے بیٹھی ہے، اس پر اس شہر کی امیر ترین لڑکی مرمٹی ہے، غرور کے ناگ نے پھن لہرایا اور قریب تھا وہ ڈس جاتا اس نے بروقت اسے پٹاری میں بند کیا اور علی نواز کے سوال کا جواب اثبات میں دے دیا۔ جس دم علی نواز نے لوہے کے دروازے پر زوردار دستک دی، عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔

دروازے کے اس پار جلتی پیلے بلب کی مدقوق روشنی میں بھی مہ جبین کے چہرے کا کھردرا پن محسوس ہو رہا تھا۔ کوئی آئے، کوئی جائے، سانوں کی کی واضح مثال۔ تندور میں بالن ڈالے کوئی روٹیاں لگا رہی تھی۔ وہ دونوں سلام کرکے چارپائی پر بیٹھ گئے تھے۔ رمضان کھانستا ہوا مہ جبین کو آوازیں دینے لگا، مہ جبین چاروناچار چاٹی سے لسی انڈیل دو گلاس بھر کر لائی اور ان کے سامنے رکھ دیے۔ علی نواز نے گلاس اٹھایا جبکہ عبدالحسیب نے نظر ہی نہیں اٹھائی۔ آپ سر جھکا کر چلنا کیا شروع کرتے ہو ساری دنیا آپ کو روند کر گزرنا اپنا فرض سمجھ لیتی ہے۔ مہ جبین چند منٹ سے زیادہ نہ ٹھہر سکی، گلاس لے کر واپس چلی گئی۔

"اپنے مہمانوں کی روٹی ٹکر کا انتظام کر۔" رمضان نے روٹیاں لگاتی عورت کو مخاطب کیا۔ خاموشی طویل ہونے لگی تو علی نواز نے اسے کہنی ماری۔ وہ یہاں مراقبہ کرنے تھوڑی آئے تھے۔

"مہ جبین کیا پروگرام ہے تمہارا؟ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" اس نے سیدھے مہ جبین کو ہی مخاطب کیا اور وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

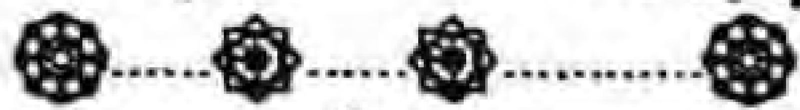
"سمجھا چاچا اسے، گڈے جیسا ہیرا ملا ہے اسے، باہر کے ملک سے پڑھ کر آیا ہے اور یہ اپنی دس جماتوں کو رو رہی ہے......"

مہ جبین نے سر اٹھایا لیکن فوراً ہی جھکا بھی لیا تھا۔

"پڑھ کر آ گیا تو کیا...... ہے تو موچی ہی ناں۔ دوسروں کی جوتیاں پالش کرنے والا۔" اس کے دماغ میں حقارت اور برتری کے کیڑے بلبلائے جو اسے چین نہ لینے دیتے تھے۔

کھانا سامنے رکھے رکھے ٹھنڈا ہو گیا تھا، نہ مہ جبین پگھلی، نہ عبدالحسیب کا حوصلہ...... اسے طلاق چاہیے تھی اور عبدالحسیب کو ہمت سو وہ اٹھ کر آ گیا، رمضان کو آتے وقت کہنا نہ بھولا۔

"چاچا یہ جب آنا چاہے آ جائے، میرے گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے لیکن میں اسے طلاق نہیں دوں گا۔" رمضان بے بسی سے کبھی اسے اور کبھی مہ جبین کو دیکھتا رہا۔ اسے مہ جبین کی رائے لینا چاہیے تھی، وہ شدت سے سوچ رہا تھا۔



کہانی شاید وہاں سے شروع ہوئی جب نذیر علی نے گاؤں چھوڑ کر شہر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے دل میں شہری بننے کی تمنا سما گئی تھی۔ اسے نمبرداروں کا کمی بن کر جینے میں اب کوئی لطف نہیں دے رہا تھا، وہ اپنے بچوں کو یہ غلامی والی زندگی نہیں دینا چاہتا تھا سو اس نے گاؤں چھوڑ دیا، شہر نے اسے قبول کرنے میں بہت زیادہ پس و پیش سے کام نہیں لیا، جتنا کہ اس نے سوچا تھا، اتنا کہ اس کو مل گیا تھا، بہت زیادہ کی چاہ اس نے کبھی نہیں کی تھی۔ وہ اپنی زندگی سے خوش اور مطمئن تھا اور چاہتا تھا اس کے دونوں بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کریں اور ایک دن اپنے موچی باپ کو عزت کا تمغہ پہنائیں۔ اس نے دن رات ایک کر دیا، دکان گروی رکھی۔ عبدالحسیب کو پڑھنے کے لیے باہر بھیج دیا، وہ پڑھائی میں اچھا تھا۔ اسپانسر شپ پہ گیا تھا، لیکن باقی اخراجات تو پورے کرنے تھے۔ انہوں نے پیچھے سے جیسے بھی گزارا کیا لیکن اپنے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے پوری قیمت چکائی، ان کی بس ایک ہی خواہش تھی کہ عبدالحسیب کچھ بن جائے، معاشرے کا قابل عزت فرد...... وہ سر اٹھا کر جی سکیں۔ عبدالحسیب کا ایک سمسٹر مکمل ہو گیا تھا۔ دوسرے کی تیاری میں تھا جب اسے ہانیہ ملی اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔

وہ اس سے تعلق نہیں بنانا چاہتی تھی مگر محبت کرنے لگی تھی' عبدالحسیب ایک گمنام موچی کا بیٹا اور ہانیہ ایک رئیس کی ناک چڑھی شہزادی...... شہزادی کو بازار عشق میں ایک غلام پسند آیا اور وہ اسے سر پر تاج بنا کر سجا بیٹھی تھی۔ اس غلام کا حسب نسب کیا تھا' وہ ملک کے کسی پوش علاقے میں رہتا تھا یا سڑک پر جھاڑو لگاتا تھا' اس شہزادی کو اس سے غرض ہی نہیں تھی۔ وہ اس غلام کی محبت میں گرفتار ہوئی تھی کون سا اسے تعلق بنانا یا اس سے رشتہ قائم کرنا تھا؟ وہ اس سے ملنے لگی جب جب اس کا دل کیا وہ اس غلام سے ملی' اس بات سے انجان کہ اس کی بھرپور نگرانی ہو رہی ہے' وہ اپنے تئیں سب سے چوری چھپے مل رہی تھی لیکن اس کی ایک ایک حرکت کو جانچا جا رہا تھا۔ سجاد پل پل کی رپورٹ پاکستان پہنچا رہا تھا' اس نے عبدالحسیب کی تصویر اور اس کا بائیوڈیٹا بھی رفاقت زبیر کو پہنچا دیا تھا لیکن وہ سب ہانیہ کے سامنے انجان بنے رہے' رفاقت زبیر نے فوراً اپنے دوست ابتسام ملک کا بھیجا پروپوزل قبول کیا اور جرار کو ملوانے ہانیہ کے پاس آ گئے۔ ایک منٹ رکیے' میں ذرا ہانیہ زبیر احمد کا بائیوڈیٹا بھی بتا دوں' بہت سارے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہانیہ' رفاقت زبیر احمد کی ادھیڑ عمری کی اولاد ہے' یہ سچ ہے لیکن یہ اولاد رفاقت کی آفیشل بیوی سے نہیں بلکہ رفاقت زبیر کی خفیہ بیوی سے ہے۔ آپ سب چونک گئے ناں......؟ جی' رفاقت زبیر صاحب نے ایک خفیہ شادی اپنی بیوی کی خالہ زاد بہن سے بھی کر رکھی تھی جو کہ ہانیہ کو جنم دیتے وقت اللہ کو پیاری ہو گئی اور مجبوراً رفاقت زبیر کو ہانیہ پہلی بیوی کی سپرد کرنا پڑی چونکہ عزت کا معاملہ تھا اور بیگم زبیر کو کسی بھی طرح شہ سرخیوں میں آ کر تماشا بننا منظور نہیں تھا اس لیے انہوں نے خاموشی سے یہ کڑوا گھونٹ پیا اور ہانیہ کو لے کر واپس آ گئیں۔ ہانیہ پری میچور برتھ تھی' بہت کمزور اور ننھی منی سی' سو مسز رفاقت زبیر کو اپنا جھوٹ نباہنے کے لیے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا۔ چھ ماہ فرانس میں گزار کر جب وہ واپس پاکستان آئیں تو یہی تاثر دیا گیا کہ وہ ڈلیوری کے لیے فرانس گئی تھیں' کئیوں نے مذاق اڑایا' کئیوں نے باتیں بنائیں' اس عمر میں جبکہ دونوں بیٹے جوان ہو گئے یہ گل کھلانے کی کیا ضرورت تھی؟

''ارے تب ہی تو مسز زبیر کمیونٹی سے کٹی کٹی تھیں بے چاری شرمندہ ہوں گی۔''

''چھوڑیں مسز زبیر' جس نے آنا ہوتا ہے دنیا میں وہ آ ہی جاتا ہے آپ ٹینشن نہ لیں۔ بیٹی کی کمی بھی تو تھی۔''

یہ وہ باتیں تھیں جو انہیں کچھ عرصہ زور و شور سے سننے کو ملیں پھر رفتہ رفتہ کم ہوتے ہوتے ختم ہو گئیں۔ لوگ بھولنے لگے' بھول بھی گئے' ہانیہ بڑی ہونے لگی' دونوں بھائی اور باپ کی منظور نظر تھی۔ مسز زبیر بھی پیار کرتی تو تھیں لیکن بڑا ناپا تلا اور ہانیہ کو زیادہ نہیں بس کبھی کبھار ہی ان کے رویے سے شکوہ رہتا تھا پھر جب وہ بیمار ہوئی اور رفاقت زبیر کی سیاست میں انٹری بھی رنگ دکھانے لگی تو انہوں نے اسے زیادہ تر فرانس میں ہی رکھا اور یہ کہانی جس کا انجام اتنا دردناک ہوا' وہیں سے شروع ہوئی۔ تو جیسا کہ میں نے بتایا کہ ہانیہ زبیر احمد اور عبدالحسیب کی ہر ہر حرکت کی اطلاع تازہ بتازہ پاکستان پہنچتی تھی اور زبیر فیملی کے لیے یہ سب کسی جانکسل لمحے سے کم نہ تھا لیکن مجبوراً انہیں بھی سب کچھ خاموشی سے دیکھنا تھا کہ کہیں ہانیہ جذبات میں آ کر علی الاعلان اس کو اپنا ہی نہ لے۔

حالات اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے انہوں نے انجان بنے رہنے کا فیصلہ کیا لیکن اس معاملے سے لاتعلق رہنے کا رسک وہ کبھی نہ لے سکتے تھے۔ یوں یہ گیم دونوں طرف سے کھیلا جانے لگا۔ ہانیہ سمجھ رہی تھی کہ اس کے اور عبدالحسیب کے بارے میں کوئی نہیں جانتا اور یہی گیم رفاقت زبیر اور باقی گھر والے ہانیہ سے کھیل رہے تھے' انہوں نے جھٹ پٹ جرار سے ہانیہ کا رشتہ طے کیا اور جرار کو ہانیہ سے ملوانے لے آئے۔ درحقیقت جرار وہاں ساری صورت حال سمجھنے آیا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ ہانیہ کے اس لڑکے سے تعلقات کس نوعیت کے ہیں۔



دروازہ کسی نے زور سے پیٹا تھا۔ بے اختیار رملہ نے کاغذ سمیٹے اور انہیں میٹرس کے نیچے چھپا دیا۔ جب تک اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا' وہ کئی بار دھڑ دھڑایا جا چکا تھا۔ یہ یقیناً صدیقہ کی دستک نہیں تھی۔ دروازہ کھولتے کھولتے اس نے خود کو متوقع صورت حال کے لیے تیار کر لیا تھا اور ابھی اس نے چٹخنی گرائی ہی تھی کہ دروازے کو زوردار دھکا دیا گیا وہ سرعت سے پیچھے ہوئی تھی پھر بھی دروازہ اس کی پیشانی سے ٹکرایا گیا تھا۔ حذیفہ نے اس کے بال مٹھی میں جکڑے اور اسے باہر کھینچ لیا۔

''کہاں گئی تھی تم' بتاؤ مجھے؟'' وہ چیخا۔

''حذیفہ چھوڑیں مجھے۔'' تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ شور سے گھبرا کر طلحہ بھی جاگ گیا تھا اور اب گلہ پھاڑ کر رو رہا تھا۔

"بتاتی ہو یا......؟" وہ پھر چلایا۔
"میں آج کہیں نہیں گئی طلحہ کو بخار ہے تو میں سارا دن......"
آواز اس کے حلق میں پھنسی تھی۔ حذیفہ نے زوردار جھٹکا دیا۔
"میں آج کی نہیں چار دن پہلے کی بات کررہا ہوں۔ جھوٹ مت بولنا نہیں تو ٹکڑے کرکے چیل کوؤں کے آگے ڈال دوں گا۔" اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ رملہ کے گلے میں جیسے سانس اٹک گئی۔
"تو وہ جان گیا تھا۔ حالانکہ وہ بہت راز داری کے ساتھ گھر سے نکلی تھی۔ کس نے بتایا ہوگا؟" اس کا ذہن تیزی سے گردش کررہا تھا۔ طلحہ کے رونے میں شدت آگئی تھی۔
"چھوڑیں حذیفہ...... وہ ڈر گیا ہے شاید۔" رملہ نے اپنا آپ چھڑانے کے لیے زور لگایا۔
"رونے دو اسے بلکہ آج کے بعد اسے رونا ہی ہی ساری عمر...... کیونکہ آج کے بعد اسے تمہاری شکل دیکھنے کو نہیں ملے گی۔" حذیفہ نے کہتے ہوئے رملہ کو جھٹکے سے پرے پھینکا اور اس پر لاتوں کی برسات کردی تھی۔
"حذیفہ رحم کرو مجھ......" وہ اپنا آپ بچانے کی کوشش کرنے لگی اس کا پورا دھیان طلحہ کی طرف تھا۔ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔
"حذیفہ......" ایک گرج دار آواز نے حذیفہ کی چلتی ٹانگوں کو بریک لگائے۔
"چھوڑو اسے۔" کسی نے حذیفہ کو دھکا دیا۔
"ڈیڈ آپ سے کتنی بار کہا ہے میرے پرسنل معاملوں میں انٹرفیئر نہ کیا کریں۔" حذیفہ سنبھلتے ہوئے بولا۔ اندر ہی اندر اسے غصہ بھی بہت آیا تھا۔
"چلو اندر...... چلو۔" وہ دبی آواز میں چیخے۔
"تم بھی چلو بچے کو دیکھو۔" انہوں نے صدیقہ کو اشارہ کیا کہ وہ رملہ کو اٹھا کر اندر لے جائے۔ صدیقہ رملہ کو سنبھالتی اندر لے گئی انہوں نے حذیفہ کا بازو پکڑا اور تقریباً گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ ٹی وی لاؤنج میں بیگم رفاقت کے ساتھ زرش بھی موجود تھی۔ رفاقت نے حذیفہ کو بیگم رفاقت کے آگے دھکیلا۔
"اسے سنبھالیے اور سمجھائیے اس کا جذباتی پن اور غصیلا ہونا میرے لیے مسائل پیدا کررہا ہے۔ میں کس طرح اس کی حرکتوں کو چھپاتا پھر رہا ہوں یہ میں ہی جانتا ہوں ورنہ یہ میڈیا والے مٹی پلید کرکے رکھ دیں ہماری۔ دوپہر کو موصوف ایک کیفے ٹیریا میں غل غپاڑہ کرکے آئے ہیں۔ بلاوجہ ویٹر کو پیٹا اور وہاں آئے ایک کسٹمر کو دھمکیاں دیں اور اب گھر آ کر اس لڑکی کو پیٹ ڈالا۔ کل کلاں کو وہ یہاں سے بھاگ گئی تو میڈیا پر جو غل اس نے مچانا ہے وہ سنبھالا نہیں جائے گا۔ سمجھاؤ اسے اپنا نہیں تو میرا ہی خیال کرلے۔" رفاقت زبیر بولتے ہی چلے گئے۔
"آپ خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔" حذیفہ کو غصہ آ گیا۔ "میں بچہ نہیں ہوں......"
"یہی سمجھا رہا ہوں میں تمہیں۔" وہ بات کاٹ کر چلائے۔ "بچے نہیں ہو تم تیس سے اوپر کے ہوگئے ہو اور تم ابھی تک ٹین ایج سے ہی باہر نہیں نکلے ہو۔ بتاؤ مجھے یہ نیکر پہنے لڑکوں کی طرح دوسرے گھروں کی گھنٹیاں بجانے میں کیا لطف آرہا ہے؟ ایک سیکنڈ لگتا ہے اور خبریں پھیل جاتی ہیں۔ وہ چھوٹا بھی تو ہے۔" اضطراب سے وہ ٹہل رہے تھے۔
"ڈیڈ پلیز اب میں عبدالرافع نامہ نہیں سننا چاہتا اور پلیز آپ بھی مجھے نیکر پہنے بچوں کی طرح ٹریٹ کرنا بند کردیں۔" بیزاری حذیفہ کے لہجے سے ہویدا تھی۔ دونوں عورتیں خاموش تھیں اور چپ چاپ سن رہی تھیں۔ "اور یہ جو بلا آپ نے اس گھر میں لاکر رکھ دی ہے اس بلا سے پیچھا چھڑائیں میرا۔ دیکھ لینا ایک دن پھندہ ڈلوائے گی ہم سب کی گردنوں میں۔" وہ بیزاری سے بولا۔
"اس کی تو اتنی اوقات نہیں لیکن تمہاری حرکتیں ایسا ضرور کروا کے ہی دم لیں گی۔" رفاقت زبیر بولتے ہوئے باہر نکل گئے۔ حذیفہ پاؤں پٹختا سیڑھیاں چڑھ گیا۔ بیگم رفاقت نے کن انکھیوں سے زرش کو دیکھا۔ چہرے پر شدید تناؤ لیے وہ اپنا پاؤں کو مسلسل حرکت دے رہی تھی۔ ایک مسلسل بے کلی سی جو اس کو گھیرے ہوئے تھی۔ ورنہ اتنی کم حیثیت لڑکی سے اتنا کیوں ڈرتے تھے یہ لوگ؟
"اچھا اب تم کوئی نیا کھڑاک نہ کھڑا کردینا۔" بیگم رفاقت نے اٹھتے ہوئے اسے سرزنش کی۔ "اپنے مرتبے کا خیال رکھا کرو۔ تمہاری اور رملہ کی حیثیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔" زرش کا دل کیا کھلکھلا کر ہنس دے۔ حیثیت اور مرتبہ کیا ہوتا ہے؟ اور وہ بھی عورت کا؟ ایک ایسے مرد کے سامنے جو ہتھ چھٹ ہو بدلحاظ ہو۔ اس نے تو تھپڑ جوتی دے مارنی ہوتی ہے چاہے وہ اس کی ہم مرتبہ ہو یا یونہی کم حیثیت کی۔
"مرد نے کبھی کیوں نہیں سوچا کہ اس کا بھی کوئی مرتبہ ہوتا

ہے‘ حیثیت ہوتی ہے‘ کوئی اعلیٰ حسب کی نشانی تو ہوتی ہوگی مردوں کی بھی؟“ وہ غیر ارادی طور پر سرونٹ کوارٹر کی طرف آ گئی۔ صدیقہ اس کی چوٹوں پر بام لگا رہی تھی۔ طلحہ منہ میں فیڈر لیے سو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر صدیقہ جلدی سے کھڑی ہوگئی۔

”وہ میں آ ہی رہی تھی۔“ وہ جلدی سے صفائی دینے لگی زرش نظر انداز کرتی رملہ کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔ وہ اس سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔

”صدیقہ جوس لے کر آؤ۔“ اس نے کہا تو صدیقہ باہر نکل گئی۔ کچھ کہنے نہ کہنے کی کوشش میں اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا تھا۔ آنکھوں میں در آنے والی نمی کو اس نے پلکیں جھکا کر چھپایا۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کتنا کچھ کہنے کی حسرت کے باوجود لفظ گونگے ہو جاتے ہیں۔

”تم نے کیوں کی اس فیوڈل سے شادی؟“ زرش نے سوال کیا۔ ”کیا تم دولت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی تھیں؟“

”کون سی دولت؟“ وہ ہنس دی۔ ”اگر سرونٹ کوارٹر کا یہ تنگ سیلن زدہ کمرہ دولت ہے تو پھر آپ امیر لوگ غربت کسے کہتے ہیں؟“ وہ سوالیہ ہوئی۔

”میں ایک سچ پر جان دینے والے باپ کی بیٹی ہوں...... مجھے نہیں پتا اس شخص نے میرے باپ سے کیا کہا کہ وہ آسمان میں پیوند لگانے کو تیار ہوگیا۔ مجھے تو ایک شام دلہن کا جوڑا دے کر بتایا گیا تھا کہ میرا نکاح ہو رہا ہے‘ ایک بہت پاور فل شخصیت سے۔ پلکوں پہ بٹھا کر رکھے گا...... مجھے اس عیش کی جھلکیاں دکھائی گئیں جو مجھے مستقبل میں اس شخص کی رفاقت سے ملنے والی تھیں۔ میں نے خاموشی سے نکاح کا جوڑا پہنا اور ایک ان دیکھے شخص سے بندھن باندھ لیا‘ اپنے شوہر کا مرتبہ اور حیثیت تو مجھے بعد میں پتا چلی اور تب میں نے خود کو بہت کم تر پایا‘ میرے شوہر نے نئی نویلی دلہنوں والے میرے سارے نخرے اٹھائے‘ مجھے الگ فلیٹ لے کر دیا‘ ساری آسائشات مجھے دیں لیکن تب تک جب تک میں اکیلی رہی‘ جس دن اسے پتا چلا کہ میں اس کی اولاد کو جنم دینے والی ہوں اس کا رویہ بدل گیا۔ وہ اس بچے کو دنیا میں لانے کے حق میں نہیں تھا‘ وہ چاہتا تھا میں اس سے پیچھا چھڑا لوں......“ اس نے سوئے طلحہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”بچے کو کیا پتا اس کے باپ کا کیا مرتبہ اور حیثیت ہے وہ اس کی آمد کو دنیا میں قبول کرنا افورڈ بھی کرتا ہے کہ نہیں...... یہ شادی کیوں کی انہوں نے‘ مجھے آج تک سمجھ میں نہیں آئی۔ بالکل اسی طرح مجھے تب بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ بچے کی آمد کا سن کر انہوں نے فلیٹ پر آنا رفتہ رفتہ کم کیوں کیا؟ ایک ہی دفع کیوں نہیں چھوڑا...... میں شاید یہاں نہ آتی‘ کبھی اپنا حق نہ مانتی اگر میرے پاس رہنے کو کوئی ٹھکانہ ہوتا‘ کرائے کا مکان ابا کے مرنے کی ساتھ ہی خالی کر دیا گیا تھا۔ میرے پاس کوئی رشتہ بچا ہی نہیں تھا۔ میں نے ان سے رابطہ کیا...... یہ میرا فون بھی نہیں اٹھاتے تھے۔ میں نے میسج بھی کیے لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے پاس موجود راشن ختم ہوگیا...... جن ملازموں کو انہوں نے رکھا تھا وہ ایک ایک کر کے غائب ہوگئے تھے۔ مالک مکان نے پہلے اصرار کیا پھر دھمکیوں پر اتر آیا۔ میں کہاں جاتی؟ ابا کے ایک کولیگ تھے‘ میرے اور حذیفہ کے نکاح کے گواہ بھی...... ایک روز مجھ سے ملنے آئے تو میرا حال دیکھ کر رہ نہ سکے‘ انہوں نے مجھے حذیفہ کی حیثیت کا بتایا اور یہ کہ صرف ایک ہی صورت میں مجھے بہو تسلیم کیا جائے گا اور وہ ہی طریقہ تھا جو میں نے اپنایا...... لیکن اب مجھے سمجھ آ رہی ہے حذیفہ نے مجھ سے شادی کس مقصد کے لیے کی تھی۔“ اس کی آواز بھرا گئی۔

”کس...... کس لیے؟“ زرش نے جلدی سے پوچھا۔

”اپنی سائیڈ سیف کرنے کے لیے‘ خود کو بچانے کے لیے اور......“ وہ بولتے ہوئے یک دم رکی‘ زرش ہمہ تن گوش تھی۔ وہ تو اس کا کہا ایک ایک جملہ غور سے سنتی اور پھر اپنی مرضی کی بات نکال لیا کرتی تھی کہ شاید کوئی سرا اس کے ہاتھ لگ جائے۔

”میں ایک جرنلسٹ کی بیٹی ہوں۔“ وہ دھیرے سے بولی اور بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

”رملہ......؟“ زرش نے آہستہ سے پکارا۔ ”تم میرے ساتھ شیئر کر سکتی ہو۔“ زرش نے اپنا ہاتھ اس کے بازو پر رکھا۔

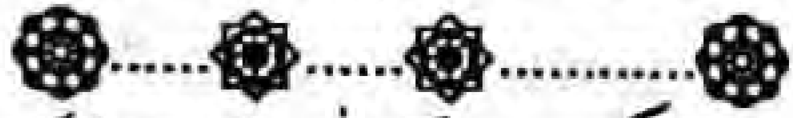
”مرنے سے پہلے سب شیئر کر کے جاؤں گی۔“ وہ ذرا سا مسکرائی تو زرش کے دل کو کچھ ہوا۔

”ایسا مت سوچو۔“ اس نے تسلی دی‘ رملہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زرش چلی گئی‘ رملہ جان گئی تھی اگر حذیفہ یہ جان گیا ہے کہ وہ کہیں گئی تھی تو چند دنوں میں وہ یہ بھی جان لے گا کہ کہاں گئی تھی اور کیوں گئی تھی؟ اور اس کے جاننے سے پہلے اسے کچھ کرنا تھا۔



”میں یہ کام چھوڑ رہا ہوں۔“ اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا تو فاطمہ نے آٹا گوندھتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور

ٹھنڈی آہ بھر کر دوبارہ آٹا گوندھنے لگی۔
"مہ جبین کو طلاق دے دوں؟" اس نے پوچھا۔
"مرضی ہے تیری...... مجھے لگتا نہیں وہ واپس آئے گی' گھر بسانے والی عورتوں کے یہ چلتر نہیں ہوتے۔ اس کی زبان پر جو نا پہلے دن سے ہے وہ اس پر قائم ہے۔" فاطمہ کے اندازے درست تھے۔
"کوئی بات سننے کو تیار نہیں وہ' اماں یہ شہزادیاں کیسی ہوتی ہیں؟" اس کے بے سروپا سوال پر فاطمہ نے پھر سے اسے دیکھا۔
"تجھے کیا لینا شہزادیوں سے؟"
"نہیں...... لینا کچھ نہیں...... بس یونہی دل کیا تجھ سے پوچھوں؟ آج ایک بندہ آیا تھا میرے پاس' میرا نام پتا پوچھنے لگا۔" اس نے اگلی بات شروع کی۔
"ہیں......! کیوں......؟" فاطمہ کا دل لرزا اور زرد پڑ گئی۔
"کون تھا؟" اس نے آٹا گوندھنا چھوڑا اور اس کے پاس آ گئی۔
"تو نے کچھ بتایا تو نہیں اپنے بارے میں؟" اس کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے۔ "عبدالحسیب' دہشت گرد' گولیاں تڑاخ تڑاخ...... خون ہی خون......"
"چل اٹھ...... چل' چلیں یہاں سے' ہمیں یہاں نہیں رہنا' کہیں اور چلتے ہیں' کسی اور جگہ چھپ جاتے ہیں' مم...... میں تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتی...... تمہیں اٹھ اٹھ جا۔" وہ باؤلی ہوگئی۔ کمرے کا دروازہ بند کیا اور بتی بجھا دی۔
"حوصلہ کر اماں۔" کھڑکی کی سلاخوں سے اندر آتی صحن کی ہلکی سی روشنی میں بھی وہ ماں کا پریشان چہرہ پڑھ سکتا تھا۔ دل تو اس کا بھی ڈر گیا تھا۔ جب وہ آدمی خاموشی سے اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا' حلیے سے وہ پولیس والا نہیں لگتا تھا لیکن جس دبنگ لہجے میں اس نے اس کا نام دریافت کیا تھا اور اس کا حدود اربعہ جاننے کی کوشش کی تھی' کوئی عام بات نہیں تھی۔ فاطمہ کی پریشانی بجا تھی۔
"کہاں جائیں گے؟" اس نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔
"کہیں بھی' کہیں بھی' جہاں بہت سارے لوگ ہوں اور ہم ان میں چھپ جائیں نظر نہ آئیں۔" اس نے بھلے اس آدمی کو اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن جو اس تک پہنچ گیا تھا وہ یقیناً گھر بھی پہنچ سکتا تھا۔
وہ رات ایک بار پھر آنکھوں میں کٹی اور اگلی صبح وہ ضرورت کے چند سامان کے ساتھ اس گھر سے نکل گئے تھے' ہمیشہ کے لیے۔ انہیں کسی پُر ہجوم جگہ جانا تھا جہاں وہ الگ سے نہ دکھیں' کوئی ان کو پہچان نہ پائے۔ کوئی جان نہ پائے کہ وہ پولیس مقابلے میں مارے جانے والے ایک بے گناہ مجرم کے کچھ لگتے ہیں۔ نیا شہر' نئے لوگ' نئی آب و ہوا' پتا نہیں یہ شہر انہیں پناہ دیتا بھی یا نہیں۔ ریلوے اسٹیشن کا پھاٹک عبور کرتے ہوئے دونوں ایک ہی بات سوچ رہے تھے۔
رات انہوں نے مسافر خانے میں بتائی اور صبح ہوتے ہی عبدالحسیب نے اسٹیشن کے باہر ہی اپنی دکان سجالی تھی۔ وہ دکان جو ایک بکسے میں بند تھی۔ اگرچہ وہ یہ کام چھوڑنا چاہتا تھا لیکن فی الوقت روزی کمانے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں تھا۔



اس نے مندی آنکھوں سے کمرے کے ماحول کو جانچنے کی کوشش کی' وہ کہاں تھی اسے فوراً یاد آ گیا۔ باہر گھوڑوں کے ہنہناہٹ کی آوازیں اس پہچان میں معاون ثابت ہوئی تھیں۔ اسے یہاں آنا نہیں تھا لیکن آ گئی تھی۔ مالٹے کے باغوں سے گھوڑوں کا فارم ہرگز دلنشین نہیں تھا لیکن وہ وہاں سے راتوں رات واپس آئی تھی' بالکل ایسے ہی جیسے اس شخص کو بچانے کے لیے اس نے جرار کا انتخاب کیا تھا۔ انتخاب یا والدین کے انتخاب پر سر جھکا دیا تھا۔
اس نے کبھی دعا نہیں کی تھی کہ وہ شخص اسے دوبارہ دکھے اور وہ دکھ بھی کیسے سکتا تھا؟ اسے تو مار دیا گیا تھا غدار ہونے کے جرم میں...... دہشت گردی کے الزام میں۔ وہ تو اس دنیا میں تھا ہی نہیں۔
نہیں تھا تو اس سے مماثلت کیوں تھی؟ مشابہت بھی کیوں تھی آخر؟ اور مشابہتیں کتنا تنگ کرتی ہیں۔ کبھی اس جیسا نام سن کر رک جانا۔ کبھی خوشبو' کبھی آواز' پیروں میں زنجیر بنی کبھی لب ولہجہ' کبھی ہنسی' کبھی لباس لیکن وہ کب پا یہ زنجیر ہوتی تھی۔ اس نے سیکھا ہی کب تھا پا یہ زنجیر ہونا' کسی کے ساتھ تعلق باندھ لینا' تعلق بھی وہ جو دل کی ساری رگوں سے خوف کھینچ لے' آنکھوں سے بینائی اور قوت گویائی چھین لے۔ جو آسمان کو چھت کرے اور پیروں تلے زمین کھینچ لے' ایسا ہی ہوتا ہے ناں محبت کا تعلق۔
دکھ کے لے پہ دھیرے دھیرے رقص کرواتا۔
مرتی آنکھوں میں تصویروں کا عکس چھپاتا۔
کبھی اس جیسا بن کر اسی میں مٹ جانے کا عزم اور کبھی

اس کو بھی اپنے جیسا کر لینے کا جنون۔ ہانیہ محبت تو کرتی تھی لیکن اس محبت کو تسلیم کرتے ہوئے ہچکچاتی تھی اور جرار کو ناپسند کرنے کے باوجود وہ اس کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔ بقول مام۔

"ان کے طبقے میں زندگی ایسی ہی ہوتی ہے اپنی زندگی جیو اور دوسروں کو جینے دو اور گھوڑوں سے محبت کرنے والے جرار ابتسام کی زندگی میں وہ بھی ایک گھوڑی کی طرح تھی۔ منہ زور گھوڑی جسے پچھاڑ کر وہ لگام ڈال چکا تھا۔ گھوڑا یا تو ریس کے کام آتا ہے یا بار برداری کے اور جو گھوڑا یہ دونوں کام نہ کر سکے اسے گولی مار دو۔ یہ جرار کا فارمولا تھا اور بے شک یہ جرار کا ہی فارمولا ہوسکتا تھا دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"گڈ مارننگ میڈم۔" اس کے "یس" کہنے پر ملازم اندر آیا تھا۔ "آپ جوس لیں گی یا ٹی؟" اس نے پوچھا۔ اس نے وقت دیکھا شام کے چھ بج رہے تھے۔ وہ سارا دن سوتی رہی تھی؟ اس نے حیرت سے سوچا۔

"لان میں لگائیے چائے۔" اس نے کہا۔

ملازم سر جھکاتا واپس پلٹ گیا۔ اس نے اٹھ کر پردے ہٹائے آسمان کے اندھیرا اوڑھنے میں کچھ ہی وقت تھا۔ وسیع وعریض میدان میں گھوڑے قطار در قطار کھڑے تھے۔ ذرا دور کھڑا اسے جرار بھی نظر آ گیا۔ کچھ لوگ جانوروں میں رہ رہ کر جانوروں جیسے ہی ہوجاتے ہیں۔ وہ پلٹ گئی۔ فریش ہوکر جب وہ باہر آئی تو لان میں چائے اور لوازمات موجود تھے۔ اسے بھوک محسوس ہورہی تھی۔

"صاحب چائے نہیں پئیں گے؟" اس نے بنا دیکھے سوال کیا۔

"صاحب اس وقت جوس لیتے ہیں۔ کسی چیز کی ضرورت ہوتو یہ بٹن دبا دیجیے گا۔" وہ میز پہ لگے ایک ننھے سے بٹن کی طرف اشارہ کرتا اندر چلا گیا۔

بڑی پُرتکلف چائے تھی جرار ابھی تک اصطبل میں ہی تھا۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھی رہی پھر ٹی وی لاؤنج میں آ گئی اور اسے یہ دیکھ کر حیرت کا جھٹکا لگا جرار وہاں پہلے سے ہی موجود تھا۔ جوس کے ہلکے ہلکے سپ لیتا وہ بڑے انہماک سے نیشنل جیوگرافک چینل دیکھ رہا تھا۔ اسکرین پر گھوڑے نظر آ رہے تھے۔ مختلف اقسام کے اور وہ اس قدر دلچسپی سے ساری معلومات سن رہا تھا کہ ساتھ آ کر بیٹھی ہانیہ کا وجود اس نے محسوس ہی نہیں کیا۔ اس نے اس سوچ کو اپنے دماغ میں آنے نہیں دیا کہ اندر بیٹھ کر جوس پیا جارہا تھا باہر آ کر اس کے ساتھ بیٹھ کر پینے میں کیا عزر مانع تھا؟

"او مائی گاڈ۔" اچانک ہی وہ بولا اور ایک نگاہ غلط اس پر بھی ڈالی۔

"سب سے خوب صورت گھوڑا۔" وہ اشتیاق کی آخری حدوں پر تھا۔ ہانیہ کی نظریں بھی اسکرین پر جارکیں۔ سفید رنگ کا عربی النسل گھوڑا تھا شاید۔

"تمہیں پتا ہے یہ دنیا کا سب سے کمیاب نسل گھوڑا ہے۔" وہ ہانیہ کو معلومات دینے لگا (کمیاب ہو یا نایاب اسے کیا اصطبل کھولنا ہے؟) وہ اپنے سیل فون پر جھک گئی۔

"گولڈن ہارس کہتے ہیں اسے اس کی اسکن اتنی نرم اور چمک دار ہوتی ہے کہ دور سے ہی اس کے اعلیٰ نسل ہونے کا پتا چل جاتا ہے اور یہ زیادہ تر ترکمانستان میں پایا جاتا ہے۔ بہت کم تعداد میں دستیاب ہے یہ نسل زیادہ سے زیادہ چھ ہزار اور کم سے کم بارہ تیرہ سو۔ بس اس کی کمی ہے میری کلیکشن میں۔" لہجے میں افسوس کا تاثر در آیا تھا۔ ہانیہ کا فون بجنے لگا تو جرار کی گھوڑا کہانی کو لگام پڑا۔ نامعلوم نمبر تھا۔ پہلے تو سوچا کال کاٹ دے پھر کچھ سوچ کر ریسیو کرلیا۔ دوسری طرف رملہ تھی۔

"شکر ہے آپ نے اٹھالیا۔" ادھر سے اطمینان کا اظہار کیا گیا۔

"کہیے خیریت ہے؟" ہانیہ وہاں سے اٹھ گئی۔

"جی، مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنا تھی۔"

"کیا ضروری بات؟" ہانیہ نے بھنویں چڑھائیں۔

"میں کچھ چیزیں آپ کو واٹس ایپ کرتی ہوں لیکن ایک وعدہ کریں مجھ سے جب تک میں نہ کہوں آپ اس کے بارے میں کچھ نہیں بولیں گی۔ ہوسکتا ہے میں آپ کو...... کچھ چیزیں بھیجوں میری پرسنل چیزیں ہیں اور......"

"ایک منٹ ایک منٹ۔" ہانیہ نے اس کی بات کاٹی۔ "پرسنل چیزیں آپ مجھے کیوں سینڈ کررہی ہیں؟ میرا آپ سے ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"جی میں جانتی ہوں اسی لیے یہ چیزیں امانتاً آپ کے پاس رکھوا رہی ہوں۔ میرے پاپا کے قتل کے پروف ہیں میں انہیں اپنے پاس محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ پلیز کچھ دن صرف......" وہ ملتجی ہوئی۔

"اوکے مگر میں زیادہ دن اس کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتی۔" اس کا لہجہ دو ٹوک ہوا۔ ذہن تیزی سے چلنے لگا۔ اپنے

باپ کے قتل کے پروف وہ اس کے پاس ہی کیوں رکھوا رہی تھی؟ اس نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کیا تو واٹس ایپ پر میسج آ گیا۔ اس نے دیکھنے کی کوشش نہیں کی جب امانت ہے تو پھر امانت ہی ہے۔ واپس لاؤنج میں آنے کی بجائے وہ کمرے کی طرف آ گئی۔ جہاں وہ سوئی تھی جرار پتا نہیں کہاں تھا اور رات کے کھانے کا بھی کچھ آتا پتا نہیں تھا وہ ٹی وی آن کر کے بیڈ پر لیٹ گئی۔

اس نے ٹی وی دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔ جب سے اس نے اس دشمن کے مرنے کی خبر ٹی وی پر دیکھی تھی۔ وہ چینلز سرچ کرنے لگی بوریت سی بوریت تھی۔ کھانا لگنے کی اطلاع پر وہ باہر آئی تو جرار کو وہاں موجود پایا وہ خاموشی سے میز کی طرف آ گئی۔ طرح طرح کے لوازمات موجود تھے۔ جرار کی آواز کانوں میں پڑ رہی تھی۔ گھوڑوں پر سیر حاصل گفتگو ہو رہی تھی۔ گھوڑے کی نسل گھوڑے کی جلد دم کی ساخت آنکھیں ایال اسے لگا اگر وہ دو دن بھی اور یہاں رک گئی تو اس کی بھی ایک دم نکل آئے گی اور وہ بھی مہنگی نسل کی گھوڑی قرار دے دی جائے گی۔

پلیٹ میں سلاد اور تھوڑے چاول نکال کر اس نے ایک بار پھر جرار کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر کھانے لگی اسے ضرورت ہی نہیں تھی ایک ایسے شخص کا انتظار کرنے کی جس کے لیے اس کا ہونا نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ جتنی بے زار وہ ہنی مون سے واپس آئی تھی اس سے کہیں زیادہ کوفت کا شکار وہ اب ہو رہی تھی۔ وہ آخری لقموں پہ تھی جب جرار میز پر آیا ایک نگاہ غلط اس کی پلیٹ پر ڈالی اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ ملازم آ کر کھانا سرو کرنے لگا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔

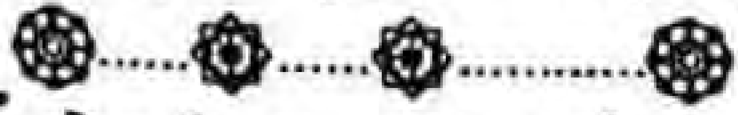
"آپ جانا چاہیں تو جا سکتی ہیں۔" اس نے اس کی مشکل آسان کی اور وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ اپنی مرضی کی زندگی گزارنے میں آزاد ہیں۔" وہ پھر بولا (یہ کہنے کی ضرورت تو نہیں تھی)

"میں ہرگز ہرگز روایتی شوہر نہیں ہوں۔" (بننا بھی مت) وہ ایک طنزیہ نظر اس پر ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ نیند آنکھوں سے دور تھی اور سوچوں کا ایک جال اس کے دماغ کو جکڑے ہوئے تھا۔

کیا اس کی ساری عمر ایسے ہی گزرنے والی ہے؟ ایک اصطبل میں۔ گھوڑوں کے بیچ ایک ایسے شخص کے ساتھ جو سوائے گھوڑوں کے اور کسی چیز میں دلچسپی ہی نہیں لیتا لیکن اگلے چند دنوں میں اس کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو گئی تھی جرار ابتسام

گھوڑوں کا ہی نہیں اعلیٰ نسل کی گھوڑیوں کا بھی دلدادہ تھا اور سیاعلیٰ نسل گھوڑیاں ہر ویک اینڈ پر سارے شہر سے یہاں آ کر اکٹھی ہوتی تھیں اور نہ صرف گھوڑیاں بلکہ ان کے چاہنے والے بھی۔ اس نے ایک بار پھر جرار سے واپس جانے کا کہا تھا۔



رمضان چاچا کا فون آیا تھا اس نے بتایا کہ مہ جبین گھر سے چلی گئی (باپ تھا اس لیے بھاگ جانے کا لفظ استعمال نہیں کر سکا) اس نے عبدالحسیب سے منت کی کہ وہ طلاق کے تین لفظ بول دے۔ وہ جہاں چاہے جس کے ساتھ چاہے نکاح کر کے رہے۔ فاطمہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"اسے تیرے ساتھ نہیں رہنا بول دے تین حروف۔"

"بول دوں گا ماں جب سامنے آئے گی۔"

"وہ کیوں آئے گی تیرے سامنے؟" فاطمہ کو اس کی بات پر غصہ آ گیا۔ "ایسی عورت جو مرد کے ساتھ بسنا ہی نہ چاہے مرد زور زبردستی کیسے کر سکتا ہے اس پر بول دے اور جان چھڑا لے کہیں کسی دن آ گئی تو مار ڈالے گی تجھے۔" فاطمہ کو لے دے کر ایک ہی خوف لاحق ہو جاتا تھا۔

"نہیں مارے گی بے فکر رہ۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"مجھے آج کمرہ دیکھنے جانا ہے ایک گاہک سے بات کی تھی اسی نے دکھانے کا بولا ہے کب تک یوں مسافر خانوں میں سوتے رہیں گے۔" اس نے بتایا۔

"ایک بات بتا گڈے۔" فاطمہ نے یک لخت اس کا ہاتھ پکڑا اور کھوجتی نظروں سے دیکھ کر گویا ہوئی۔

"کس کی محبت میں رل رہا ہے تو؟" عبدالحسیب کا دل دھک سے رہ گیا۔

"ماں......!" اس نے تڑپ کر ہاتھ کھینچا۔

"بتا مجھے کس کے عشق میں سواہ ہوا پڑا ہے تو؟" ماؤں کی نظریں ولیوں کے جیسے ہوتی ہیں آر پار دیکھ لیتی ہیں۔

"عبدالمعیز کو تیرے نام کی گولی لگی تھی ناں؟" فاطمہ تو آج دھماکے کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

"وہ دہشت گرد اور ملک دشمن نہیں تھا۔ پھر بھی اسے داغ دار کر کے مارا گیا۔ تجھے پتا نہیں چلا؟" اس کا لہجہ کمزور پڑنے لگا۔ برسوں سے چھپائی بات آج دل میں آئی تو ایک بار پھر فاطمہ کا جسم لرز اٹھا۔

"کیسے اتنی ظالم ہو سکتی ہے موت اسے رحم نہیں آتا کسی

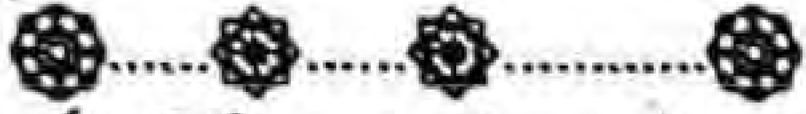
پر...... گناہ بے گناہ ہر ایک کو سمیٹ کر چلتی بنتی ہے بول بتا کس سے عشق لگایا تونے کہ سارا گھر ہی تباہ ہوگیا۔ بتاناں۔" فاطمہ کی آنکھوں میں پانی آ گیا جبکہ عبدالحسیب کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا لیکن الفاظ نہیں تھے۔ جو تھے بھی تو وقت کی سفاکی نے منجمد کردیئے تھے۔ فاطمہ اسے بولنے پر اکساتی رہی اور وہ حوصلہ کھوتا رہا اور جب اس کی ہمت جواب دے گئی تو وہ ماں سے ہاتھ چھڑا کے اٹھ گیا۔

عشق کے مزاروں پہ
جوگ لے لیا جائے
روگ ہی تو بچتا ہے
روگ کے دریچوں پر
دل رکھ دیا جائے
سوگ ہی تو بچتا ہے
عشق کے مزاروں پر
کتنے رانجھے رلتے ہیں؟
کتنی ہیریں مرتی ہیں؟
سرخ چوڑیاں پہنے
کچے گھڑوں پہ بس
سوہنیاں ہی چڑھتی ہیں
پار کب اترتی ہیں؟
روگ کے دریچوں پر
کب دیا کوئی جلتا ہے
من ہی من سلگتا ہے
عشق ہی پھر جلتا ہے
کون یاد رکھتا ہے
عشق کے مزاروں پر
کون کس کا روگی ہے؟
کون عشق کا جوگی ہے؟

اسے اعتراف تھا اس نے چاند سے محبت کی اور منہ کے بل گرا۔ وہ جان گیا تھا عبدالمعیز کو ماری جانے والی گولی اس کے نام کی تھی وہ غلط فہمی میں مارا گیا تھا کیونکہ وہ دونوں ہم شکل تھے۔ ہانیہ احمد کی محبت اسے تباہ و برباد کرگئی تھی۔ ان کا سب کچھ لٹ گیا تھا' کیسے ہوتے ہیں یہ امیر لوگ کہ غریبوں کا سکھ چین ہی لوٹ لیتے ہیں اور آج برسوں بعد اس نے اعتراف کرلیا تھا۔ وہ عشق کے مزار کا روگی تھا۔

اور جو روگی ہوتے ہیں۔

وہ تمام عمر دل لٹ جانے کا ماتم مناتے ہیں۔ وہ دکھ کو مرنے نہیں دیتے' ہر روز اسے تازہ کرتے ہیں' کئی تاویلیں دے دے کر زندہ کیے رکھتے ہیں' جیسے کہ وہ زندہ رکھے ہوئے تھا' اپنا آپ گنوا دیا تھا' مٹا دیا تھا' اپنے ماتھے پر گڈرے موچی کا لیبل تو لگا لیا تھا لیکن...... وہ جو دل تھا...... محبت کے زہر نے نیلا کردیا تھا۔



جرار ہانیہ اور عبدالحسیب کے تعلقات کی گہرائی کا اندازہ تو نہیں لگا پایا تھا لیکن جان گیا تھا' ہانیہ کا افیئر چل رہا ہے۔ جرار کی حال میں ہی تقرری ہوئی تھی' بحیثیت سی ایس پی آفیسر...... وجہ اس کا مضبوط بیک گراؤنڈ تھا اور یقیناً قابلیت بھی...... رفاقت زبیر اور جرار کے والد ابتسام رضوی کی کاروباری رفاقت کو ہمیشہ کے لیے پکا کرنے کے لیے انہوں نے رشتہ داری کا فیصلہ کیا تھا۔ رفاقت نے جرار کو ساری بات بتائی تھی اور اس نے اس بات کو سرسری لیا تھا' جیو اور جینے دو والے فارمولے کے تحت...... جرار کو کسی نہ کسی سے تو شادی کرنا ہی تھی' سو وہ ہانیہ احمد ہی ہوتی' کیا برائی تھی۔ اسے اپنی آزاد زندگی کے لیے ایسی ہی بیوی کی ضرورت تھی جو گھر اور اس پر کم ہی توجہ دے۔

جرار ایک دن ہانیہ کے ساتھ گزار کر لوٹا تو رضامندی کا عندیہ دے دیا۔ یوں یہ رشتہ تمام تر ذاتی مفادات کے پیش نظر طے پا گیا تھا۔ ہانیہ خوش نہیں بھی تھی تو ظاہر نہیں کررہی تھی۔ عبدالحسیب کی محبت اس کے مقدر میں نہیں تھی' سو شادی کسی سے بھی ہو جاتی۔ یوں دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت نہیں تھی' پھر بھی دونوں ایک ساتھ رہنے پر رضامند ہوگئے تھے۔

رفاقت زبیر نے سجاد کے ذمے جو کام لگایا تھا' اس نے پوری دیانت داری کے ساتھ اسے انجام دیا تھا۔ اگرچہ ہانیہ نے عبدالحسیب کو ہمیشہ کے لیے اللہ حافظ کہا تھا لیکن عبدالحسیب کا جرم اتنا چھوٹا نہیں تھا کہ اللہ حافظ کے ساتھ اس باب کو بند کردیا جاتا۔ ہانیہ نے یہ بات چھپائی تھی' تو آگے چل کر محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر یا کبھی بھی راز کھل جانے پر وہ پلٹ بھی سکتی تھی...... سارے خساروں کو اپنے نام کر بھی سکتی تھی' سو اس باب کو ہمیشہ کے لیے بند کردینا ہی بہتر تھا۔ عبدالحسیب نے چاند چھونے کی نہیں پانے کی تمنا کی تھی اور اس کی سزا صرف موت تھی...... صرف موت۔

جس دن عبدالحسیب پاکستان آیا' اسی دن سجاد بھی آ گیا

تھا۔وہ پل پل اس پر نظر رکھے ہوئے تھا۔وہ ساری رات رفاقت زبیر' جرار ابتسام اور سجاد نے فارم ہاؤس پر پلاننگ کرتے گزاری تھی۔ پتا لگالیا گیا تھا کہ عبدالحسیب کون ہے' کس فیملی سے تعلق رکھتا ہے' اس کا اسٹیٹس کیا ہے؟ ماردینے کی صورت میں کون پیچھے آئے گا..... آئے گا بھی یا نہیں۔

ان کی پلاننگ میں کہیں جھول نہیں تھا۔ وہ عبدالحسیب کو دہشت گرد قرار دے کر اب اس کا ان کاؤنٹر کرنے والے تھے۔ کوئی ان کو پوچھنے آنے والا نہیں تھا۔ تین بہترین دماغوں کا تیار کیا گیا فول پروف پلان۔ کوئی پیچھا کرنے والا نہیں تھا۔ ایک موچی کی کیا اوقات۔ وقت جگہ کا تعین ہوگیا' ایئر پورٹ سے گھر تک سجاد نے بڑی کامیابی سے تعاقب کیا تھا۔ تمام رات اس نے چھپر ہوٹل میں گزاری تھی جو اس محلے کے باہر چوک میں تھا اور محلے کے اندر آنے جانے کے لیے اس سے گزرنا پڑتا تھا۔ سجاد نے خود کو مسافر ظاہر کیا تھا اور کسی بھی قسم کی ٹوہ لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سہ پہر تین بجے کے قریب اسے عبدالحسیب گلی سے نکلتا دکھائی دیا تھا۔ اس نے بس ایک میسج کیا تھا جرار کے نمبر پر اور گرم چائے کا کپ پی کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

کسی کو گمان تک نہ گزرا تھا کہ یہ اجنبی کسی کی نگرانی کے لیے یہاں آیا تھا۔ معمولات اپنی ڈگر پر تھے' عبدالحسیب گلی سے نکل کر بڑی سڑک پر ہولیا تھا' اس بات سے بے خبر کہ ایک گاڑی اس کا تعاقب کررہی تھی۔ وہ جیسے ہی نسبتاً ویران جگہ پر پہنچا۔ گاڑی اس کے آگے آکر رک گئی' اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتا' اس پر فائر کھول دیا گیا تھا۔ آنکھوں میں حیرانیوں کا جہاں سمیٹے وہ اڑتا ہوا نیچے گرا' سڑک پر بھگدڑ مچ گئی لیکن جانے کہاں سے موبائل گاڑیاں شور مچاتی آگئیں اور لوگوں کو پیچھے ہٹانے لگیں' سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ کسی کو سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ آناً فاناً خبر پھیلی...... ایک دہشت گرد بھاگ رہا تھا پولیس نے گولی ماردی۔ تھوڑی دیر بعد ہی سارا میڈیا ایک دہشت گرد کے مارے جانے پر خوشی منا رہا تھا۔ جرار ابتسام کی پروموشن تو ضروری تھی سو اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ ہر طرف سے مبارک باد وصول ہورہی تھیں۔ فارم ہاؤس پر ایک بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا گیا تھا۔

یہاں تک تو وہی تھا جو وہ جانتی تھی' جو ساری دنیا جانتی تھی...... پھر باری احمد کو قتل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟ باری احمد نے یہ سب بچانے کے لیے اپنی جان کیوں ہاردی؟ کیوں رملہ کا نکاح قاتلوں سے کروادیا؟ لیکن نہیں' یہ سب تو دنیا نہیں جانتی تھی' دنیا تو بس ایک دہشت گرد کے قتل ہونے کے بارے میں جانتی تھی...... اس نے ایک بار پھر سے سب پڑھا اور اس پر حقیقت آشکار ہوتی چلی گئی۔

عبدالحسیب دہشت گرد نہیں تھا' اسے انتقاماً قتل کروایا گیا تھا تاکہ ہانیہ اور عبدالحسیب کے عشق کی داستان زبان زد عام نہ ہو تاکہ ہانیہ زبیر احمد کا عشق رفاقت زبیر کے خاندان کے لیے باعث رسوائی وندامت نہ بنے۔ وہ غدار اور دہشت گرد قرار دیے جانے کے بعد ہانیہ کی نظروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گرجائے اور ہانیہ کبھی پلٹ کر اس کی محبت کی طرف جانا بھی نہ چاہے۔

رملہ نے دوسرا لفافہ کھولا۔

"عبدالحسیب' عبدالحسیب نہیں تھا۔" پہلے جملے نے ہی رملہ کو الجھا اور چونکا دیا۔ اس نے تیزی سے نظریں دوڑائیں۔

"عبدالحسیب' عبدالحسیب نہیں تھا' وہ عبدالمعیز تھا۔ عبدالحسیب کا جڑواں بھائی...... جو عبدالحسیب کا لایا ٹریک سوٹ پہن کر باہر نکلا تھا۔ ویسا ہی ٹریک سوٹ جو عموماً عبدالحسیب وہاں پہنا کرتا تھا' سجاد نے ساری تحقیقات یقیناً کی ہوں گی لیکن وہ یہ نہ جان سکا کہ عبدالحسیب اور عبدالمعیز جڑواں بھائی تھے یا پھر یہ کہ باہر نکلنے والا عبدالمعیز بھی ہوسکتا ہے۔ اس طرف اس کا دھیان گیا ہی نہیں تھا کہ ایسا بھی کوئی سین ہوسکتا ہے۔ یہ بات سب سے پہلے جرار کو ہی پتا چلی کہ وہ عبدالحسیب کے دھوکے میں عبدالمعیز کو مار چکے ہیں لیکن اب وہ مزید کوئی ایکشن نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرکے کئی مشہور چینلز پر عبدالحسیب اور دہشت گرد کا اتنا ڈھنڈورا پیٹا کہ لوگوں کو یقین آگیا سانپ مرگیا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی تھی۔ جن دنوں یہ خبر ہر چینل پر دھوم مچا رہی تھی' باری احمد اندر کی معلومات لینے میں مصروف تھا اور یہ ساری باتیں اسے لوگوں سے ہی معلوم ہوئی تھیں۔ عبدالحسیب کی بجائے عبدالمعیز کا شکار کوئی معمولی بات نہیں تھی اور اس پر یہ کہ اسے جھوٹے الزام میں گولیوں کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ باری احمد نے مکمل تفتیش کا فیصلہ کیا اور جو حقائق سامنے آئے اس نے ہوش اڑا کے رکھ دیے تھے۔

رفاقت زبیر نے سجاد کو غفلت کی سزا کے طور پر موت کے گھاٹ اتروادیا تھا اور اس سے پہلے کہ باری احمد یہ ثبوت میڈیا کو دیتا' اسے گھر سے اٹھوالیا گیا اور اسے پریشرائز کیا گیا کہ وہ اپنی

بیٹی کی شادی حذیفہ سے کروادے ورنہ اس کے ساتھ اس کی بیٹی کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ باری احمد نے کچھ سوچ کر حذیفہ سے رملہ کا نکاح پڑھوا دیا اور خود تندہی سے ان کے خلاف ثبوت اکھٹے کرنے لگا۔ حذیفہ نے رملہ پر اپنی محبتیں یوں لٹائیں کہ اس کے ذہن سے اچانک شادی والا ملال ہی محو ہوگیا۔ باری ڈھونڈتا ہوا عبدالحسیب کے گھر پہنچ گیا لیکن اب وہاں ایک بوڑھی عورت اور عبدالحسیب کے نوحوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اسی نے عبدالحسیب کو بتایا کہ اس کا بھائی اس کے نام کی گولی کھا گیا۔ رفاقت زبیر کا اصلی چہرہ دکھایا' رفاقت زبیر نے حذیفہ اور رملہ کی شادی اس لیے کروائی تھی کہ باری احمد خاموش ہوکر بیٹھ رہے گا اور اس معاملے میں ٹانگ لڑانے کی کوشش بھی نہیں کرے گا' وہ چاہ کر بھی ان کے خلاف کچھ نہیں کرسکے گا لیکن یہ ان کی خام خیالی ثابت ہوئی تھی باری نے نہ صرف عبدالحسیب کی بے گناہی کے ثبوت اکھٹے کیے تھے بلکہ اپنے ذرائع استعمال کرکے وڈیوز اور خفیہ ٹیپس بھی نکلوائی تھیں اور عنقریب وہ انہیں منظر عام پر لانے والا تھا کہ رفاقت زبیر کو خبر ہوگئی۔

انہوں نے گھر دفتر ہر جگہ خفیہ بندے بھیجے کہ باری کو اٹھا لیں لیکن باری روپوش ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو سب کچھ بتادیا تھا کہ کبھی بھی کہیں بھی ایک اندھی گولی اس کی زندگی کا خاتمہ کرسکتی ہے لیکن وہ مرنے سے پہلے ان سب کے چہرے بے نقاب کرنا چاہتا تھا۔ بے گناہ عبدالمعز کے چہرے سے کالک دھونا چاہتا تھا لیکن وقت نے اسے مہلت نہیں دی' رفاقت زبیر کے غنڈے کتے کی طرح اس کے خون کی بو سونگھتے پھر رہے تھے اور ایک روز جب وہ ان وڈیوز کی کاپیاں نکلوا کے آرہا تھا' رفاقت کے آدمیوں نے اس پر حملہ کردیا' وہ جان بچانے کے لیے سامنے والی بلڈنگ کی طرف بھاگا' بلڈنگ بھاری جوتوں کی دھمک سے گونج اٹھی۔ باری کو یقین ہوگیا کہ وہ ان سے نہیں بچ پائے گا' اس نے جلدی سے اپنے بیٹے کا نمبر ملایا لیکن تب تک وہ اس کے سر پر پہنچ گئے تھے۔ باری کے پاس ایک ہی لمحہ تھا اس نے بظاہر نیچے بیٹھتے ہوئے لفافہ بند دروازے کے نیچے سے اندر کی طرف دھکیل دیا تھا' اسی وقت فائر ہوا تھا اور اٹھنے کی کوشش کرتا باری لڑکھڑایا تھا اور دوبارہ سے زمین بوس ہوگیا تھا' گولی اس کے دل میں اتر گئی تھی۔

رملہ کے لبوں سے آہ نکلی اور وہ سسکیاں لیتے ہوئے اونچی آواز میں رونے لگی تھی۔

❁.........❁.........❁.........❁

ہانیہ احمد کے سامنے سب کچھ بکھرا پڑا تھا۔ دوپہر میں ہی رملہ کا میسج آیا تھا کہ وہ تمام چیزیں جو اس نے بھیجیں ان کو کھول لے اور میسجز پڑھ لے اور اب وہ بے یقینی کی کیفیت میں بیٹھی تھی۔ ان سب میں کہیں کوئی شک نہیں تھا۔ کچھ غلط نہیں تھا اگر لکھا غلط ہوسکتا تھا تو وڈیو جھوٹ نہیں تھی' جس میں عبدالحسیب کے قتل کا پلان بناتے رفاقت زبیر اور جرار ابتسام واضح نظر آرہے تھے۔ وہ فون کالز جو وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کو کی گئیں ان میں بھی بلاشبہ رفاقت زبیر اور جرار کی آوازیں تھیں اور سب سے زیادہ کالز سجاد کی تھیں' یہ ریکارڈنگز بلاشبہ جرار اور رفاقت نے اپنی اپنی سیفٹی کے لیے کی ہوں گی تاکہ کبھی خود کو بچانے کا مرحلہ آئے تو ثبوت پاس ہوں' رملہ کے باپ کے ہاتھ یہ سب ثبوت کیسے لگے تھے یہ وہی جانتے تھے' لیکن اب ہانیہ بیٹھی سوچ رہی تھی۔ کچھ باتوں پر پردہ ہی پڑا رہنے دینا چاہیے بھرم رہ جاتا ہے۔

ڈیڈ نے وہی کیا تھا جو اسے توقع تھی' جس کا اسے ڈر تھا' خوف تھا اور سجاد نے بھی اپنا فرض نبھایا تھا' وہ ڈیڈ کا نمک خوار تھا۔ کیسے ان کے کہنے پر ان کے ساتھ نہ چل پڑتا۔

عبدالحسیب کی جگہ عبدالمعز مارا گیا' عبدالحسیب کا کوئی جڑواں بھائی بھی تھا یہ بھی عبدالحسیب نے نہیں بتایا تھا' عبدالحسیب نے تو یہ تک نہیں بتایا تھا کہ وہ موچی کا بیٹا ہے۔ لوگوں کے ہاتھ نہیں کانپتے کسی جیتے جاگتے وجود کو یوں موت کے سپرد کرتے' دل کہاں جا سوتا ہے..... ایسے لوگوں کا؟ اس کا جی چاہا' دھاڑیں مار مار کر روئے دولت' حشمت' کرسی' جاگیر انسان سے بڑھ کر ہوتا کیا؟ ڈیڈ اور اس شخص نے...... جو کھیل کھیلا..... اس کے عوض اسے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ اس نے ساری رات جاگ کر سوچا تھا۔

اس نے صبح اٹھ کر رملہ سے بات کرنے کا سوچا لیکن اس کی نوبت نہیں آئی تھی' صبح اٹھتے ہی جو دل دہلا دینے والی خبر آئی تھی اس کے مطابق اس نے خودکشی کرلی تھی۔ پہلی میسر فلائٹ سے وہ ملتان روانہ ہوئی' وہ جانتی تھی بڑی دھوم دھام سے جنازہ اٹھایا جائے گا' میڈیا کوریج ہوگی اور خودکشی کو کیا نام دیا جائے گا؟ یہ یقیناً سوچ لیا گیا ہوگا..... جرار وہاں پہلے سے موجود تھا' وہ حیران نہیں ہوئی کیونکہ ضرور وہ رملہ کی خودکشی کی خبر سن لینے والا پہلا شخص ہوگا اور معاملہ سنبھالنے کی غرض سے رات ہی پہنچ گیا ہوگا۔ ایئرپورٹ سے گھر تک کے راستے میں اس کا دماغ مختلف

سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ عبدالحسیب کو پانے کی خواہش کرے گی' وہ سب جانتی تھی اس لیے اپنے قدم مقرر کردہ حد سے بڑھنے نہیں دیے تھے۔ محبت پہ اس کا بس نہیں تھا...... ورنہ وہ دل کو بھی اس کی اوقات میں رکھتی لیکن اس کے گھر والوں نے کچھ نہیں سوچا۔

سفید لباس میں اسے اپنے گھر کے مرد دور سے ہی نظر آ گئے تھے۔ ڈرائیور نے گاڑی ایک طرف کھڑی کی تو وہ تیزی سے نیچے اتری...... حذیفہ اور ڈیڈ اسے دیکھ کر اس کی طرف بڑھے لیکن وہ انہیں مکمل نظر انداز کرتی اندر چلی گئی' ماتمی ماحول میں سوگوار چہرے' اس نے نظریں دوڑائیں تو کچھ فاصلے پر اسے زرش' صبوحی اور مام بیٹھی نظر آ گئیں...... وہ سیدھی میت کے پاس آئی' کفن میں لپٹا رملہ کا چہرہ دیکھ کر اس کا دل کیا پھوٹ پھوٹ کر رو دے لیکن پھوٹ پھوٹ کر رونا ان کی کلاس کے منافی تھا...... وہ وہیں بیٹھ گئی۔ مام کو اس کا رویہ ناگوار لگا لیکن انہوں نے ظاہر نہیں کیا۔

''تین دن سے ہاسپٹل میں تھی۔'' کوئی کہہ رہا تھا' اس نے سر نہیں اٹھایا۔ سر جھکائے بہت کچھ سننے کو مل جاتا تھا۔ ''فوڈ پوائزننگ ہو گیا تھا۔'' ہانیہ کا دل ہنسا۔

انہی کے گھر سے کسی نے صبح بتایا تھا کہ رملہ نے خودکشی کرلی۔ کسی ملازمہ نے شاید...... وہ یاد کرنے لگی' کس کی آواز تھی؟

''پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق رملہ کی موت فوڈ پوائزننگ کی وجہ سے ہوئی ہے۔'' زرش نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے سرگوشی کی۔

فوڈ پوائزننگ' غداری' دہشت گردی' شرابی' زانی' یہ قرار دینا آپ کے اختیار میں ہے۔ ایک تصویر لگواؤ' ایک بیان دلواؤ' کوئی دشمن ہے' کوئی آپ کے کام کا نہیں' آپ کے برابر آنے کی خواہش کی' مار ڈالو' غدار بنا دو' بدکردار ثابت کردو...... پیسہ' پیسہ' پیسہ کچھ نہیں انسان' انسان کی اوقات چند ٹکوں پہ بکتا سب کچھ بڑے بڑے دین دار مرتد ثابت اور اول درجے کا کمینہ پاجی مذہب کا ٹھیکے دار' جو مرضی کر لو کسی کے ساتھ' کوئی پوچھنے نہیں آئے گا اگر آپ صاحب حیثیت ہو' زندہ رہنے کے لیے' جینے کے لیے صرف اور صرف صاحب حیثیت ہونا ضروری۔ ہوا' خوراک' پانی تو ثانوی چیزیں ہیں آپ خرید لو گے۔ وہ نہیں جانتی تھی کب اس کا دامن آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا۔ جنازہ اٹھا نہ کسی نے آہ و بکا کی' مذہب میں کہاں اجازت آنسو بہانے کی' آہ و بکا کی' سیڈ میک اپ (اداس) کے پیچھے چھپے چہرے آنکھوں میں آئی نادیدہ نمی ٹشو پیپرز سے صاف کرتے رہے۔

''یتیم بچی تھی' ہماری بچی تھی۔'' کیمرے کے سامنے دیے گئے مام اور ڈیڈ کے دکھی بیانات۔

''انسانیت ابھی مری نہیں۔'' ڈزن ڈزن...... بریکنگ نیوز' مام اور ڈیڈ کی روتی تصویریں...... یوں لگ رہا تھا رملہ نہیں مری قوم کی کوئی اہم شخصیت مر گئی' سیاست' سیاست۔

ہانیہ کے اندر ایک لاوا پک رہا تھا۔ ان سب کے جھوٹے چہرے' مکاریاں' اس کا دل چاہ رہا تھا وہ سب کو بے نقاب کر کے رکھ دے۔

رفاقت زبیر نے شاندار کھانا دیا تھا۔ لنچ پاکسز تیار کروا کر سڑکوں سڑکوں پھرنے والے بھکاریوں میں تقسیم کیے تھے' مرنے والی آخر ان کی بہو تھی۔ کیا تھا جو انہوں نے اسے اس کی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ یہ تو دل کی باتیں ہیں' اور آج کل کون دل تک پہنچتا ہے؟ سکوں کی جھنکار میں بہت سارے سچ چھپ جاتے ہیں۔ بہت ساری غلاظتیں ڈھل جاتی ہیں۔ جرار جیسے اسے بتائے بنا آیا تھا ویسے ہی خاموشی سے واپس چلا گیا تھا۔ اس کا ارادہ ویسے بھی فی الحال جانے کا نہیں تھا۔ وہ کچھ وقت تنہا اپنے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔ وہ سوچنا چاہتی تھی' اپنے آپ کو پرکھنا چاہتی تھی۔

طلحہ کو زرش لے گئی تھی۔ جس پر حذیفہ چیخ رہا تھا۔

''میرے بیڈروم کو چڑیا گھر بنانے کی ضرورت نہیں اسے چھوڑ کر آؤ سرونٹ روم میں' ملازمائیں سنبھال لیں گی۔'' زرش اسے فیڈر پلا رہی تھی' ایک نظر اس بے حس پر ڈالی اور طلحہ کو کندھے سے لگا کر تھپکنے لگی۔

''میں نے کچھ کہا ہے تم سے؟'' وہ اس کے نظر انداز کرنے پر تپا۔

''ہم یہیں رہیں گے آپ کہیں اور شفٹ ہونا چاہتے ہیں تو ہو جائیں۔'' زرش کے اطمینان کے مظاہرے پر حذیفہ پاؤں پٹختا باہر نکلا اور ٹیرس پر جھکی ہانیہ کے پاس آ رکا۔

''تم نہیں گئی جرار کے ساتھ؟'' ہانیہ نے مڑ کر دیکھا وہ جھنجلایا ہوا لگ رہا تھا۔

''نہیں۔'' وہ ہلکے سے مسکرائی۔ ''میں ایک کیس حل کرنے کی کوشش میں ہوں' رملہ بھابی نے خودکشی کی یا انہیں قتل کیا

گیا؟" حذیفہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ ہانیہ کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ حذیفہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"کیا بکواس کر رہی ہو اسے کون قتل کرے گا اور کیوں؟" اس کے لہجے میں کرختگی آ گئی۔

"یہی تو میں سوچ رہی ہوں کہ اگر وہ قتل ہوئی ہے تو اسے کون قتل کرسکتا ہے اور کیوں؟" وہ دوبارہ ریلنگ پر جھک گئی۔ حذیفہ کچھ ثانیے خاموشی سے کھڑا رہا۔

"فضول میں اپنا دماغ مت کھپاؤ اور جا کر سو جاؤ اور اگر نیند نہیں آ رہی تو فلائٹ پکڑو اور اپنے گھر سدھارو۔" وہ کہتا دوسری طرف پلٹ گیا' کمرے سے طلحہ کے رونے کی آواز آنے لگی تو وہ اندر آ گئی۔

"آپ کو مشکل ہو رہی ہے تو صدیقہ کو دے دیجیے۔" اس نے زرش سے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ماں کے بغیر پہلی رات ہے' روئے گا تو سہی' گود چھن گئی ہے ناں۔" وہ اسے لے کر کھڑی ہوگئی اور چل پھر کر اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگی۔

ہانیہ بیڈ پر بیٹھ گئی اور کمرے میں نظریں دوڑانے لگی۔ وہ مناسب الفاظ ڈھونڈ رہی تھی جو اسے بات کرنے میں مدد کرسکتے لیکن کافی دیر الجھنے کے باوجود اسے کوئی سرا ہاتھ نہ لگا۔

"ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔" بالآخر اس نے بات کا آغاز کیا تو زرش ہنس دی۔

"اس گھر میں ایسا ویسا جیسا سب کچھ ممکن ہے پیاری ہانیہ۔ ابھی تک تمہیں یہ سمجھ میں نہیں آئی۔" ہانیہ سر اٹھا کر زرش کو تکنے لگی' اب وہ کیا کہے۔

"تمہیں لگ رہا ہے کہ شاید میں نے رملہ کو رستے سے ہٹا دیا؟ وہ میری شراکت دار بن گئی تھی اس لیے؟" زرش کے کہے الفاظ اس کی سوچ کے ترجمان تھے۔ اس نے تردید نہیں کی خاموشی سے زرش کو دیکھتی رہی۔

"رملہ کا پوسٹ مارٹم نہیں ہونے دیا گیا پھر بھی پوسٹ مارٹم رپورٹ تیار ہوئی ہے' جس میں وجہ موت فوڈ پوائزننگ ہی ہے لیکن ایسا نہیں ہے' رملہ کو گلا دبا کر مارا گیا ہے' میں جانتی ہوں۔" زرش آہستہ آہستہ سر جھکائے بول رہی تھی اور ہانیہ کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا۔

"اس گھر میں سب کچھ ممکن ہے' یہاں کسی کو جان سے مار دینا بہت معمولی بات ہے۔ کسی حقیر سے کیڑے کو مارنے سے بھی معمولی۔" زرش کی آواز گھٹی گھٹی سی ہوگئی۔

"طاقت' اختیار کے نشے میں چُور یہ لوگ جس کو چاہیں اپنے راستے سے ہٹا دیں' جس کو چاہیں غدار' دہشت گرد قرار دے کر ان کا کاؤنٹر کروا دیں' مشینری ان کی اپنی ہے ناں۔"

"غدار' دہشت گرد؟" ہانیہ یک دم کھڑی ہوگئی۔ کیا زرش بھی جان گئی؟ وہ مضطرب ہوئی۔

"کل رات یہاں قیامت برپا تھی ہانیہ' حذیفہ کو رملہ پر کوئی شک تھا اور روز مار پیٹ ہو رہی تھی۔ انکل نے بہت سمجھایا لیکن وہ ایک ہی بات کہتا رہا۔ یہ لڑکی انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچائے گی اور میں اسی لیے اس کے ساتھ ساتھ رہتی تھی' رملہ جان گئی تھی اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے' اس لیے جو راز وہ چھپائے پھر رہی تھی اس نے میرے سامنے اگل دیا تھا۔" ہانیہ کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے' رملہ مری بھی تو اس نے اپنا مرنا بے کار نہیں جانے دیا تھا' وہ جس جس کو بتا سکتی تھی بتا کر گئی تھی۔

"اس گھر میں کوئی بھی محفوظ نہیں ہانیہ۔ تمہاری میری باری کبھی بھی آ سکتی ہے۔" اس نے سوئے طلحہ کو بیڈ پر لٹایا پھر مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔ "سوئم تک تو رکو گی ناں؟" ہانیہ نے جواب نہیں دیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ زرش نے پوری بات نہیں بتائی تھی' بات بدلی تھی' گویا اسے شک تھا کہ کوئی ان کی باتیں سن رہا ہے۔ اس کا سر پھٹنے والا تھا' یکے بعد دیگرے ہونے والے واقعات اور انکشافات نے اس کا دماغ ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ رات صرف اس پر بھاری تھی' بھلے غریب کی تھی۔ میت تو اس گھر سے اٹھی ہی تھی تو جو سوگواریت میت والے گھر پر طاری ہوتی ہے وہ تو تھی ہی۔

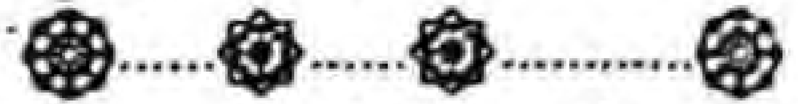
مام ڈیڈ اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ عبدالرافع اور صبوحی بھی کہیں باہر نکل گئے تھے۔ حذیفہ البتہ گھر پر موجود تھا اور مسلسل فون پر مصروف تھا۔ وہ باہر لان میں آ گئی۔ مہینے کا وسط تھا اور چاند کو اپنی آب و تاب دکھانے کا پورا موقع ملا ہوا تھا۔ وہ کیا سوچ رہی تھی' کیوں سوچ رہی تھی؟ کچھ نہیں جانتی تھی۔

کچھ روپہلے لمحے تھے جو اس کی مٹھی میں جگنو بن کر چمکے تھے اور اس کی زندگی کو جگمگا گئے تھے۔ کچھ ان کہی باتیں جو اس نے صرف سوچی تھیں کہی نہیں تھی' اس کی انا آڑے آ گئی تھی۔

"انا......" وہ زور سے ہنس دی۔

کہیں گم گیا تھا سارا کچھ؟ محبت نے اسے اور طرح کی ہانیہ بنا دیا تھا لیکن یہ ہانیہ بھی کسی کام کی نہیں تھی۔

"بی بی آپ کا فون بج رہا ہے کافی دیر سے۔" صدیقہ نے اس کی توجہ بجتے فون کی طرف دلائی اس نے ان سنی کی صدیقہ فون میز پر رکھ کر چلی گئی۔ اس نے یونہی بیٹھے بیٹھے دیکھا۔
جرار کالنگ آرہا تھا اس کا موڈ تھا نہ دل۔ سو فون سائلنٹ پر کردیا۔ سوچنے کو بہت کچھ تھا بہت کچھ اور وہ سوچنا چاہتی تھی۔



اور یہ لاہور کے پوش علاقے کے پیچھے بنی وہ آبادی تھی جہاں غریب طبقہ آباد تھا۔ گھروں میں ملازمتیں کرنے والی ماسیاں سارا دن کام ڈھونے والے مزدور گلی محلوں میں پھرتے ننگ دھڑنگ آوارہ بچے اور آتے جاتے آنکھوں ہی آنکھوں میں وعدے عہد کرتے لڑکے پردوں کے پیچھے سے جھانکتی ہاتھ باہر نکال کر رقعہ تحفہ پکڑنے والی لڑکیاں گلی کے نکڑوں پہ بیٹھے سگریٹ کے دھوئیں میں جانے کون کون سے غم اڑاتے بیروزگار...... چھچھوری باتیں چھچھوری حرکتیں گندی گلیاں اور کھلی نالیوں میں بہتی غلاظت لیکن اس علاقے کو پوش علاقے سے وہ بڑے بڑے گیٹ جدا کرتے تھے جو ادھر آنے والے چاروں راستوں پر نصب تھے۔ باوردی چوکیدار وہاں پہرہ دیتے تھے اور یہ گیٹ کھولنے کی اجازت سوسائٹی کے سرکردہ افراد ہی دیتے تھے۔ ورنہ گیٹ کے اس طرف اور اس پار دو متضاد زندگیاں سانس لیتی تھیں۔ اس تنگ اور سیلن زدہ کمرے کا کرایہ تین ہزار تھا جہاں فاطمہ اور عبدالحسیب نے اپنا ایک بیگ والا سامان لاکر رکھا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا احاطہ تھا جس کے بیچ میں وسیع وعریض صحن تھا اور اطراف میں کمرے کمرے کے آگے برآمدہ اور ذرا ذرا فاصلوں پر بنے چھ سات غسل خانے جو یہاں رہنے والے مکینوں کے مشترکہ استعمال میں تھے۔
غسل خانوں کی صفائی کے لیے باریاں متعین تھیں اور جس کی باری ہوتی وہ ان تمام غسل خانوں کی صفائی کرتا صحن میں ایک برگد کا بوڑھا درخت تھا اور تین ٹاہلیاں جن کی مضبوط شاخوں پر بچوں نے رسیاں ڈال کر پینگیں لگائی ہوئی تھیں گیس ناپید تھی اور کھانا پکانے کے لیے لکڑیاں جلانی پڑتی تھیں۔ بجلی کا بل سب گھروں میں مساوی تقسیم ہوجاتا صحن میں ایک طرف نلکا لگا تھا اور موٹر پمپ بھی صحن سانجھے تھے تو دکھ سکھ بھی سانجھے ہی تھے کسی کے گھر کھانا نہ پکتا تو وہ بلا تکلف ساتھ والی ہانڈی کا شریک دار بن جاتا۔ باہر بھلے جیسی بھی زندگی تھی یہاں زندگی مسکراتی تھی یہ بات اگلے چند دنوں میں فاطمہ پر آشکار ہوگئی تھی۔ محلے کی نکڑ پر ایک موچی بیٹھتا تھا جس کے ساتھ ہی ڈسپنسری کا بورڈ لگا تھا گڈا موچی اپنا بکس اٹھائے اس کے پاس آیا تھا۔
"سلام چاچا۔" اس نے بکسا نیچے رکھتے ہوئے سلام کیا۔ اشرف نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر مسکرا کر سلام کا جواب دیا۔
"دکان لگانی ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے اندازہ لگایا گڈے کا سر اثبات میں ہلا۔
"وہ ادھر دوسری نکڑ پر بیٹھ جا۔" اشرف نے اشارہ کیا۔ "کمیٹی والوں کو ان کا راشن پانی دیتے رہنا کوئی نہیں اٹھائے گا۔" وہ شکریہ ادا کرتا اس کی بتائی جگہ پر آ گیا۔ پھلوں اور جلیبی والی ریڑھی کے درمیان اسے جو تھوڑی سی جگہ نظر آئی وہاں اس نے اپنی دکان سجالی تھی۔



رونے کو ہزار دکھ اور سہہ جاؤ تو ایک لمبی چپ اس نے ڈیڈ سے جھگڑا کیا تھا حذیفہ بھائی سے لڑی تھی لیکن اپنے لیے نہیں رملہ کے لیے اسے بے گناہ کیوں مارا گیا تھا؟ وہ عبدالرافع سے بھی فون پر بحث میں الجھی تھی۔
"یہ تمہارے سمجھنے کے معاملات نہیں ہیں گڑیا...... ڈیڈ اور بھائی جو بہتر سمجھتے ہیں کرتے ہیں تم ان معاملات سے اپنے آپ کو دور رکھو۔" عبدالرافع نے سمجھایا وہ خود بھی ایسے معاملات میں کم ہی پڑتا تھا ایک ہفتہ قبل وہ بزنس معاملات کے سلسلے میں ٹورنٹو گیا تھا۔
"دور رکھو۔" وہ جھنجلائی۔ کتنا اور کہاں کہاں سے دور کرلوں اپنے آپ کو؟ اگرچہ ایک اطمینان تھا کہ وہ دشمن جاں زندہ ہے ایک خوشی تھی کہ اس کے نام پر لگے سب الزام بھی غلط تھے یہیں اسی دنیا کے کسی کونے میں وہ سانس لے رہا ہوگا اور فضاؤں میں یقیناً اس کی بھی باس ہوگی لیکن یہ دکھ بھی تھا کہ اس کا بھائی مارا گیا تھا جو بے گناہ تھا۔
اس رات خوب لڑائی ہوئی تھی حذیفہ اور رملہ کے درمیان۔ وہ اس سے کچھ پوچھ رہا تھا اور رملہ اس سے مکمل انکاری تھی۔ ہوتے ہوتے بات بحث تک پہنچی اور پھر ہاتھا پائی کی نوبت آ گئی۔ وہ اسے مارنے لگا مکے گھونسے لاتیں اور پھر اس نے اسی کے دوپٹے کو گردن میں ڈال کر کس دیا...... رفاقت زبیر نے روکنے کی کوشش کی لیکن تب تک رملہ کا کام تمام ہوگیا تھا۔ حذیفہ نے بس نہیں کیا اس نے سارے کمرے کی تلاشی لی لیکن جس

چیز کی تلاش تھی وہ نہیں ملی۔ رفاقت زبیر نے رملہ کا بے جان ہوتا جسم دیکھا تو لپک کر حذیفہ کا گریبان پکڑ لیا۔

"کیا کر دیا ہے تم نے، وہ مرگئی، سچ مچ، کتنی مصیبتوں میں پھنساؤ گے اور تم مجھے...... یہ جو تمہارے اندر کا جانور ہے اسے کہیں سلا کیوں نہیں دیتے تم۔" رفاقت زبیر پاگل ہوا ٹھے تھے، کیسے چھپے گا یہ قتل؟ اور وہ کیسے چھپائیں گے۔ گھر میں پڑی ایک نعش کو۔

"کیا کریں اس کا؟" وہ پریشانی سے ٹہل رہے تھے۔ شور میں طلحہ کے رونے کی آوازیں بھی شامل تھیں۔

"اٹھاؤ اس کو اٹھاؤ اور اندر لے کر چلو سوچتے ہیں کیا کرنا ہے...... یہاں سے اٹھاؤ۔" وہ چلائے تھے، حذیفہ نے چاروناچار رملہ کا بے جان جسم کاندھے پر ڈالا اور اندر آ گیا۔

"ماں کو فون ملاؤ اور اسے کہو جہاں بھی ہے فوراً آئے۔" ٹہلتے ہوئے رفاقت زبیر کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ حذیفہ ماں کا نمبر ملانے لگا۔

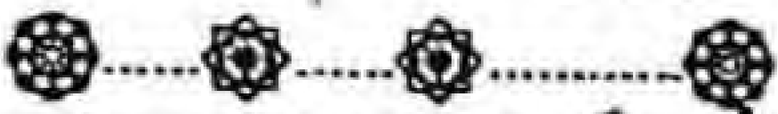
"بتاؤ اسے کہ زرش کی طبیعت خراب ہے، ہاسپٹل لے کر جارہے ہیں اسے۔" انہوں نے اگلا ہدایت نامہ جاری کیا، زرش جو ٹیرس پہ کھڑی تھی اور صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، چونک کر رفاقت زبیر کو دیکھنے لگی، اس کی نظر ابھی تک رملہ کی ڈیڈ باڈی پر نہیں پڑی تھی۔

"پلیز مام ڈیڈ کہہ رہے ہیں فوراً واپس آئیں۔" حذیفہ جھنجلایا ہوا تھا۔ مسز زبیر فنکشن چھوڑ کر اتنے چھوٹے سے کام کے لیے آنے پر آمادہ نہیں تھیں۔

"اسے فوڈ پوائزننگ ہوا تھا تین دن پہلے۔ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھی، آج ہی گھر آئی تھی لیکن گھر آتے ساتھ طبیعت پھر بگڑ گئی اور چل بسی۔ اس بیان کی علاوہ منہ سے ایک لفظ بھی نکالا کسی نے تو زبانیں کٹوا کر چوک میں لٹکا دوں گا۔" انہوں نے با آواز بلند اعلان کیا تھا اور کسی کی کیا مجال جو حکم سے سرتابی کرے۔ باقی سارے جرائم کی طرح اس جرم پر بھی پردہ پڑ گیا تھا۔ کسی نے سوال پوچھنے کی جرات نہیں کی اور اگر کسی کے دماغ کا کیڑا کلبلایا بھی تو معقول رقم نے منہ بند کر دیا۔ قانون، رحم، انصاف انسانوں کے لیے ہوتا ہے، جانوروں کے لیے نہیں اور شاید وہ جانوروں سے بھی بدتر لوگوں کے درمیان تھی۔ اچھائی کی امید کہاں سے ہوتی۔ وہاں رکنا محال تھا، وہ اگلے دن کی فلائٹ پکڑ کر واپس ملتان آ گئی۔ جرار حسب معمول گھر پر نہیں تھا۔ ڈرائیور اسے ایئرپورٹ لینے گیا تھا اور گھر آتے آتے اس نے سوچ لیا تھا آئندہ اسے کیا کرنا ہے۔



اسے یہاں بیٹھے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ وہاں سے ہٹا دیا گیا۔ اس نے بہتری منت کی، ماہانہ دینے کا وعدہ بھی کیا لیکن انہیں زیادہ پیسے دینے والا سبزی فروش مل گیا تھا۔ سو اس کی ایک نہ سنی گئی، اسے جگہ خالی کرنا ہی پڑی، اب کہ اس نے محلے سے ذرا باہر کی جگہ کا انتخاب کیا تھا لیکن اس راستے سے موڑ مڑ کر اندر سوسائٹی میں معزز شرفا جاتے تھے، سو وہاں سے بھی اٹھا دیا گیا اور بالآخر اسے زینب ٹاور سے آگے خالی چوک میں جگہ مل ہی گئی۔ وہاں سے ایک سڑک قبرستان اور دوسری بہت بڑے شاپنگ مال کو جاتی تھی، جوتیاں کون مرمت کرواتا تھا، اب لوگوں کے پاس بہت پیسا آ گیا تھا، خراب چیز کو مرمت کروانے کی بجائے پھینک کر نئی خرید لی جاتی تھی۔ اس کا گاہک تو اب لوئر طبقہ تھا۔ پرانی ربڑ کی چپلیں، پلاسٹک کے ٹوٹے ٹب اور بالٹیاں، پرانے بیگوں کی خراب زپیں، تسمے ٹانکنے، بس اور دن بھر کی کمائی بھی دو سو کبھی ڈھائی سو، فاطمہ نے کوٹھی والوں کے ہاں کپڑوں کی دھلائی اور استری کا کام پکڑ لیا تھا، چھ سات ہزار ملنے لگے تھے۔ کبھی کبھار کھانا بھی مل جاتا، ورنہ احاطے کے لوگ بھجوا دیتے۔ زندگی کسی طور گزرنے ہی لگی تھی۔



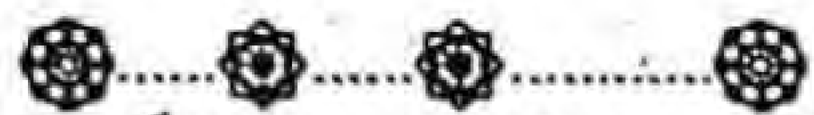
جرار کوئی نئی نسل کا گھوڑا خریدنے شہر سے باہر گیا ہوا تھا اور ہانیہ کو اتنے بڑے گھر میں رہنا مشکل ترین لگ رہا تھا۔ ویسے تو اس کے ہونے یا نہ ہونے سے ہانیہ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، چند گنی چنی باتوں کے علاوہ ان کے درمیان گفتگو نہیں ہوتی تھی۔ گھر آ کر وہ یا تو لیپ ٹاپ پر مصروف رہتا یا ڈاکیومینٹریز دیکھتا رہتا۔ ویک اینڈ پہ وہ کبھی گھر ہوتا ہی نہیں تھا یا اپنے فارم ہاؤس پر چلا جاتا یا رفاقت زبیر کے۔ اس کی زندگی میں کتنی لڑکیاں تھیں، یا وہ کتنی عورتوں کی زندگی میں تھا، یہ وہ اکثر بتاتا رہتا تھا۔ جسے سن کر ہانیہ کا ردعمل ایسے ہی ہوتا جیسے ٹی وی پر کسی کے بارے میں خبر سن لی ہو۔ آنٹی انکل کا امریکہ سے فون آتا تو وہ خود ہی بات کر لیتا اور اس کی خیریت بھی خود ہی بتا دیتا۔ پہلے پہل وہ میکے جانے کو بے تاب رہا کرتی تھی لیکن اب وہ بے تابی بھی ختم ہی ہو گئی تھی۔ زرش کا ویک اینڈ پر فون آجاتا، وہ بڑے اچھے سے طلحہ کو سنبھال رہی تھی۔ اس کی ماں بن گئی تھی، حذیفہ

بھائی کی وہی چلتر تھے عبدالرافع اور صبوحی کے چھ ماہ پاکستان تو چھ ماہ انگلینڈ میں گزرتے تھے۔ مام کی کٹی پارٹیاں اور سوشل ورک اور ڈیڈ کی سیاسی زندگی کی سیاسی مصروفیات سب ہی اپنی اپنی جگہ فٹ تھے۔ مصروف تھے بے کار تو بس وہی تھی۔ اس اتنے بڑے محل میں صرف ملازم ہی ملازم تھے۔

"ہم تمہیں ایک محل سے دوسرے محل میں بیاہ رہے ہیں ہانی۔" مام کا کہا جملہ اکثر اس کے کانوں میں گونجتا تھا۔ صحیح کہا تھا انہوں نے ایک محل سے دوسرے محل میں ہی بھیجا تھا لیکن یہ محل سویا ہوا محل تھا۔ یہاں ہر چیز ساکت اور ست روی کا شکار تھی اور وہ خود بھی تو ایک سوئی ہوئی شہزادی تھی جس کے تکلے کی نوک چبھ گئی تھی۔ ہجر کے تکلے کی نوک اسے اب کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ اسے بھی اس شخص کو یاد کرنے نہیں دیتی تھی یہ چبھن جو اس کی زندگی سے نکل گیا تھا۔

میری دھڑکنوں کے قریب تھے میری چاہ تھے میرا خواب تھے
وہ جو روز و شب مرے پاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں کرسکا نہ قبول میں وہ شریک راہ سفر ہوئے
جو مری طلب مری آس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

بڑی عجیب تھی اس کی زندگی بہت پہلے وہ سوچتی تھی کہ اس کی کلاس کی لڑکیاں تو اپنے سے نیچے دیکھتی ہی نہیں کم پہ کمپرومائز نہیں کرتیں کپڑا جوتا برانڈ دیکھ کر خریدتیں پھر اسے کیوں اپنے سے کم تر شخص پسند آیا...... کیوں محبت ہوئی؟ تو اس بات کا جواب بھی مل گیا تھا اس کو کہ وہ ایک غریب ماں کے بطن سے پیدا ہوئی تھی۔ باپ امیر تھا بھی تو اس کی رگوں میں غریب خون کی آمیزش ہوگئی تھی۔ وہ اپنے خون کی گستاخی پر برہم و نادم تھی۔ اسے ایلیٹ کلاس میں جینا نہیں آرہا تھا لیکن وہ ہرگز ہرگز زندگی بھی نہیں جی سکتی تھی جو عبدالحسیب کا اسٹیٹس تھا۔ اسے انہیں اونچی چھتوں والے محلوں میں ہی جینا تھا فرار ممکن تھا ہی نہیں۔



بارش نے بھی سوچا تھا بس آج ہی برسے گی۔ اتنی منہ زور ہوئی پڑی تھی کہ پتھر کی طرح محسوس ہورہی تھی سڑکیں پانی سے بھر گئی تھیں۔ ریڑھیوں ٹھیلوں والے دکانوں کے آگے بنے شیڈز میں پناہ لینے آ کھڑے ہوئے تھے۔ گڈا موچی بھی اپنا بکسا اٹھائے دکان کے ایک طرف آ کھڑا ہوا تھا۔ جگہ گیلی ہوگئی تھی۔ اب دکان لگانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ بارش رکنے کا انتظار کررہا تھا کہ تھمے تو وہ گھر جائے لیکن بارش میں کمی آنے کی بجائے تیزی آتی جارہی تھی۔

"ڈرائیور گاڑی پاس لاؤ شیڈ کے نزدیک۔" عبدالحسیب نے بلاارادہ مڑ کر دیکھا تھا۔ ہاتھ میں ڈھیر سارے شاپنگ بیگز تھامے گاگلز بالوں کے اوپر لگائے دوسرے ہاتھ سے موبائل کان کو لگائے وہ سیڑھیاں اترتی ہدایت دے رہی تھی۔ بات مکمل کرکے فون بیگ میں رکھتے ہوئے اس کی نظر ایک پل کو چوکی اور وہ توازن برقرار نہ رکھ سکنے کے باعث دھڑام سے نیچے آرہی تھی۔

"اوہ...... آہ پکڑو......" وہاں موجود سارے لوگ مدد کرنے کی نیت سے اس کی طرف بڑھے تھے۔ کچھ شاپنگ بیگز کیچڑ میں جاپڑے تھے۔ وہ خفت سے اٹھ بھی نہیں پارہی تھی۔

"اٹھ جائیں باجی۔"

"مے آئی ہیلپ یو میڈم...... زیادہ چوٹ تو نہیں لگی۔" جیسی آوازوں کا شور ہوگیا تھا۔ گڈا موچی غیر محسوس طریقے سے تھوڑا پیچھے ہوگیا تھا تاکہ وہ نظروں میں نا ہی آئے...... ایک خاتون کا سہارا لے کر وہ کھڑی ہوئی تو یہ انکشاف ہوا کہ اس کا جوتا ہیل سے محروم ہوگیا ہے۔ دائیں ٹانگ پر جلن بھی محسوس ہورہی تھی۔ کھروچ آگئی تھی۔

"ایک تو یہ ڈرائیور" اسے ڈرائیور پر غصہ آیا۔ شرمندگی اور تکلیف کے باعث اس سے کھڑا ہونا مشکل ہورہا تھا۔ اس نے دوبارہ ڈرائیور کا نمبر ملایا۔

"اوئے گڈے...... ادھر آ باجی کا جوتا ٹھیک کر انہوں نے گھر جانا ہے۔" کسی بہت ہی ہمدرد اور خیر خواہ نے اسے آواز دی تھی۔ وہ ان سنی کرکے کھڑا رہا۔ بات کرتے کرتے اس نے بلانے والے کے تعاقب میں دیکھا اور پتھر کی ہوگئی تھی اور گڈا موچی جو سالوں سے اس ایک لمحے سے حالت فرار میں تھا۔ اب بھی وہاں سے نکلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

جب اندر سارا جل تھل ہو تو باہر کی برستی بارش کیا کرے گی۔ ڈرائیور نے گاڑی کا ہارن دیا تو وہ جیسے ہوش میں آگئی۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ نظریں اب بھی ادھر ہی تھیں جہاں تیز برستی بارش کی بوندوں نے اسے کم کردیا تھا۔



اگلے کئی روز وہ کام پہ نہیں جاسکا تھا۔ وہ جو اس دن اچانک وہاں نظر آگئی تھی پھر آئے گی وہ جانتا تھا۔ اس سے ملنے نہ سہی

اُسے دیکھنے ہی اور وہ ایسا نہیں چاہتا تھا' دو دن تو فاطمہ نے نہیں پوچھا بارش کی وجہ سے نہیں جا رہا لیکن جب تیسرا اور چوتھا دن بھی گزر گیا تو فاطمہ کے دماغ میں کھٹکا ہوا۔ وہ تو چھٹی کرتا ہی نہیں تھا۔

"طبیعت خراب ہے؟" اس نے پائنتی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ جھوٹ نہیں بول سکا۔

"پھر کسی سے جھگڑا ہو گیا جگہ کے لیے؟"

"نہیں' دل اور دماغ کے بیچ ٹھن گئی ہے سمجھ نہیں پا رہا کس کی سنوں۔" وہ ہنسا پھر فاطمہ کو دیکھ کر بولا۔

"چلا جاؤں گا' دو چار دن میں' تھک گیا ہوں۔" فاطمہ نے اثبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگی۔

"چاول کھائے گا' دیگ چڑھائی صاحب نے' یہ بڑا شاپر بھر کے دیا' میٹھے چاولوں کا' سارے گھروں میں دی ہے پلیٹ پلیٹ' آ جا مل کے کھاتے ہیں۔" وہ اٹھ گئی اور پلیٹ میں چاول بھر لائی' اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا مگر فاطمہ کا دل نہ دکھے اس لیے دو نوالے لے لیے' فاطمہ نے بھی اس کے ساتھ ہی ہاتھ روک لیا۔ وہ گہری سوچ میں تھا۔

"بھاگنے سے کوئی فائدہ نہیں یا تو سامنا کر یا پھر دل سے نکال دے۔ وہم کھا جاتے ہیں زندگی بھی' خوشیاں بھی۔" فاطمہ بھی کیسے دل کے اندر کی بات پکڑ لاتی تھی اور اس کے پاس بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں رہتا تھا' اس نے جواب نہیں دیا۔ اس رات اس نے پرانے صندوق کو کھولا اور وہ ساری چیزیں نکالی تھیں جو ہانیہ نے اسے تحفوں کی صورت دی تھیں' شرٹ' ٹائی پن' کلون' مختلف اقسام کے قلم' ڈائریاں' اسٹینڈ اس کی یادوں کی طرح یہ تھوڑے سے تحائف جو اسے زندگی بھر کا سرمایہ محسوس ہوتے تھے اور روبی جڑاؤ بندہ' جو ایک اس کے پاس تھا اور دوسرا ہانیہ کے پاس۔

وقت ہر زخم کو نہیں بھرتا
وقت ہر درد کم نہیں کرتا
عجیب لوگوں کی عجیب محبت......

اس نے اگلے دن کام پہ جانے کا ارادہ کر لیا اور وہ جو رہائشی علاقے سے باہر نکلتے ہی دائیں طرف گنجان آباد بازار ہے' اس کے بائیں طرف والی دو رویہ سڑک جس کے کنارے تمام برانڈڈ دکانیں ہیں اور ان کے آگے لگے ہوئے اسٹال جن پہ کپڑے

جوتے، جیولری ڈھائی سو کی جینز اور پندرہ سو کی لیدر جیکٹ آرام سے مل جاتی ہے اس سے ذرا آگے زینب ٹاور کی بیسمنٹ میں بیٹھے پٹھان جو چائنیز جوتوں کا انبار لگائے ہر برانڈ کا جوتا آپ کو حیرت انگیز قیمتوں میں مہیا کردیں ٹوٹے، خراب، بیٹری سے چلنے والے کھلونوں کو ٹھیک کرنے والے کاریگر کی دکان کے ساتھ اوپر جاتی سیڑھیوں کے ساتھ دیوار کے پاس اپنی دکان سجائے میلے کچیلے کپڑوں والا موچی جس کے کام کے ساتھ اس کا چہرہ میل نہیں کھاتا تھا اس موچی کو دیکھنے ایک شہزادی آنے لگی تھی پہلے دن اس موچی نے پہچاننے سے انکار کیا اور اگلے دن بیگانگی اختیار کی۔

"تم عبدالحسیب ہو ناں؟" تیسرے دن اس شہزادی نے سوال کیا تھا۔ (گیلی لکڑی، مٹھ سواہ)

"نہیں بی بی جی! آپ کو غلط فہمی ہوئی۔" اس نے دل کے اوپر پاؤں رکھا تھا۔ شہزادی کا دل نہیں مانا لیکن اس نے بحث بھی نہیں کی تھی۔

شہزادی کے پاس کرنے کو کون سا کوئی کام تھا۔ وہ جب بھی شاپنگ کرنے آتی اس میلے کچیلے آدمی کے پاس چند لمحے آ کھڑی ہوتی، دل چاہتا تو بات کرتی ورنہ خاموشی سے واپس چلی جاتی اور زمین پر بیٹھا موچی ابن موچی اس کے صاف جوتے کی گرد پلکوں سے چنتا اور جوتے پر برش مار کر گویا اپنے دل کی صفائی کرتا۔ مہینے بیت چلے تھے نہ وہ مانتا تھا نہ وہ آنا بند کرتی تھی اور اس روز اس نے اپنا بندہ اس کے آگے رکھ دیا تھا۔

"میں اس کا کیا کروں گا میڈم۔" بھلے اس نے نظر نہیں اٹھائی تھی لیکن دل تو آنکھیں پھاڑ پھاڑ اسے دیکھنے میں محو تھا۔ وہ اس کے تاثر جاننا چاہتی تھی جبکہ وہ بے تاثر رہنا جانتا تھا۔ وہ مایوس ہو کر چلی گئی۔

"گھر میں کون ہے؟" چند دن بعد وہ پھر آن دھمکی اور اب پوچھ رہی تھی۔

"ایک بوڑھی ماں ہے جی! بھائی اور ابا چل بسے۔"

"جڑواں بھائی تھا تمہارا؟" ہانیہ کا کہا اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ کئی ثانیے ساکت ہی رہا۔ جوتی کو ٹانکا لگانا بھول گیا پھر جیسے چونکا۔

"نہیں...... نہیں تو، وہ میرا بڑا بھائی تھا۔ عبدالحسیب میں تو گڈا ہوں جی۔ گڈا موچی، باہر سے پڑھ کر آیا تھا جی وہ، مار دیا اسے کسی نے، غدار بنا دیا۔ دہشت گرد اور اس کے ساتھ ہم بھی مر گئے۔ بڑے سالوں سے ہم اپنے لاشیں اٹھائے پھر رہے ہیں جی۔ بہت مشکل ہے جی، میں اپنی ماں کا واحد سہارا ہوں جی......" وہ گول مول اس سے بہت کچھ کہہ گیا تھا۔ ہانیہ نے بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھا پھر ہنس پڑی۔

"محبت دلوں پہ لکھی جاتی ہے اور بیگانگی آنکھوں میں اور یہ جو بیگانگی ہوتی ہے ناں یہ دل کے سارے بھید کھول دیتی ہے، چیخ چیخ کر بتاتی ہے اور یہ جو تمہاری شکل ہے ناں......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر ہنسنے لگی، گڈے موچی نے اپنا بکسا کھولا اور سامان اس میں رکھنے لگا۔ وہ اس کی باتوں کے سامنے ٹک نہیں سکتا تھا۔

"پتا ہے میرا ایک دوست تھا۔" ہنسی روک کر اس نے پھر کہنا شروع کیا، ایک گاہک آ گیا تھا، گڈے نے معذرت کی وہ معنی خیزی سے دیکھتا واپس چلا گیا۔ گڈے کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی۔

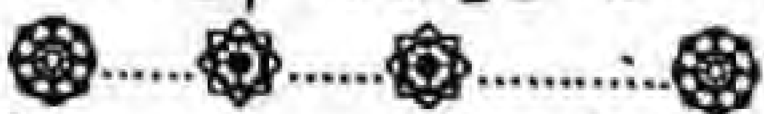
"بی بی آپ یہاں مت آیا کریں، میرا کام دھندہ بند ہو جاتا ہے۔" اس نے قدرے اکھڑے لہجے میں ہانیہ سے کہا۔ ایک لمحے کو وہ چپ کر گئی۔

"لوگ غلط سوچتے ہیں۔"

"میں پرواہ نہیں کرتی۔" اس نے بال جھٹکے۔

"لیکن مجھے پرواہ ہے بی بی، شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میرے بارے میں...... میں تو ایک غریب سا بندہ ہوں، سارا دن کام کر کے دو وقت کی روٹی نصیب ہوتی ہے ہمیں۔ آپ سے درخواست ہے مت آیا کریں یہاں۔" اس نے ہاتھ جوڑ دیئے ہانیہ کا دل تڑپ اٹھا۔

"جتنا تردد ہم نے ایک دوسرے کو اپنی زندگی سے نکالنے کا کیا اتنی محنت ہم اپنی محبت پانے کے لیے کر لیتے تو آج ہم دونوں مختلف جگہوں پر ہوتے۔" وہ کہتے ہوئے چلی گئی۔ گڈے موچی نے دھندلائی نظروں سے اسے دیکھا اور شکر کیا کہ اب وہ یہاں کبھی نہیں آئے گی لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔



اس نے نیم تاریک کمرے کے پردے ہٹائے تو کمرے کا منظر واضح ہو گیا۔ سارا کمرہ الٹ پلٹ ہوا پڑا تھا۔ تکیے، کشنز، کتابیں، دوائیوں کی خالی ڈبے اور ذرا پرے کھڑکی کے پاس وہیل چیئر پر الٹا ہوا جرار ابتسام۔ اسے آنے میں دیر ہو گئی تھی اور وہ یہ توقع کر رہی تھی، اس نے بیل بجا کر ملازمہ کو اندر آنے کا کہا

اور خود جرار کو سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ غصے میں تھا' اس لیے ہانیہ کی ہر کوشش ناکام بنا رہا تھا۔ ملازمہ اندر آئی تو اس نے اسے کمرے کی حالت ٹھیک کرنے کا کہا اور پھر سے کوشش کرنے لگی۔

"آج صاحب نے بہت غصہ کیا میڈم۔" راشدہ بتانے لگی۔ "جمیل نے بڑی کوشش کی سوپ پلانے کی مگر انہوں نے ہاتھ مار کر گرا دیا۔ کچھ نہیں کھایا انہوں نے۔" وہ چیزیں سمیٹتے ہوئے بتا رہی تھی۔

"اچھا' جرار...... سوری۔" اس نے نہایت نرمی سے جرار کا سر اوپر اٹھایا۔ آنکھوں میں پانی بھرا تھا اور منہ سے رال ٹپک رہی تھی۔ اس نے ٹشو پیپر سے اس کا چہرہ صاف کیا اور اس کے ہاتھ سہلانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں جرار کے تنے چہرے پر نرمی ابھرنے لگی۔ راشدہ نے کمرہ سمیٹ کر لیا تھا۔ اس نے کھانا لانے کا کہا اور خود فریش ہونے چلی گئی' راشدہ کھانا اور صفائی کا سامان لے آئی تھی۔ ہانیہ نے گیلے تولیے سے جرار کا منہ صاف کیا پھر چمچ چمچ سوپ پلانے لگی۔ راشدہ پاس کھڑی دیکھتی رہی' وہ سوپ پلا چکی تو ایک بار پھر اس کا منہ صاف کیا پھر وہیل چیئر دھکیلتی بیڈ کے قریب لائی' راشدہ جمیل کو بلانے چلی گئی۔ اس نے تب تک کتاب سلیکٹ کرلی جو وہ آج جرار کو پڑھ کر سنانے والی تھی۔ جمیل جرار کو بیڈ پر لٹا چکا تو اس نے جرار کو کمبل اوڑھایا اور کتاب لے کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"کچھ چاہیے میڈم؟" راشدہ نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ جرار منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا' ان نظروں میں بے بسی' دکھ' التجا' سب کچھ تھا اور خوف بھی' ہانیہ نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں آج پھر گئی تھی اسے دیکھنے۔" نظریں کتاب کے سرورق پر جما ئیں' ایک آنسو جانے کہاں سے آ گیا اور بائیں آنکھیں نم کر گیا۔ جرار کا وجود ہولے ہولے لرزنے لگا۔ ہانیہ نے انگلی کی پور سے آنکھ کا کونا صاف کیا اور کتاب کھول کر پڑھنے لگی' پڑھتی چلی گئی۔ جرار کا لرزتا وجود ہولے ہولے سکون میں آنے لگا۔ ہانیہ کی آواز دھیمی ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ جرار کے خراٹوں سے کمرہ گونجنے لگا۔ اس نے کتاب بند کی' اس کا کمبل ٹھیک کیا اور لائٹ بجھا کر کمرے سے باہر آ گئی۔ راشدہ کھانا لگا چکی تھی' وہ ہاتھ دھو کر میز پر آ گئی۔ آج اس کی پسند کا کھانا تھا لیکن اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ اداس اور غمزدہ تھی۔

"بڑے صاحب کا فون آیا تھا جی۔" وہ سالن پلیٹ میں ڈال رہی تھی جب راشدہ نے آہستگی سے بتایا۔ اس کا ہاتھ وہیں رک گیا۔

"کیوں...... کس لیے؟" اس کے لہجے میں برف جیسی ٹھنڈک تھی۔

"آپ سے بات کرنا تھی میں نے کہہ دیا' آپ گھر پر نہیں ہیں۔" راشدہ نے بتایا۔

"اب دوبارہ ان کا فون آئے گا تو کہہ دینا' یہاں فون مت کیا کریں' یہاں ان کا کوئی جاننے والا نہیں رہتا۔" اس نے سفاکی سے کہا اور پلیٹ پر جھک گئی۔ راشدہ واپس مڑ گئی۔ اس نے کھانا زہر مار ہی کیا تھا...... راشدہ کی بات نے اسے ایک بار پھر منتشر کردیا تھا۔ وہ دنوں اپنے ٹکڑے ٹکڑے وجود کو اکٹھا کرکے جوڑتی اور پھر سے کوئی فون کال اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے بکھیر دیتی۔ وہ ان سب سے اپنا ناطہ توڑ چکی تھی۔ ان قاتلوں سے اسے گھن آنے لگی تھی اور وہ جو اس ساری گیم کا پلانر تھا' کس طرح بے بسی سے بستر پر پڑا تھا کہ اپنی مرضی سے حرکت بھی نہیں کرسکتا تھا۔

"اللہ بڑا بے نیاز ہے۔ بڑے حساب رکھتا ہے وہ' چھوٹی سے چھوٹی زیادتی کا' بڑے سے بڑے گناہ کا۔ کتنا غرور ہوتا ہے ناں' ہمیں اس طاقت کا' جو ہمیں ملی ہوتی ہے' جس میں ہمارا کوئی ہاتھ' کوئی عمل دخل نہیں ہوتا لیکن پھر بھی ذرا سے اختیار پہ ہم فرعون بن جاتے ہیں اور جیسے ہم ذرا سا اختیار مل جانے پر فرعون بن جاتے ہیں' اپنے سے کمتر کو کچل دیتے ہیں تو وہ رب بھی فرعونیت کسی کمتر سے ہی ختم کرواتا ہے۔ کتنی جانوں کو حقیر جانا تھا انہوں نے رفاقت زبیر' حذیفہ زبیر اور جرار ابتسام نے۔ بے شک یہ تین ہی فرعون نہیں تھے اس دنیا میں' بھری پڑی ہے دنیا ایسے لوگوں سے لیکن انصاف کی دعائیں ان بے گناہوں کے ورثاء نے تو شاید کی ہوں یا پھر معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ہو لیکن ہانیہ زبیر نے ضرور دعائیں کی تھیں' ان بے گناہوں کے لیے جن کو انہوں نے چیونٹی سے بھی کم تر جان کر مسل دیا تھا اور ایک بار بھی اللہ کا خوف ان کے قریب نہیں پھٹکا تھا۔ تو رب نے بھی ان کو ان سے زیر کیا تھا جس پر وہ غلبہ رکھتے اور حکمرانی کرتے تھے۔

اس نے رفاقت زبیر سے رشتہ توڑ لیا تھا' شاید رملہ کی خاطر یا پھر اپنی خاطر اور وہ جرار سے بھی کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی تھی' یہی تو تھا جس نے ان کے ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا تھا۔

ایک بے گناہ شخص کا ان کاؤنٹر کیا تھا' اس پر گندے الزامات کی بھر مار کی تھی اور اس کے خاندان کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کردیا تھا۔ وہ بے بس تھے' صبر کرنے پر مجبور تھے لیکن رب سے بڑا محتسب کوئی نہیں' جرار ابتسام جس کے آگے بڑے بڑے لوگ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں کو مسلتا پھرتا تھا' اس مالک کون ومکان نے اسے اپنی ہی پسندیدہ گھوڑی کے ہاتھوں اس حال کو پہنچادیا تھا۔

اس رات جرار اور اس کی بہت زیادہ لڑائی ہوئی تھی' اس کا گھوڑا ریس ہار گیا تھا' وہ شدید پریشانی میں تھا اور اسی پریشانی میں اس نے ہانیہ کو بے بھاؤ کی سناڈالی تھی' ہانیہ نے دوایک باتیں سن لی تھیں لیکن اس کے بعد اس کا حوصلہ ہی ختم ہوگیا تھا۔ اب وہ یہاں نہیں رک سکتی تھی' جرار نے جو سیدھی سیدھی باتیں اس کی محبت کے حوالے سے کی تھیں' پردا ہٹا دیا تھا۔ اپنی اپنی لائف جینے کا عذر ختم ہوگیا تھا۔ رات اس نے یہ سوچتے گزاری تھی کہ وہ کہاں جائے گی' اپنے گھر تو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ عبدالرافع کے پاس چلی جائے گی' اس نے ارادہ کیا تھا۔ اپنی پیکنگ وہ رات کو ہی مکمل کرچکی تھی۔ عبدالرافع سے بات ہوگئی تھی' اگرچہ اس نے اسے اپنے اور جرار کے جھگڑے کے متعلق نہیں بتایا تھا اور فی الحال وہ بتانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ رات بہت مشکل سے کٹی تھی۔ وہ صبح کمرے سے باہر نکلی تو لاؤنج میں سامان دیکھ کر حیران ہوئی۔ اس نے راشدہ کو آواز لگائی۔

''جی بی بی۔'' وہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی اندر آئی۔ اس نے سامان کی طرف اشارہ کیا اور راشدہ کے جواب نے اس کے خدشات کو درست ثابت کردیا تھا۔ آنٹی اور انکل راتوں رات پہنچ گئے تھے۔

''اب کہاں ہیں؟'' ضرور جرار نے انہیں جھگڑے کے متعلق بتادیا ہوگا تب ہی تو اتنی عجلت میں پہنچے تھے۔ اس کی یہی قیاس آرائیاں تھیں۔

''ہاسپٹل میں...... صاحب جی......'' وہ بولتے ہوئے رکی۔ ہانیہ ہاسپٹل کا سن کر چونکی۔

''کیا ہوا؟'' وہ آگے بڑھی اور جو کچھ راشدہ نے بتایا ایک لمحے کو اس کے حواس مختل ہوگئے تھے۔ جرار اپنی پسندیدہ گھوڑی سے گرا تھا اور گھوڑی اسے روندتی ہوئی گزر گئی تھی۔ گھوڑی کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے جانے کب اس نے اس کو نیچے پٹخ دیا تھا۔ پاؤں رکاب میں پھنسا رہنے کے باعث وہ دور تک گھسٹتا چلا گیا تھا۔

وہ ہاسپٹل جاتے ہوئے بالکل خالی الذہن تھی۔ ڈرائیور نے جب گاڑی ہاسپٹل کے احاطے میں روکی تب بھی وہ اپنے اندر کسی بھی قسم کا احساس محسوس نہیں کرپارہی تھی۔ کوریڈور میں اسے انکل اور آنٹی مل گئے تھے۔ ان کا انداز بھی سرسری تھا' اس نے کچھ نہیں پوچھا' خاموشی سے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد رفاقت زبیر بھی پہنچ گئے تھے اور انہی کی باتوں سے ہانیہ کو علم ہوا کہ وہ تو پہلے ہی آرہے تھے' جرار کے ایکسیڈنٹ کا تو انہیں صبح یہاں پہنچ کر پتا چلا تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی' رفاقت زبیر نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''کیسی ہو ہانیہ؟'' انہوں نے پوچھا۔

اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا' رفاقت خاموشی سے پیچھے ہٹ گئے۔ جرار کی حالت ٹھیک نہیں تھی' گرنے اور گھسٹنے کی وجہ سے کمر کے مہرے ہل گئے تھے۔ دائیں ٹانگ میں بھی فریکچر ہوا تھا۔ وہ فی الحال ہوش میں نہیں تھا اور جب ہوش میں آیا تو بھی کچھ اچھا نہیں تھا۔ وہ پیرالائز ہوگیا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے' اس نے گھر واپس آکر اپنا سامان کھول دیا تھا۔

زندگی میں سارے فیصلے اپنے لیے نہیں کیے جاتے' کبھی کبھی ہم سے وہ فیصلے بھی ہوجاتے ہیں جو ہماری ذات کے منافی ہوتے ہیں مگر ہمیں کرنے پڑتے ہیں۔ جرار نے اس رات ہونے والی لڑائی کی وجہ رات ہی اپنی بہن کو بتادی تھی اور یہ کہ وہ اب ہانیہ کے ساتھ نہیں رہے گا۔ ماں باپ سفر میں تھے' وہ نہیں جانتے تھے لیکن صبح دم پہنچتے ہی جب انہوں نے ہانیہ کو اپنے کمرے میں بے فکر سوتا پایا اور ملازم نے بتایا کہ جرار رات حادثے کا شکار ہوگیا ہے تو وہ جان گئے کہ اتنے بڑے گھر میں وہ دونوں کس طرح رہ رہے تھے۔

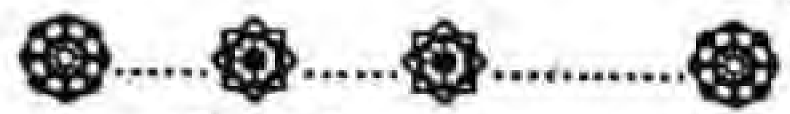
جرار ایک مہینہ ہاسپٹلائز رہا' انکل آنٹی اسے اپنے ساتھ امریکہ بھی لے گئے لیکن وہ ٹھیک نہ ہوسکا' اس کے لیے کل وقتی ملازم اور نرس کا انتظام کیا گیا لیکن وہ پاکستان واپس آنا چاہتا تھا۔ وہ اسے واپس نہیں بھیجنا چاہتے تھے لیکن ہانیہ اسے جاکر لے آئی۔ واقعی ضروری نہیں زندگی صرف اپنی اپنی ہی گزاری جائے' کبھی کبھار دوسروں کے لیے بھی جی کر دیکھ لینا چاہیے' اس نے جرار کی سب خطائیں بھلا کر اس کی خدمت کو اپنا شعار بنالیا تھا۔

سزا اور جزا کا فیصلہ تو وہ رب کرتا ہے' ہم انسان کون؟ تو کبھی نہ جھکنے والی' جب ٹوٹ کر بکھری اور بکھر کر سمٹی تو ایک

نئے وجود میں ڈھل گئی' بہت کچھ ہمارے اختیار میں ہوتے ہوئے ہمارا نہیں ہوتا اور بہت کچھ پہ ہمارا اختیار نہیں ہوتا لیکن وہ ہمارا ہوتا ہے۔ ہانیہ جرار نے اپنے آپ کو مکمل بدل لیا تھا۔



اس غریب محلے کے باہر ایک بڑی گاڑی کیا آن کر رکی بچوں کا جم غفیر اسے دیکھنے کو آن موجود ہوا۔ وہ اس گاڑی کو ہاتھ لگا کر چھونے کی خواہش رکھتے تھے لیکن ڈر رہے تھے کہ گاڑی میں بیٹھا آدمی انہیں چپیٹی نہ لگا دے اور اس وقت ان کی آنکھیں اور کھلیں جب اندر سے نکلنے والی خوب صورت پری نے ان کے پاس آ کر پوچھا۔ "گڈے موچی کا گھر کہاں ہے؟" تو میلے کچیلے اکبر نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے گلی کے اندر لے گیا۔ اس نے پلٹ کر ڈرائیور کو اشارہ کیا اور ان کے پیچھے چل پڑی' گلی کے دروازے کھلتے گئے اور وہ تمکنت سے چلتی اس دروازے پر آ کھڑی ہوئی جہاں اسے بھیک مانگنا تھی' اس نے دروازہ ہلکے سے بجایا اور اندر داخل ہوگئی' کئی ثانیے حیرت سے وہ اندر کا ماحول دیکھتی رہ گئی تھی۔



سیاہ جوتے میں مقید پاؤں اس کے آگے تھے اور وہ ان پر پالش لگانے کے بعد چمکانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے یک لخت اپنے پاؤں کھینچ لیے' گڈے موچی نے سر نہیں اٹھایا۔

"تو تم نہیں بتاؤ گے کہ تم کون ہو؟" اس نے پوچھا۔

"آپ روز ایک ہی سوال مت کیا کریں بی بی۔" گڈے موچی نے ایک دوسرے جوتے کا ٹکوا جوڑنا شروع کیا۔ ہانیہ چند لمحے خاموشی سے کھڑی رہی' ماحول تھم سا گیا تھا۔

"میرا شوہر معذور ہے۔" وہ بولی تو گڈے نے بلا ارادہ سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ہانیہ کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ (میں معاف کرتی ہوں اپنے بیٹے کا خون لیکن تو میرے دوسرے بیٹے کی زندگی بخش دے' اپنی محبت اس سے واپس لے لے اور اسے جینے دے)

"میں چاہتی ہوں تم میرے شوہر کے اٹینڈنٹ بن جاؤ' منہ مانگی رقم ملے گی' اس فٹ پاتھی سے بھی نجات مل جائے گی' معقول رقم دوں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے پیشکش کی۔ عبدالحسیب نے دیکھا وہ واقعی اسے نہیں پہچان رہی تھی یا تھک گئی تھی؟ اتنے دنوں سے وہ یونہی فکر مند ہو رہا تھا۔ ہاں وہ یونہی بھی تو آ سکتی تھی ان جیسی سر پھری لڑکیوں سے کیا عبث۔

"دیکھو میرا شوہر بہت بڑے خاندان سے ہے' خود بھی بہت بڑا افسر رہ چکا ہے' ایک محل سے دوسرے محل تک کا سفر کیا ہے میں نے' دولت' طاقت' دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے ہر ضروری چیز ہے میرے پاس...... میرے بڑے اتنے طاقت ور ہیں کہ بندہ مروا دیں اور کسی کو جرأت نہ ہو ان پر انگلی اٹھانے کی اور یہ جو میں تمہارے پاس روز آ رہی ہوں تو محض اس لیے کہ تمہیں جانچ رہی تھی کہ تم یہ کام کر سکتے ہو یا نہیں؟" وہ بول رہی تھی اور نظریں عبدالحسیب پر جمائی ہوئی تھیں۔

"اچھا وہ بندہ بھی واپس کرو۔" جتنا بے ربط وہ بول رہی تھی کوئی بھی ہوتا اس کی ذہنی حالت کو سمجھ جاتا۔

"جی......" اس نے بکسا کھولا اور چیزیں الٹ پلٹ کرنے کے بعد ایک پولی تھن کی تھیلی باہر نکال لی۔

"یہ لیں جی میڈم۔" اس نے تھیلی ہانیہ کی طرف بڑھائی جسے اس نے فوراً تھام لیا۔

"گڈ...... تم اس امتحان میں بھی پورے اترے۔" اس نے دونوں بندے تھیلی میں موجود پا کر اسے شاباشی دی۔

"تو پھر...... میری آفر قبول ہے تمہیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ عبدالحسیب نے اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ سوالوں کے جواب نہیں دیے جاتے۔

"میں موچی ابن موچی ہوں جی اور اتنا جانتا ہوں جوتا جتنا مرضی مہنگا بیچ لو آخر اس کی جگہ پیروں میں ہی ہوتی ہے' میں ادھر ہی ٹھیک ہوں جی۔ آپ کا شکریہ۔" وہ اپنا سامان سمیٹ چکا تھا اور اب اٹھنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ دور درخت کے ساتھ اس کی سائیکل کھڑی تھی۔ ہانیہ نے پرس کھول کر ہزار ہزار کے کئی نوٹ نکالے اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"اتنے دنوں سے میرے جوتے صاف کر رہے ہو' یہ تمہاری اجرت۔ تمہارا گھر تو اسی دیہاڑی سے چلتا ہے ناں۔" پرانا غرور اس پر لوٹ رہا تھا۔ عبدالحسیب نے سر نہیں اٹھایا تو اس نے روپے اس کے آگے پھینک دیے۔ عبدالحسیب کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا' محبت اور عزت برابری کے درجے پر ہوتی ہیں۔

"رکھ لو...... کام آئیں گے تمہارے۔" وہ پھر بولی۔ عبدالحسیب نے پانچ سو کا نوٹ اٹھایا اور بولا۔

"میری اجرت چار سو پچانوے روپے بنتی ہے یہ آپ کا بقایا۔" اس نے پانچ روپے کا سکہ ان روپوں کے اوپر رکھ دیا۔ ہانیہ مسکرا کر باقی پیسے اٹھانے لگی' عبدالحسیب کا بیٹھنا محال ہوگیا

تھا۔ اس کے بعد اس نے وہاں سے نکلنے کی جلدی کی تھی‘ آج اسے یہ یکسا پھینک دینا تھا۔ اپنے تمام سامان کے ساتھ۔ وہ چلا جارہا تھا اور محل سے محل تک کا سفر کرنے والی شہزادی اپنی گاڑی کی طرف جاتی ہوئی مڑ مڑ کر دیکھ رہی تھی‘ اس کی نظروں میں وہ کھلا صحن تھا جس کے اطراف میں کمرے تھے اور مشترکہ باتھ روم‘ وہ بوڑھی ماں‘ جو اپنوں کے غم پہ رو رو کر پاگل ہونے کو تھی۔

اس نے باہر کھڑی گاڑی پر ایک نظر ڈالی پھر ڈرائیور کو کال کی‘ تھوڑی دیر بعد وہ ویل چیئر کو دھکیلتا اس کے پاس آ گیا تھا۔ کھلے احاطے میں بنے کمروں کے نفوس باہر نکل آئے تھے اور اسے حیرانگی سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اندر آئی۔

”مجھے گڈے موچی کے گھر والوں سے ملنا ہے۔“ اس نے اپنا مدعا بیان کیا اور سب نے یکبارگی برگد کے درخت کے نیچے بیٹھی اس عورت کو دیکھا جو گڈے موچی کی ماں تھی۔ ہانیہ نے ڈرائیور کو باہر رکنے کا اشارہ کیا اور چیئر دھکیلتی درخت کے نیچے آ گئی۔ سوئی دھاگہ لیے وہ کوئی کپڑا سی رہی تھی۔

”السلام علیکم۔“ اس نے دھیرے سے کہا۔ کریمے کی بیوی بھاگ کر کرسی لے آئی اور ہانیہ کو پیش کی۔ فاطمہ نے سر اٹھا کر اسے پہچاننے کی کوشش کی۔

”میں ہانیہ ہوں۔“ اس نے اپنا تعارف کروایا۔ فاطمہ کی حیرت میں کمی نہیں آئی اس نے پہلے ہانیہ اور پھر جرار کی سمت دیکھا‘ سب لوگ متجسس نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔

”یہ میرا شوہر ہے جرار‘ جس نے آپ کے بیٹے کا ان کاؤنٹر کیا تھا۔“ اس نے بنا توقف کے کہا۔

”کیا.....! کیا؟“ فاطمہ کے پلے کچھ نہیں پڑا۔

”مارا..... مارا‘ مطلب پولیس مقابلے میں۔“ اس نے وضاحت دی‘ فاطمہ کے ہاتھ سے سوئی گر گئی‘ وہ بیٹھے سے کھڑی ہو گئی۔

”میرے گڈے کو؟“ وہ کافی دیر بعد بول پائی۔

”جی.....“ ہانیہ نے سر ہلایا۔ ”میں یہ کہنے آئی ہوں.....“ اس نے بات ادھوری چھوڑی۔ فاطمہ سکتے کی حالت میں ایک ٹک کھڑی جرار کو دیکھ رہی تھی۔ قاتلوں کے چہرے ایسے ہوتے ہیں۔

”میں نے سوچا تھا‘ سوچ رکھا تھا کبھی جو مجھے وہ شخص مل جائے جس نے میرے معصوم بچے پر الزامات لگائے‘ اسے جان سے مار دیا‘ تو میں بھی گن گن کر گولیاں اس کے سینے میں اتاروں گی۔ تم اندازہ کرسکتی ہو اس دکھ کا‘ اس اذیت کا جو ہم نے عبدالمعیز کے بعد اٹھائی؟ جیتے جی مر گئے ہم‘ ہم تو آخری بار اس کا دیدار بھی نہیں کر سکے...... عبدالمعیز کی موت ہم سے ہماری زندگی بھی لے گئی۔ وہ تو ایک پرندہ نہیں مار سکتا تھا اور تم لوگوں نے اسے دہشت گرد بنا کر مارا‘ تمہیں اندازہ ہے اس گھر میں ایک موت نہیں ہوئی تھی۔ تین موتیں اور بھی ہوئی تھیں‘ مر گئے تھے ہم سب۔“ وہ جیسے خواب میں بول رہی تھی۔ ہانیہ نے آگے بڑھ کر پاؤں پکڑ لیے۔

”ہمیں معاف کردیں‘ اللہ کے واسطے ہمیں معاف کردیں۔ یہ دیکھیں‘ یہ آپ کا مجرم ہے‘ آپ کے سامنے ہے‘ بہت تکلیف میں ہے۔“ اس نے فاطمہ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ فاطمہ کے دل پر قطرہ قطرہ آنسو گر رہے تھے جو تکلیف انہیں جھیلنے کو ملی تھی اس کا کوئی مداوہ تھا۔

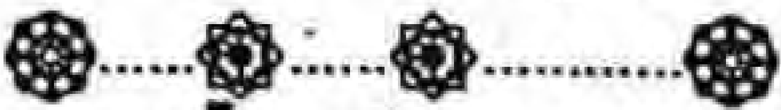
”ہمارا کیا قصور تھا؟“ اس نے سوال کیا۔

”قصور میرا تھا۔“ ہانیہ نے سر جھکا کر اعتراف کیا اور فاطمہ رونا بھول کر اسے دیکھنے لگی۔

”میرا قصور تھا۔“ فاطمہ کے ننگے پیروں پر جیسے انگارے گرے‘ اس نے ترنت اپنے پاؤں کھینچے۔ ہانیہ نے سر اٹھایا تو چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

فاطمہ نے ایک نظر اس بے بس ولاچار شخص پر ڈالی جو کبھی غرور کی آخری سیڑھی پر کھڑا ہوتا تھا‘ جو انسان کو کیڑے مکوڑے سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا اور آج خود ایک کیڑے سے زیادہ لاچار اور بے بس تھا۔ ایک پل بس ایک پل کی مار ہے انسان عرش سے فرش ہونے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے۔

فاطمہ نہیں جانتی تھی یہ لڑکی کون ہے‘ کہاں سے آئی ہے؟ لیکن اس کے دل نے گواہی دی تھی عبدالحسیب جس کے عشق کا روگی ہوا پھرتا ہے وہ یہی لڑکی تھی اور کوئی تیسرا جانتا ہی تھا کہ عبدالمعیز نے کس کے حصے کی گولی کھائی تھی۔ فاطمہ نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما اور آہستہ آہستہ کچھ بولنے لگی۔ ہانیہ کے بہتے آنسوؤں میں مزید شدت آ گئی تھی۔



وہ چلا جارہا تھا اور ہانیہ اسے دیکھ رہی تھی‘ اس کے قدم گن رہی تھی۔ فاطمہ نے اسے کہا تھا کہ اس نے اسے معاف کیا لیکن بدلے میں اسے اپنا آپ عبدالحسیب سے واپس لینا تھا۔ اس

عبدالحسیب سے جس سے اس نے بے پناہ محبت کی تھی‘ جس کی زندگی بچانے کے لیے وہ اس محبت سے دستبردار ہوگئی تھی۔ خون رائیگاں نہیں جاتا‘ بھلے اس میں دیر ہو جائے لیکن ایک نہ ایک دن وہ خون رنگ ضرور لاتا ہے۔

ڈیڈر فاقت زبیر احمد فالج زدہ ہوکر اپنے بڑے محل کے ایک کمرے میں لاچار پڑے تھے وہ محل جس کو کھڑا کرنے کے لیے انہوں نے ہر جائز و ناجائز کام کیا تھا‘ اب ان کا جانشین حذیفہ تھا۔ اس روز وہ اگر جرار کو چھوڑ کر چلی جاتی تو شاید کچھ بھی نہ ہوتا لیکن یہاں پھر اس نے دل کی سن لی تھی‘ ایک بے بس لاچار سے کیا بدلہ لینا؟ اسے اس شخص سے نہیں ملنا تو پھر کیوں چھوڑ کے جاتی اور کس لیے؟ وہ بے ایمان نہیں تھی‘ خائن بھی نہیں تھی اس نے پوری ایمان داری سے جرار کے ساتھ رشتہ نبھایا تھا۔ ہاں جب پتا چلا کہ عبدالحسیب زندہ ہے تو پھر اس نے ضرور ڈھونڈا تھا۔ وہ معافی مانگنا چاہتی تھی اپنے لیے‘ اپنے باپ اور بھائیوں کے لیے اور اس شخص کے لیے جو سب سے زیادہ زیر عتاب آیا تھا۔ جو اس کے نصیب میں لکھ دیا گیا تھا۔ فاطمہ نے جب اس سے کہا تھا کہ وہ اپنا آپ عبدالحسیب سے واپس لے لے تو وہ کئی ثانیے فاطمہ کا چہرہ تکتی رہ گئی تھی۔ محبت میں بے وفائی کی معافی نہیں ہے‘ چاہے رل رل کے بوڑھی ہو جائے بدلہ اپنے اندر زندہ رکھتی ہے‘ اس نے عبدالحسیب کو اپنے رویے سے باور کرادیا تھا کہ وہ اس کو بھول گئی ہے اور بکسے میں جلدی جلدی چیزیں بھرتے عبدالحسیب نے ایک چیز وہیں چھوڑ دی تھی۔

ہانیہ کے قدموں میں ہانیہ کا مان۔

محبت کب واپس ہولی ہے؟ یہ کوئی چیز تھوڑا ہی ہے کہ دے کر واپس لے لی جائے؟ کتنا اچھا ہوتا جو محبت میں یہ اصول بھی رائج ہوتا کہ اگر محبت پہ اختیار نہ رہے تو اسے واپس کر دیا جائے یا پھر کسی اور کو بخش دی جائے۔ وہ محبت نبھاتے نبھاتے مر گیا تھا۔ تھک گیا تھا۔

شہزادیاں محبت کی زمین پر اتر بھی آئیں تو پاؤں جل جانے کے خوف سے واپس مڑ جاتی ہیں۔ کون ہجر کا صحرا پاٹے...... کون کشت اٹھائے؟ یہ تو فقیروں کا وصف ہے۔

وہ کتنی دیر دریا کے کنارے بیٹھا رہا تھا‘ بکسا دریا برد کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی...... وہ بیٹھا رہا یہاں تک نارنجی کرنوں نے ہر شے نارنجی کردی۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے واپس گھر آیا اور فاطمہ کی گود میں سر رکھے رو دیا تھا بے آواز۔

عشق کے مزاروں پر
جوگ لے لیا جائے
روگ ہی تو بچتا ہے
روگ کے دریچوں پر
دل رکھ دیا جائے
سوگ ہی تو بچتا ہے

وہ رویا تھا اس محبت پہ جو اس نے ہانیہ سے کی تھی اور کیے چلا جا رہا تھا۔

پھٹکنے سے کوئی پھٹکی جاتی ہے محبت
تن کو چمٹی روح کو چپکی دل کو روندتی محبت۔

سالوں سنبھال سنبھال کر رکھتے دل سے وہ چند لمحوں میں اپنا حصہ واپس لے گئی تھی۔

آدھی ادھوری چیزیں کتنی دیر زندہ رہ سکتی ہیں؟ وہ مٹھی میں دبے آدھے ادھورے دل کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا اور گاڑی میں بیٹھ کر ڈرائیور کو گاڑی اسٹارٹ کرنے کا کہہ کر شہزادی نے گھٹنوں پر سر رکھا اور چیخ چیخ کر رونے لگی تھی۔ اتنا اختیار تو تھا اس کا اور یہ دکھ محبت میں جل جانے کا نہیں تھا۔

گلی لکڑ‘ مٹھ سواہ
(گیلی لکڑی‘ مٹھی بھر راکھ)
تن بالن‘ من کولہ
(تن ایندھن‘ من کوئلہ)

یہ دکھ دل بٹ جانے کا تھا۔

وہ دل جو اس کی مٹھی میں تھا...... کٹا‘ پھٹا اور اس کے اشک اسے نیلا کر گئے تھے۔

محبت کی جدائی میں
برف لہجوں کی ٹھنڈک سے
دھڑکتا ”نیلا ہوتا دل“



حاصلِ زیست محبت

کوثر ناز

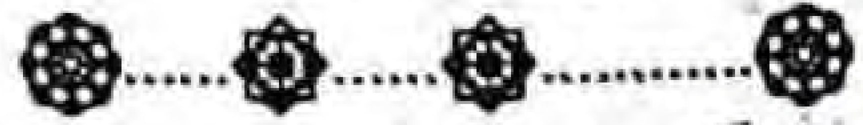
آ گہی کا سفر بس کہ دشوار ہے
جو نہیں چل رہا اس کو چلتا کریں
ٹوٹنا دل کا کوئی نئی بات ہے
بات بھی ہو کوئی جس کا چرچا کریں

''یہ مرد ذات بے وفائی کا نمونہ ہوتے ہیں' تمہاری ماں نے تمام عمر ایک مرد کے سہارے گزار دی جسے اس کا کبھی خیال نہ رہا' وہ تمہاری ماں کو کم اور دنیا کو زیادہ وقت دیا کرتا تھا' اس دنیا میں نہ جانے کیسی رنگینیاں تھیں کہ اسے کبھی تمہاری ماں نظر ہی نہ آئی۔ تمہاری ماں نے تمام عمر کلس کلس کر گزار دی۔ تمہارے ابا سخت گیر تھے تو کبھی ان کے سامنے زبان کھولنے کی ہمت نہ ہوئی تھی مگر تم اپنا حق لینے سے ہرگز پیچھے نہ رہنا' چاہے چھیننا ہی پڑے۔'' جمعہ جمعہ آٹھ دن شادی کو ہوئے تھے اور وہ اپنی بیٹی کو کیا سیکھ دے رہی تھی۔ اسلم سعید سے یہ قطعی برداشت نہ ہوا وہ بے عقل عورت اس کی بیوی اور اس کے تین بچوں کی اماں تھی جسے کبھی کسی کی بات ٹھیک نہ لگتی تھی' بس اپنی بات کو ہمیشہ فوقیت دیتی تھی' اسے لگتا تھا کہ وہ جو سوچتی ہے' بس وہی ٹھیک ہے' باقی سب اس کے خلاف ایک محاذ بنا رہے ہیں جس سے ہر حال میں ان کے الٹ جا کر اسے خود کو بچانا ہے۔

''اماں میں نے آپ کو ہمیشہ جلتے دیکھا ہے' میں نہیں جانتی تھی کہ ابا آپ سے ہمیشہ متنفر کیوں رہے مگر آپ صحیح کہتی ہیں مرد ذات بڑی بے یقین ہوتی ہے ان پر یقین کرنا گویا خود کو بے وقوف تسلیم کر لینا ہے۔'' وہ اس کی ماں کی عقل پر تو ماتم کر سکتے تھے مگر اس کی اتنی سمجھدار اور خاموش طبع بیٹی ثمن یہ کہہ رہی تھی انہیں یقین ہی نہ آ رہا تھا وہ تو بہت سلجھی ہوئی طبیعت کی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی بیٹی انہیں سمجھتی ہے کہ بیٹیاں تو باپ کی شہزادی ہوتی ہیں جیسے باپ ان کا ہر غم پڑھ لیتا ہے ویسے ہی بیٹیاں بھی باپ پر جان لٹانے کے لیے تیار رہتی ہیں' وہ ہر لڑائی میں چپ رہتی تھی۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اس کی ماں ان کے خلاف اس کے کانوں میں کیا زہر بھر رہی ہے ظاہر سی بات ہے بچی کو کبھی باپ کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ہی نہ ملا تھا جبکہ ریحانہ ہر وقت بچی کے ساتھ رہتی تھی۔ انہوں نے ثمن کے دماغ میں جو بھرا دہی اس میں نقش ہوتا چلا گیا مگر وہ اپنی بیٹی سے دور کیوں رہے انہوں نے آج ثمن کو بتانا تھا۔

وہ ان کی روز روز کی چخ چخ اور پھر اسلم سعید کی گھر سے غیر حاضری کو اپنی ماں کی زبانی سن کر ان کے مطلب کے معنی پہنا کر سوچا کرتی تھی اسے اپنی داستان بھی سنائی تھی اسے مردوں سے متنفر بھی اس کی ماں نے ہی کیا تھا پہلے وہ کہا نہیں کرتی تھی مگر جب شادی کے بعد اس کے شوہر نے اسے اپنی ناکام محبت کی داستان سنا کر کچھ وقت مانگا تو اس کے دماغ میں ماں کی سب باتیں تازہ ہو گئیں اور وہ سعد خان سے متنفر ہو گئی اور جب ماں کو یہ قصہ سنایا تو ماں

نے اپنی مظلومیت کے قصے سنائے اور خوب ہمدردی سمیٹی اور پھر اسے اپنا حق وصول کرنے کا گر سکھایا جو کہ اسلم سعید کو ایک آنکھ نہ بھایا۔ وہ اپنی زندگی تباہ کر چکے تھے مگر بیٹی کی زندگی تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔



"زندگی میں کچھ حادثے اچانک ہوتے ہیں اور کچھ لوگ جان بوجھ کر کسی حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے تمہاری ماں سے شدید محبت کی...... نہیں ایسا قطعی نہیں لیکن جو تمہاری ماں کہتی ہے کہ میں نے اس سے کبھی محبت نہ کی بلکہ کسی اور عورت میں دلچسپی رکھی تو یہ سراسر مجھ پر الزام ہے۔ ثمن مجھے تمہاری ماں سے محبت تھی مگر آہستہ آہستہ ختم ہوتی گئی۔ ثمن بیٹا مرد حکمرانی کرنا چاہتا ہے خاص طور سے اپنی بیوی پر وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے ہر حکم کی تابعداری کرے مگر جب اس کے حکم کی تابعداری نہیں کی جاتی اسے منہ کی کھانا پڑتی ہے تو وہ زخمی شیر کی مانند تڑپ اٹھتا ہے اور ظالم حکمران بن کر سامنے آتا ہے اور بدنام ہو جاتا ہے مگر کبھی کبھی جب وہی حکمران سب چیزوں کو وقت پر چھوڑ دیتا ہے تو ناکام ہو جاتا ہے۔ ثمن بیٹا میں ناکام تھا مگر بدنام نہیں' تمہاری ماں نے مجھے بدنام کر دیا یہ شروع سے ہی شکی مزاج عورت تھی' میں یہ نہیں کہتا کہ میں سدھرا ہوا تھا مگر شادی کے بعد میں نے کسی آوارہ گردی میں حصہ نہیں لیا لیکن اس نے مجھ پر کڑی نگاہ رکھی' مرد محبت چاہے اور جواباً اسے شک بھری نظروں کا سامنا کرنا پڑے تو اس کا دل بجھ جاتا ہے' میں اس کے سوالوں کو اس کی محبت گردانتا تھا اور مسکرا کر صفائی دے دیتا اور یہ مسکرا کر واپس پلٹ جاتی مگر پھر آہستہ آہستہ یہ سوال بڑھتے گئے اور میں نے نظر انداز کرنا شروع کر دیا' وہ سوال بہت ہی بے تکے اور بے ڈھنگے ہوتے تھے انہیں یہ بھی بتانا پڑتا تھا کہ کیا کھایا' کتنے کا کھایا' کس کے ساتھ کھایا؟ میں بڑا امن سوچی سالڑکا تھا' چاہتا تھا کہ تمہاری ماں مجھ سے اس تفتیش کے بجائے محبت کے دو بول بولے اور میں نثار ہو جاؤں مگر تمہاری ماں کے دماغ میں یہ خلل شاید اس کے میکے والوں نے بیٹھا دیا تھا کہ اپنے شوہر پر کڑی نگاہ رکھنی ہے۔ بیٹا جب آپ محبت کرتے ہیں تو اس پر بھرپور اعتماد بھی کرنا چاہیے' محبت



میں یقین ہی آپ کے رشتے کو مضبوطی عطا کرتا ہے اور شک رشتے کو کھا جاتا ہے اور ہمارے رشتے کو بھی تمہاری ماں کے شک کھا گیا۔" وہ جانتے تھے کہ آج ان کی یہ گفتگو ان کے کردار کو کھول کر رکھ دے گی اور وہ جان لے گی جو اس کی اماں کہا کرتی تھی وہ آدھا سچ تھا' پورا سچ سنو تو معنی بدل جاتے ہیں اور پھر سب جان کر وہ اپنے گھر کو بھی سنبھال لے گی' وہ کچھ دیر خاموشی کے بعد پھر گویا ہوئے۔

"میں نے اپنے اور گھر کے سکون کی خاطر خوب محنت کی دن رات کی نوکری کی اب میں صرف گھر سونے اور کھانے کے لیے آتا تھا مگر اس پر اسے مزید شک ہوا کہ کہیں کوئی معاشقہ چل رہا ہے۔ اس نے اپنی ذہنیت کے مطابق سب کے سامنے اپنی بے بسی اور میری بے وفائی کے راگ الاپنا شروع کر دیے میں نے آہستہ آہستہ گھر آنا بالکل ہی کم کر دیا کیونکہ جتنا وقت میں گھر سے باہر گزارتا تھا پُرسکون رہتا تھا' گھر آ کر تو میرا سونا بھی حرام ہو جاتا تھا پھر اس عورت نے بے عقلی کی انتہا کر دی کہ اپنی کزن کے شوہر کو میرے پیچھے نظر رکھنے پر لگا دیا' میں نے اکثر رات کے وقت اسے اخبار کے دفتر کے باہر دیکھا مگر نظر انداز کر دیا میں سمجھا کہ کسی کام سے آتا ہوگا پھر وہ اس ہسپتال میں پایا جانے لگا جہاں میں رات کے اوقات میں پارٹ ٹائم جاب کر رہا تھا۔ وہ جاب استقبالیہ پر کھڑے ہونے کی تھی' کام ایسا ہوتا ہے سب سے مسکرا کر ملنا پڑتا ہے ان کے کزن نے مجھے وہاں کسی خاتون سے مسکرا کر بات کرتے دیکھ لیا اور گھر آ کر تمہاری والدہ کو مرچ مسالہ لگا کر سب کہہ سنایا اور پھر پورے خاندان میں یہ بات پھیل گئی کہ اسلم سعید کا کوئی معاشقہ چل رہا ہے۔ میرے لیے بے حد شرمندگی کی بات تھی اور اوپر سے یہ جاہل عورتوں کی طرح واویلا کرنے لگی۔ میرے لیے یہ سب سخت شرمندگی کا باعث تھا کہ میری شریک حیات نے مجھ پر بھروسا نہ کیا اور ایک اجنبی پر بھروسا کر کے مجھے بے اماں کر دیا۔ اس وقت تمہاری ماں کی قدر میری نظروں میں ایک فالتو شے سے بڑھ کر کچھ نہیں رہ گئی تھی۔ میں نے سمجھوتہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر تمہاری ماں کبھی تیار نہ ہوئی وہ ایک اچھی ماں ہے نہ اچھی بیوی' وہ ایک شکی عورت ہے اس نے سارا وقت مجھ پر شک کرتے ہوئے گزار دیا اور جو خلل خود اس کے ذہن میں تھا وہی اب آپ کے ذہن میں بھی ڈال دیا۔ رشتوں میں گنجائش ضروری ہوتا ہے آپ کو تھوڑی جگہ دینی پڑتی ہے۔" ساری حقیقت جان کر ثمن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اپنے باپ کی بے بسی کو پہلی مرتبہ سن رہی تھی۔ اسے ان کا ہر لفظ سچ لگ رہا تھا۔ اس نے کبھی بھی باپ کا دکھ محسوس نہیں کیا تھا ہمیشہ ماں کی سنی تھی' ماں کو بے یقین دیکھا تھا' ہر بات پر شک کرتے مگر یقین تھا کہ ابا غلط ہوں گے' جب ہی تو ماں اتنی جلتی کڑھتی ہیں' اسے لگتا تھا کہ مرد ایسے ہی ہوتے ہیں اور جب شادی کے بعد وہ ہزاروں خواہشیں لے کر سسرال گئی تو شوہر نے اپنی پہلی محبت کی ناکام داستان سنا کر کچھ وقت مانگا تو ثمن کو اپنی اہانت محسوس ہوئی اور وہ اپنی ماں کی باتوں پر اور شدت سے ایمان لے آئی مگر اب باپ کی باتوں کو سن کر اسے بے حد شرمندگی ہو رہی تھی۔ وہ عقل رکھتے ہوئے بھی غلط سوچتی رہی' اس نے کبھی باپ کے نظریے کو جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی کہ جو شخص خاموش رہتا ہے ہمہ وقت چپ کا قفل باندھے رکھتا ہے وہ دل میں کتنے دکھ لیے پھرتا ہے' آنسو بہنے کو بے تاب تھے اس نے نگاہیں جھکا لیں تو اسلم سعید نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا انہوں نے دروازے کے باہر کھڑی اپنی بیوی کو دیکھا اور پھر گویا ہوئے۔

"میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں' ایک دوسرے کے عیبوں کو ڈھانپتے ہیں لیکن جس خاتون پر تمہاری ماں نے شک کیا ساری عمر وہ مجھے اسی عورت کا طعنہ دیتی رہی اور مجھے علم بھی نہیں کہ وہ خاتون تھی کون۔ بیٹا میں شاید یہ راز اپنے اندر ہی دفن رکھتا مگر میری زندگی آپ کی زندگی سے بھی جڑی تھی آپ کے رشتے کو اس امتحان سے بچانا تھا جس کا نتیجہ بے ثمر ہے' میں ساری عمر اس کا نتیجہ نہ اخذ کر پایا سوائے محرومیوں کے میرے پاس کچھ

نہیں رہا بیٹا ہر مرد دل پھینک نہیں ہوتا اور شادی سے پہلے ہر مرد ایک دو محبتیں تو بھگتا ہی چکا ہوتا ہے مگر وہ سچی محبت اپنی بیوی اور اولاد سے ہی کرتا ہے۔ مرد کو سچی محبت درکار ہوتی ہے جہاں سے وہ مل جائے وہی اس کا ٹھکانہ بن جاتی ہے گھر میں ملے تو گھر جنت اور باہر ملے تو گھر جہنم سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اور جب توجہ اور محبت نہ پا کر وہ دوسری سمت کھنچتا ہے تو قصور وار پھر مرد کو ہی ٹھہرایا جاتا ہے' تمہاری ماں نے جتنے طعنے دیے ایسے میں مجھے کسی سے محبت ہو ہی جانی چاہیے تھی مگر میں بدکردار مرد نہیں تھا۔ جنہیں محبت ہوتی ہے سب کے سب بدکردار نہیں ہوتے۔ انسان کو سب کچھ اپنے نظریے سے نہیں دیکھنا چاہیے' آپ کی رائے غلط بھی تو ہو سکتی ہے' آپ کی سوچ بھی الگ ہو سکتی ہے' آپ کا نظریہ یا آپ کی بات حرف آخر نہیں ہوتی' آپ جتنی محبت اپنے شوہر کو دو گی' جتنی توجہ اسے حاصل رہے گی آپ جتنی اسے فوقیت دو گی وہ حکمران سے غلام بنتا چلا جائے گا۔ مرد کو محبت درکار ہوتی ہے اور وہ محبت کے دو بولوں سے پگھل بھی جاتا ہے' آپ اپنی ماں کی طرح بے عقلی کر کے اپنے گھر کا سکون' چین برباد نہ کرنا' اپنی زندگی عذاب نہ بنانا' اپنے شوہر کو سمجھنے کی کوشش کرو' دنیا میں سب ہی فرشتے نہیں ہوتے' غلطیاں انسان ہی کرتے ہیں مگر آپ کا ظرف بڑا ہونا چاہیے' آپ کسی کو جیتنا چاہتے ہیں تو معاف کرنا سیکھیں۔'' اسلم سعید کی باتیں ثمن کے دل میں اتر رہی تھیں اور اس نے خود سے وعدہ بھی کیا کہ وہ اپنے شوہر کو محبت سے جیتنے کی کوشش کرے گی' اس کے شوہر نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ اسے اپنی بیوی نہیں مانتا' اس نے سنبھلنے کے لیے کچھ وقت مانگا تھا اور وہ اتنا وقت دل و جان سے اس کی خدمت میں گزار کر اسے پانا چاہتی تھی۔

باہر کھڑی ریحانہ اسلم نے آج اسلم سعید کی زبانی ان کے دل کا حال جانا تو ہر موڑ' ہر راہ پر اپنا آپ مجرم نظر آیا' انہوں نے تو زندگی میں کبھی بھی کچھ حاصل نہیں کیا اور اسلم سعید حاصل زیست محبت کو گردانتے تھے' انہیں اپنی تمام کوتاہیوں کا اندازہ تھا مگر اب وہ تمام عرصہ ختم ہو چکا تھا جب انہیں محبت و توجہ درکار تھی' اب وہ اس سب کے عادی بن چکے تھے اور عادت بھی پختہ والی کہ اب انہیں کسی کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ انہیں اپنے خسارے کا اندازہ آج ہوا تھا۔

''مجھے امید ہے میری بیٹی اپنی ماں کی طرح غلطی نہیں دہرائے گی' سب کا دل محبت' چاہت اور صبر سے جیتنے کی کوشش کرے گی۔'' اسلم سعید نے کہا تو آنسو بھری آنکھوں سے اس نے فوراً گردن کو اثبات میں جنبش دی اور مسکرا کر کہا۔

''جی ابو جی۔'' تو وہ نہال ہو گئے اور اسے اپنی پُرشفقت پناہوں میں بھر لیا۔ ریحانہ اسلم نے خاموشی سے اپنے آنسو صاف کیے اور باہر کے باہر ہی پلٹ گئیں۔ ندامت' پچھتاوا تھا مگر ہمت نہیں تھی' اسلم سعید نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا تو ہنس دیے کہ آج بھی وہ بے وقوف بے معافی مانگنے کے بجائے رونے بیٹھ جائے گی مگر وہ انہیں معاف کر چکے تھے' ہر غلطی' ہر کوتاہی کو کیونکہ ان کی بیٹی کو وقت پر احساس ہو گیا تھا اپنی غلطی کا اور اب وہ اپنی زندگی سنوارنے کا ارادہ کر بھی چکی تھی تو انہیں بھی کوئی عار نہ محسوس ہوا کہ ابھی زندگی جتنی بھی تھی وہ محبت سے اس بے وقوف کے سنگ گزارنا تھی کہ ان کا یقین تھا کہ عمر کی کمائی محبت ہونی چاہیے' عمر بھر کا سرمایہ محبت ہونا چاہیے۔



قسط نمبر 21



عشنا کوثر سردار

بات تھی محبت کی
اور تم محبت پر
ایک ہی محبت پر
کب یقین رکھتے تھے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

وقار الحق آگ سے فاطمہ بی بی کو بچالیتے ہیں۔تاج بیگم کی ہدایت پر ملازم آگ بجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔فاطمہ بی بی وقار الحق کی مشکور ہوتی ہیں کہ انہوں نے بروقت پہنچ کران کی جان بچائی۔نواب صاحب کو جنت بی بی پر شک ہوتا ہے کہ انہوں نے فاطمہ کوراستے سے ہٹانے کے لیے یہ سازش کی اور کمرے میں آگ لگوائی اس حوالے سے وہ وقار الحق سے بات کرتے ہیں جس پر وقار الحق لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں جنت فاطمہ بی بی کے بچ جانے پر ریحان میاں پر غصہ ہوتی ہیں اس بار انہیں پوری امید تھی کہ فاطمہ کا قصہ ختم کر ہی دیں گی پر انہیں ناکامی ہوتی ہے۔ریحان میاں بھی مزید ان کے کام آنے سے معذرت کر لیتے ہیں جس پر جنت تلملا جاتی ہے۔رجت سنگھ محبت کے حصار میں گھیرا خود کلامی کررہا ہوتا ہے۔فاطمہ بی بی چونک کر اسے دیکھتی ہیں اس سے سوال کرتی خود الجھ جاتی ہیں وہ کسی صورت وقار الحق کی محبت سے دستبردار ہونا نہیں چاہتی ہیں۔رجت سنگھ بھی انہیں وقار الحق سے رجوع کرنے کا کہتا ہے۔نواب صاحب فاطمہ بی بی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں پر تاج بیگم منع کر دیتی ہیں اور وقار الحق کے ساتھ فاطمہ بی بی کو بھیجنے کی بات کرتی ہیں جس پر نواب صاحب خاموش ہوجاتے ہیں۔پنچ کو جنت کا حسن متاثر کرتا ہے اور وہ اسے حاصل کرنا چاہتا ہے پر جنت وقار الحق کی زندگی سے فاطمہ کو نکالنے کے منصوبے بنانے میں الجھی ہوتی ہے جنت پنچ کی نظر کو نہیں پہنچاتی ہے۔وقار الحق فاطمہ سے بات کرتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ فاطمہ اس کی زندگی سے جڑی رہے اور جنت ان کو کوئی نقصان پہنچادے اس لیے وہ فاطمہ کو اپنی زندگی سے نکالنا چاہتے ہیں رجت سنگھ کی آنکھوں میں وہ فاطمہ کے لیے محبت دیکھ لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ فاطمہ ان کو چھوڑ کر رجت سنگھ کی زندگی میں شامل ہوجائیں اس بات پر فاطمہ حیران رہ جاتی ہیں۔رجت سنگھ چاچا کرم دین کے سامنے محبت کے موضوع پر الجھ جاتا ہے چاچا کرم دین اسے سمجھاتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)



یہ کون سی فکر تھی جو رجت سنگھ کو لاحق ہوگئی تھی؟ کرم دین چاچا سمجھ نہ پا رہے تھے۔
"محبت کی ریاضت تکمیل رکھتی ہے میاں حب الٰہی اور حب رسول ﷺ زندگی کے رخ بدل دیتی ہے۔ عقیدہ توحید اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک انسان اپنے رب کو ہر اعتبار سے محبوب نہ بنالے۔ اللہ کی ذات الوہیت اور عبادت کے لائق ہے۔ محبت کے سب مدعی یکساں نہیں ہوتے اسی لیے اللہ پاک نے مومنوں کو شدید محبت کرنے والا کہا۔ حب الٰہی کی روشنی انسان کے دل کو حلاوت ایمان سے بھر دیتی ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ 'جو شخص اللہ کو رب مانے اسلام کو اپنا دین جانے حضرت محمد ﷺ کو اپنا رسول مانے تو اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا' اور جب ایمان کا ذائقہ چکھ لیا تو سمجھو روح اس ذائقے کی عادی ہوگئی۔ لبالب بھر گئی ایسی محبت ہمیشہ رہنے والی ہے ایک بار انسان اپنے پورے دل پوری جان پوری عقل سے اگر اس راہ پر آ گیا تو پھر روح کی روشنی کے واسطے کھلا ملنے لگتی ہے۔" کرم دین چاچا نے رجت سنگھ کے خدشات کے پیش نظر کہا تو رجت سنگھ دیکھ کر رہ گیا۔



"محبت کب تک اور کتنی خطاؤں کو معاف کر سکتی ہے؟" جنت بی بی نے کہہ کر گلاس لبوں سے لگایا۔ پنج نے ان کی مخروطی انگلیوں کو دیکھا اور پھر نگاہ گداز لبوں پر ٹھہر گئی وہ بے بسی سے مسکرا کر رہ گیا۔
"محبت تو ہر بار معاف کر سکتی ہے محترمہ مگر حسد ایک بار میں ہی مار دیتا ہے اور بے وفائی تو مار کر فوراً دفن بھی کر دیتی ہے۔" پنج کا لہجہ سرد تھا' جنت بی بی مسکرادی۔
"ارے واہ آپ تو بے وفائی کا قصہ اٹھا لائے۔ دل پر چوٹ کھائے لگتے ہیں آپ بھی۔ دوست ہیں کبھی کھل کر حال دل کہیے۔ ہم اگر مداوا نہ کر سکے تو زخم پر مرہم تو رکھ ہی دیں گے۔ تسلی کے چند حرف بھی بہت سکون دیتے ہیں پنج صاحب۔" جنت بی بی نے مسکراتے ہوئے کہا تو پنج ان کو دیکھتا رہ گیا۔



"ایسی دلکش ایسی حسین ہیں آپ۔ کیوں کسی کے ہمراہ نہیں ہو لیتیں؟ کسی ایک کے غم کا سوگ کب تک منائیں گی آپ؟" پنچھ نے الٹا سوال داغ تو جنت بی بی مسکرا دیں۔

"محبت ایمان داری سے ہوتی ہے پنچھ محترم! اس میں شرک نہیں ہوتا۔" پنچھ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا۔

"ہم نے محبت میں شرک بھی دیکھا ہے اور شرک کرنے والے بھی' خیر جانے دیجیے ہم آپ کو اس طرح ٹوٹتے بکھرتے نہیں دیکھنا چاہتے کسی نیک انسان کا ہاتھ تھام کر زندگی میں آگے بڑھ جایئے۔"

"کاش یہ اس قدر آسان ہوتا پنچھ محترم۔ محبت تنہا آگے بڑھنے نہیں دیتی۔ جس کے توسط سے ہزار دکھ ملیں اسی کے ہمراہ سکون پاتی ہے اسی میں سکون ڈھونڈتی ہے۔" جنت بی بی کے لبوں پر زخمی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"آپ اپنی بات کہیے آپ کی پتنی اور آپ میں سب ٹھیک ہے ناں' آج بہت بکھرے بکھرے لگ رہے ہیں آپ؟" جنت بی بی نے قیاس کیا پنچھ خاموش رہے پھر مدہم لہجے میں بولے۔

"کیا آپ کے شوہر نامدار آپ کو قبول کرنے کو تیار ہیں؟" پنچھ کا اچانک پوچھا گیا سوال جنت بی بی کو چونکا گیا۔

"یہ سوال اب اہم نہیں رہا پنچھ محترم' ہم ان کی صورت حال کے ساتھ انہیں قبول نہیں کر سکتے اور وہ ہماری صورت حال کے ساتھ ہمیں قبول نہیں کر سکتے۔" وہ ہنس دی عجب پھیکا سا انداز تھا پنچھ نے بغور دیکھا۔

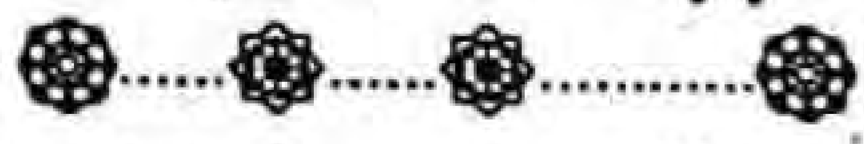
"لیکن محبت میں تو کوئی بھی حالات معنی نہیں رکھتے۔" وہ حیرت سے بولے۔

"محبت میں ہی تو حالات معنی رکھتے ہیں پنچھ محترم' محبت کی آنکھیں نہیں مگر نفع نقصان خوب دیکھتی ہے اپنے لیے گھاٹے کا سودا کون کرتا ہے؟" جنت بی بی تلخی سے مسکرائی۔

"محبت کی سوداگری تو محبت نہیں؟" پنچھ چونکے جنت بی بی خاموشی سادھ گئی پھر آہستگی سے بولی۔

"آج کل محبت کی تعریف بدل گئی ہے۔ اب حالات' واقعات سب دیکھ بھال کر پھر محبت ہوتی ہے اگر ضرورت محسوس ہو تو دیوانگی کو گھٹایا یا بڑھایا جا سکتا ہے اور جب چاہو وفاداری بھی بدلی جا سکتی ہے۔ محبت گئی تیل لینے۔" جنت بی بی بے حد برہم دکھائی دی ان کے لہجے میں شکستہ پائی خوب محسوس کی جا سکتی تھی۔

"آپ اپنی محبت کی طرف لوٹ جایئے..... آپ جوان ہیں' بے حد دلکش اور حسین ہیں اور آپ زندگی تنہا نہیں گزار سکیں گی۔ محبت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر محبت اپنی شرائط رکھے تو جواباً اپنی شرائط سمیٹ کر محبت کی شرائط پر سر جھکا دیا جائے۔" پنچھ نے کسی قدر دانش مندی سے مشورہ دیا مگر جنت بی بی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔



"جناب نوابزادہ صاحب کیا معاملات ہیں؟" نواب صاحب نے پوچھا۔ وقارالحق سعادت مندی سے سر جھکا گئے ان کو خاموش دیکھ کر نواب صاحب نے گہری سانس خارج کی۔

"رشتوں کو سنبھالنا آنا چاہیے نوابزادہ..... آپ جس طرح رشتوں سے غافل اور بری الذمہ ہو رہے ہیں اس سے رشتے نہیں بنتے۔ آپ اس مرحلے میں نہیں کہ آپ کو سمجھایا جائے اور ہاتھ پکڑ کر بتایا جائے۔" نواب صاحب نے شرم دلائی وقارالحق شرمندہ سے ہو کر ان کو دیکھنے لگے۔

"ابا حضور ہم چاہتے ہیں کسی فیصلے پر پہنچ سکیں مگر ایسا ممکن نہیں ہو پا رہا۔ ہم نا چاہ کر بھی الجھ رہے ہیں۔" وقارالحق نے بے بسی سے کہا۔

"اگر سمجھنا ایسا دشوار ہو تو مشورہ دل سے بھی ممکن ہے۔" نواب صاحب نے فیصلے میں آسانی کی غرض سے مشورہ دیا۔ وقارالحق نے سر ہلا دیا۔

”دل و دماغ ایک جگہ پر ہی تو نہیں آ پا رہے ابا حضور...... ہم کوئی جذباتی فیصلہ نہیں کرنا چاہتے مگر ہم کسی کنارے بھی نہیں پہنچ پا رہے۔ کوئی فیصلہ تو تب ہو جب دماغ اور دل ایک ہوں ہم کوئی جذباتی فیصلہ نہیں کرنا چاہتے مگر ہم کسی کنارے بھی نہیں پہنچ پا رہے کوئی فیصلہ تو تب ہو جب دماغ اور دل اپنی کہیں الجھاؤ زیادہ ہو تو پھر کیا کریں؟“ وقار الحق نے الجھن کہہ دی نواب صاحب نے اپنے سپوت کو بغور دیکھا اور پھر آہستگی سے گویا ہوئے۔

”نوابزادہ ہم آپ کے فیصلوں کو متاثر کرنا نہیں چاہتے مگر ایسا ممکن نہیں کہ دل و دماغ دونوں خاموش ہوں۔ ہوسکتا ہے آپ سن نہ پا رہے ہوں۔ آواز سننا کبھی کبھی وقت بھی ہوتا ہے ایسے میں توجہ بڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔“ نواب صاحب نے کہا۔

”ابا حضور جانتے ہیں مگر......“ وہ بولنے کی کوشش میں الجھ کر رہ گئے نواب صاحب خاموشی سادھ گئے تھے۔



کوچہ یار میں دیوار کی طرح
بے سمت بے چہرہ
بے آواز سماعت سے عاری
ایسے میں تیرگی کی خواہش نہ کرتے
تو اور کیا کرتے؟
زبان بندی نہ کرتے
تو اور کیا کرتے؟
مانے سبک مثال ہوائے شام وصال
تمام سیارگان کی ضیاؤں کو تکتے
طاق دل پر رکھ کئی شمس و قمر
گردش وقت کی پگھلتی ہوئی رفتار
کوئی ناشنیدہ راز
شرح رمز نہ شرح و بسط
شرح آرزو کی کوئی
نہ خواب ہو پانے دیے
گوشۂ چشم سے ایجاد اشارت کنائت کیے
نہ ہی آمادہ ہوئے ترک محبت پر
محیط عشق ہوئے نہ محیط یکساں رہے

محمد جہانگیر نے کن انکھیوں سے فاطمہ بی بی کی طرف دیکھا لاکھ چاہا تھا کہ نگاہ نہ بھٹکے مگر نظر آخر نظر تھی اور دل پھر دل تھا۔ نہ دل پر اختیار تھا نہ نگاہ پر۔ دل کیسا بے چین کر دیتا ہے کہ سارا اختیار دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے۔ وہ خود کو جو باندھنے کے جتن کرتا تھا تو کوشش بے کار جاتے ہوئے دیکھ کر وہ ماسوائے افسوس کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ دل یکبارگی سے دھڑکتا تو اختیار کے پرخچے اڑ جاتے۔

”اف یہ دل......“ وہ گھبرا کر نگاہ پھیر جاتا۔ ”سینے میں کیا رکھ دیا میرے مولی؟ دینا تھا تو کوئی ایسی شے دی ہوتی کہ سنبھالی

جا سکتی یہ دل دے کر کیوں بے اختیار کردیا۔ کوئی سنگ وخشت ہوتا تو حوالے ڈھونڈنے پڑتے نہ جواز دینے پڑتے۔'' جہانگیر بے چینیوں کو سمیٹے کی تگ ودو کررہا تھا جب فاطمہ بی بی نے پکارا۔

''رجت سنگھ جب دل نہ سنبھل رہا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟'' فاطمہ بی بی کی سمت دانستہ نگاہ کی تو وہ بہت بکھری لگیں آنکھوں میں حد درجہ ویرانی سمیٹے وہ اس کی سمت اگرچہ متوجہ نہ تھیں مگر ان کا سوال پاگل کردینے والا تھا۔

وہ جن کے لیے اس کا دل اضطراب میں گھرا تھا ان کا دل کسی اور کے سبب بے چینیوں کے زیر تھا یہ کیسی محبت تھی؟ محبت مثلث جیسی شکل اختیار کرکے کتنے خانوں میں بٹ رہی تھی؟ اس کا رخ ان کی طرف تھا اور ان کا جھکاؤ کسی اور سمت۔ محبت قاتل تھی اور محبوب بھی تھی وہ کوئی راہ ڈھونڈتے تو کس طرح محمد جہانگیر نے سر نفی میں ہلا دیا پھر ان کے ادب کے خیال سے مدہم لہجے میں بولا۔

''بی بی صاحب ہم نہیں جانتے۔ محبت سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔'' وہ جھکی نظروں سے بس اس قدر کہہ سکا اور فاطمہ چونکیں۔

''ہم نے محبت کے ذکر کب کیا رجت سنگھ؟ ہم نے تو دل کی بات کی اور......'' فاطمہ بی بی بولتے بولتے رک گئیں رجت سنگھ نے کوئی جواب نہ دیا پھر قدرے توقف سے بولا۔

''بی بی صاحب ہم آپ کے نجی معاملات میں مداخلت کا کوئی حق تو نہیں رکھتے مگر ایک بات کہنا چاہیں گے۔'' محمد جہانگیر بولا۔ فاطمہ بی بی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تب ہی وہ بولا۔

''ہم نہیں جانتے ہمیں کہنا چاہیے کہ نہیں مگر ہم رہ بھی نہیں پا رہے۔ کبھی کبھی دل کی سننا بہت ضرور ہو جایا کرتا ہے فاطمہ بی بی۔'' جہانگیر نگاہ چرائے گویا تھا فاطمہ بی بی الجھن سے اسے دیکھ رہی تھی۔ الفاظ کا الجھاؤ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو رجت؟'' فاطمہ نے الجھ کر پوچھا۔

''آپ اپنی زندگی میں لوٹ جائیں بی بی صاحب اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں۔ وہ آپ کا گھر ہے نوابزادہ صاحب سے بہتر کوئی ہمسفر نہیں ہوسکتا۔ آپ کو دیر نہیں کرنا چاہیے گھر لوٹنے میں دیر کیسی؟'' جہانگیر مدہم لہجے میں بولا۔ فاطمہ بی بی نے اس کی سمت نگاہ کی نظر سے نظر بے واسطہ ملی۔ جانے ایک لمحے میں کیا ہوا کہ فاطمہ بی بی نگاہ چرا گئیں۔

''نوابزادہ صاحب بہت محبت کرتے ہیں آپ سے۔ محبت سے بھرا دل اللہ کا گھر ہوتا ہے۔ وہ تو آپ کے مجازی خدا ہیں۔ اس دل سے دور رہنا کیا مناسب ہے؟'' محمد جہانگیر جانے کس دھن میں بولا فاطمہ بی بی نے اس کی جانب دیکھنے سے گریز کیا۔

وہ بے چین نوجوان اپنے لہجے میں کیا تاثیر رکھتا تھا؟ دل پر جیسے کسی نے مرہم رکھ دیا مگر بے چینیاں جیسے اور سوا ہو گئیں، دھڑکنوں میں ایسا ارتعاش ابھرا کہ جیسے سینے سے دل ابھی باہر آجائے گا۔ کیا تھا ان آنکھوں میں اس لہجے میں کیا تھا؟

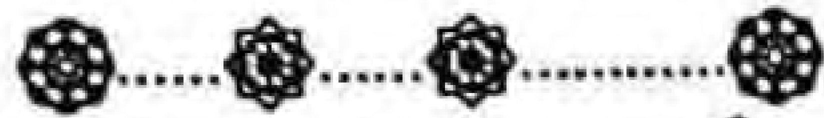
''بی بی صاحب محبت میں سوچنا منع ہے سوچو تو ذہن الجھتا ہے سو آنکھیں بند کرکے دل جو کہے وہی مان لینا مناسب ہے۔'' اس نے بہت پتے کی بات کہہ دی تھی۔

''رجت سنگھ بات یہ نہیں کہ......!'' فاطمہ بی بی نے بولنا چاہا مگر ان کی آنکھوں کی روشنیاں آنکھیں خیرہ کر گئیں۔ دھڑکنوں میں موجود ارتعاش بڑھ گیا۔ فاطمہ بی بی اپنی محسوسات پر خود آپ حیران رہ گئیں۔ وہ بے ساختہ آنکھیں میچ گئیں اور دانستہ دل میں وقار الحق کا نام پکارا۔

''وقار الحق ہم دل سے آپ کے ہیں یہ دل فقط آپ کے لیے دھڑکتا ہے ان دھڑکنوں میں فقط آپ کا نام ہے۔'' رجت سنگھ جانے کیا کہہ رہا تھا مگر وہ آنکھیں میچے جیسے دل کو باور کرا رہی تھیں۔

''وقار ہمارا دل آپ سے جڑا ہے اور اس پر بس آپ کا اختیار ہے ہم آپ کے قبضے میں ہیں' تمام اختیار آپ کو ہے چاہیں تو فنا کردیں چاہیں تو سکون بخش دیں۔'' فاطمہ بی بی عجب بے چینیوں میں گھری دل ہی دل میں وقار الحق سے مخاطب تھیں۔

''بی بی صاحب محبت کے لیے کوئی پس پشت نہیں' کوئی حیلہ کوئی بہانہ نہیں۔ محبت کہے تو اس کے ہمراہ چلیں۔ محبت کہے تو سفر موقوف کریں۔ محبت کے لیے انکار میں سر ہلانا منع ہے۔ محبت میں نفی نہیں سر فقط اثبات میں ہلنا چاہیے۔'' محمد جہانگیر بولا۔ فاطمہ بی بی اسی کیفیت میں وہاں سے نکل گئیں وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔



''دادی جان ہم نے طے کرلیا ہے ہم اپنے گھر لوٹ جائیں گے۔'' فاطمہ بی بی نے دادی جان سے کہا وہ خاموش رہیں دانستہ کچھ نہ کہا۔

''ہم نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ طے کیا ہے دادی جان۔ ہم وقار الحق کو کیا جتائیں' کس بات کا احساس دلائیں؟ یہ مناسب نہ ہوگا رشتے تو دل سے بنتے ہیں عقل کو ایک طرف رکھ کر ہر بات رد کردینا مناسب ہے یہ سمجھتا نہیں اگر سمجھوتا بھی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔'' فاطمہ بی بی نے ہر سوچ کو ایک طرف رکھ کر متانت سے کہا' دادی جان خاموش رہیں۔

''آپ خاموش ہیں؟'' فاطمہ بی بی نے دادی جان کو خاموش دیکھ کر حیرت سے کہا۔

''آپ سوچ رہی ہوں گی کہ ہم آپ کو اپنا فیصلہ سنا رہے ہیں دادی جان مگر ایسا نہیں ہے آپ کی رائے ہمارے لیے بہت اہم ہے اور آپ ہی تو کہتی ہیں کہ بیٹی جب اپنے گھر کی ہوجائے تو پھر اسے اپنے گھر میں ہی رہنا چاہیے؟'' فاطمہ بی بی نے ان کے کہے الفاظ دہرائے تو وہ طنز سے مسکرادیں۔

''کیا خوب کہی بیٹا۔ کہا تو ہم نے یہی ہے اور یہی سول آنے درست بھی ہے مگر اصول بھی کسی فاختہ کا نام ہووے اب جس طور نوابزادہ وقار الحق نے آپ کو اس دہلیز سے اٹھایا۔ اس سے واپسی اگر اس درجہ آسان ہوگئی تو کیا قدر رہ جائے گی۔ ان کو سمجھ آنا بھی تو ضروری ہے۔ اب اگر آپ اس طور دہلیز پر واپس قدم رکھیں گی تو آپ کی عزت نہیں رہے گی ان کی نظروں میں۔ سجنی وہی جو پیا من بھائے۔ سہاگن بھی ابھاگن ہووے اگر پیا کے من سے اتر جاوے۔ اگر وہ خود لینے آئے تو بات اور...... ہمیں خوشی بھی ہوگی۔ بیٹی اپنے گھر جائے' اپنے گھر میں رہے مگر حالات بھی تو موافق ہوں۔ خیر تم نے ٹھان لی ہے تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔'' وہ بری الذمہ ہوگئیں۔ فاطمہ چپ رہ گئیں۔



رات کی تاریکی میں چاند کی کرنوں سے عجب گمبھیرتا پھیلی ہوئی تھی۔ گھٹتا ہوا چاند اپنے اندر عجیب سوگواری رکھتا تھا۔ ربت سنگھ جو سونے کی کوشش میں کروٹیں بدل رہا تھا بے چینی سے اٹھ بیٹھا۔

''یہ چاند کا نکلنا کیا ضروری تھا میرے رب...... یہ اسرار تو جانتا ہے مگر چاند اگر مکمل ہی رہتا تو کیا حسن باقی رہتا؟ محبت بھی شاید ایسی ہی ہے مکمل نہیں رہ سکتی۔ مکمل ہو نہیں سکتی' مگر محبت چاند کے اس سفر کی طرح نہیں' کیونکہ محبت میں سفر گھٹاؤ کی طرف گامزن نہیں ہوتا۔ یہ سفر اختتام پزیر نہیں ہوتا ہے۔'' وہ چھت پر ٹہلتا ہوا سوچنے لگا۔ تیز ہوا میں سرسراہٹ بھلی لگی۔

رمضان کا آخری عشرہ رحمتوں سے بھرا تھا' شب قدر عبادت میں گزری تھی۔ اس نے اپنے رب سے سکون مانگا تھا مگر سکون کہاں تھا دل کا اضطراب عروج پر تھا۔

عشق منہ زور تھا
اختیار سے باہر تھا
حدود توڑتا جاتا تھا اور

دل چپ چاپ طوفانوں سے نبرد آزما تھا۔
"عشق...... یار ایسی مشکلات نہ دے۔" رجت سنگھ نے گہری سانس خارج کی۔
اگست کے مہینے میں ہوائیں تیز چلتیں تو دل اور بے چینیوں سے بھر جاتا' اس پر کن من کرتی بوندیں۔

ایک دل تھا جو تہ و بالا ہوا
جانے اور کیا تھا جو زیر و زبر ہوا
صفرائے سیاہ فتور عقل کا اب کیا کیجیے
خیام خام سہی
کار فضول رہا خانہ خراب عشق
تحصیل حاصل رہا شوق تمنا

رجت نے ہاتھ پر بوندیں لے کر بغور دیکھا تو ہر بوند میں عکس ابھرنے لگا۔
"میرے رب کوئی راہ دکھا' میں اس اضطراب سے نبرد آزما ہو سکوں' قرار پاؤں' سکون ڈھونڈ لوں ایسے بے چینیوں میں نہ بسر کر میرے مولیٰ' اس اضطراب کو قرار دے۔"

اور طمع نظر ہے جو پلٹ جاوے ہے ہر بار
اسی کوچے میں پھر دل بکھر جاوے ہر بار
سوز دل بے وجہ جنوں بے فیض
عشق لایعنی' غیر منتج' بے منفعت
سفر ناواجب' غیر بار ور' بے برگ و بار
حسن دلکش مرغوب الطبع' بلائے دل آویز
ہم کہ مفرِدق' مہجور' محزون' اندوگیں
پر ایک شکوہ عبث جو رکھتا ہے در ہم تمام شب
ایک واسطہ جو رکھتا ہے بیدار تمام شب
اس خانہ خراب جنوں کا اب کیا کریں؟
صفرائے سیاہ فتور عقل کو کیا کہیں؟

"اف...... اے عشق میرے یار ایسے زچ نہ کر۔ زمانوں کو الجھنوں سے نہ بھر میرے مولیٰ کرم کردے۔ ان مشکلوں کو آسان کردے۔ دل جو چاہتا ہے وہ خواہش عبث ہے اور بس' کچھ نہیں کچھ واجب نہیں زمانہ دستور نہیں' میرے رب زمانوں کو بے سکون سے آزاد کردے۔" رجت سنگھ بے چینی سے ٹہلتا رہا پھر تھک کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ مینہ اسے بھگونے لگی مگر وہ اپنے کپکپانے کی پروا کیے بنا ساکت کھڑا رہا۔ کیا جنوں تھا کیسی شدت پسندی تھی۔



بادل گرجے تو وقار الحق گہری نیند سے اٹھ بیٹھے' دل میں پہلا خیال فاطمہ بی بی کا آیا اور بے حد بے چینی نے اپنے ساتھ باندھ لیا۔
"ہم جیسے نئے سرے سے مبتلائے عشق ہو رہے ہیں یا رب یہ ماجرا کیا ہے؟ یہ نئی اضطرابیت کہاں سے پلٹی' ہم جو راستوں کو الگ کرنے کی سوچتے ہیں تو الجھ کیوں جاتے ہیں؟"

مشورہ دل سے بھی کرتے گر جو پاس ہوتا
شوق تمنا کی بھی سنتے جو تو ساتھ ہوتا

ہم کہ مہجور ہجر زدہ
اب جو بے فیض ہیں سو ہیں
محزون ورنجیدہ ہیں سو ہیں
خلوت گزیں درماندہ وناتواں نیا نا آ گین
ماورائے فطرت شکست خوردہ
شکوہ عبث جو رکھتا ہے دراہم تمام شب
ایک خواب سفر کرتا ہے، جو دل کے ہمراہ

خیام خام ہی
کار فضول رہا خانہ خراب عشق تو کیا؟
تحصیل حاصل رہا شوق تمنا تو کیا؟

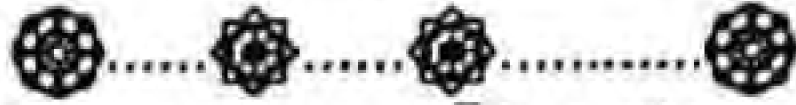
سوز دل بے وجہ ہے
اور جنوں بے فیض ہے سو کیا؟
عشق لایعنی سہی غیر ضروری بے منفعت سہی
شکست آرزو در ہے شکستہ دل ہوئے تو کیا؟
عشق پھر عشق ہے اور دل پھر دل ہے

''ہم خود سے ہار رہے ہیں فاطمہ ناظم الدین شکستہ ہو رہے ہیں آپ کے بنا سب بے یقین اور بے مہار لگ رہا ہے جیسے سب بے سبب ہو۔ خسارہ ہوا آپ کے بنا کچھ ضروری ہے تو ہم نے کیا کیا حماقتیں نہ کیں کیا کچھ روا نہ رکھا مگر آپ..... آپ کی محبت نے سب بدل دیا حتیٰ کہ ہمارے راستے اور سمت تک۔ محبت کیا کیا معجزے کرتی ہے؟ ہم انسان کہاں سمجھ سکتے ہیں ہم تو حیرتوں میں کھڑے بس قیاس آرائیاں کرتے ہیں آپ کے بنا سفر مشکل لگ رہا ہے فاطمہ زندگی گزارنا مشکل ہو رہا ہے۔ ہم فیصلوں میں ترمیم چاہتے ہیں۔ پھر جو چاہے ہو ہم جھیل لیں گے۔'' وقار الحق نے کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے کھڑکی کے در وا کیے تو بوندوں کی بوچھاڑ نے ان کو بھگو دیا۔

''ہم آپ کو نہیں کھو سکتے فاطمہ آپ کے بنا کہیں نہ زندگی ہوگی نا سکون، ہم بے چینیوں میں زندگی نہیں گزار سکتے۔ نا آپ کو کسی اور کے ہمراہ دیکھ سکتے ہیں۔ محبت میں ایسا حوصلہ نہیں ہوتا۔ ہم نے آپ کی خوشی کے لیے آپ کو چھوڑنا چاہا تھا مگر ہم ایسا نہیں کر پائیں گے۔ ہم آپ کے قابل نہیں مگر ہم پھر بھی آپ سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ آپ ہمیں خود غرض کہہ لیجیے یا کچھ اور مگر ہم کیا کریں کہ یہ دل ہمیں آپ سے دور جانے نہیں دیتا اور عشق دستبردار ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔'' وقار الحق کی پیشانی پر رگیں تنی ہوئی تھیں۔ اس خوبرو شخص کی نیند اڑن چھو تھی اور تمام راہیں مسدود دکھائی دے رہی تھیں۔

''ہم بھی کیا کیا سوچتے ہیں اور خود پر حیرت ہوتی ہے۔ ہم نے محبت کو سہل جانا دل کو نہ سمجھا اور عقل کو رد کیا خواہشوں کو خاموش کرا دیا مگر یہ راستہ نہ تھا جہاں رابطے نا ہموار ہو رہے تھے۔ ہم خود غرض بنے اپنے دل کو خاموش کرا رہے تھے مگر وہ غلط تھا۔ ہم مزید حماقتوں کے لیے تیار نہیں ہم نے دل کو بغور سنا ہے اور دل آپ کے ہمراہ کھڑا ہے فاطمہ۔'' وقار الحق نے سرد ہوا کو محسوس کیا۔ بارش کی بوندیں اپنے چہرے پر محسوس کیں اور محبت کے وجود کو از سر نو تسلیم کیا۔

"فاطمہ ناظم الدین یہ ناممکن ہوگا کہ ہم آپ سے دور نہ جاسکیں گے آپ کے ہمراہ کھڑے ہوں گے اور ہر طوفان کا مقابلہ کریں گے پھر چاہے جو ہو عشق کرامات کرے یا ستم کرے اس کی پروا کسے۔ بنا ہم آپ کے زندگی جینا نہیں چاہتے۔" وقار الحق جیسے نتیجے پر پہنچ گئے تھے اور مطمئن تھے، سکون کی کیفیت ان کی آنکھوں سے ہویدا تھی جتنی ہلچل تھی کہیں تھم گئی تھی۔



جنت بی بی نے بہت سوچ بچار کے بعد ملنے کی ٹھانی تھی۔ وہ ذہن میں فیصلہ کرچکی تھیں۔ سو اب نواب صاحب سے بات چیت ضروری تھی۔ شام میں ان سے ملاقات کا وقت مانگا مگر وقار الحق نے کوئی جواب نہ بھجوایا۔ سندیسہ لانے والے نے کہا نواب صاحب کسی کام کے لیے شہر سے باہر ہیں آپ کو ان کی آمد تک انتظار کرنا ہوگا جنت بی بی گہری سانس خارج کرکے رہ گئیں۔

"محبت مائل با کرم ہو تو عشق مائل بہ ستم ضرور رہتا ہے۔ نیا کیا ہے اس محبت میں؟" وہ طنزیہ انداز میں مسکرائیں۔

"ضروری نہیں کہ محبت ہماری مرضی کا اختتام لکھے یا ہماری خواہشات پر چلے، محبت محبت ہے کوئی غلام نہیں، اگر اپنی من مانیاں بند کرکے ہماری مرضی کی راہ اختیار کرے تو محبت کو محبت کون کہے گا۔" انہوں نے زیر لب دہرایا۔



عشق بے ترتیب
اجتناب کرتا، شش و پنج میں مبتلا
کہنے کو حرف ڈھونڈتا
گریز کرتا، تذبذب میں کھڑا
ٹوٹی کھڑکیوں سے جھانکتا ناگفتہ بہ
[illegible] بات کرتا
رگِ دل میں گرہ لگاتا
امیدیں باندھتا توڑتا
حیلے ڈھونڈتا بہانے کرتا
متزلزل و متذبذب
کہنے کو حرف ڈھونڈتا
گریز کرتا تذبذب میں کھڑا
ٹوٹی کھڑکیوں سے جھانکتا ناگفتہ بہ
عشق بے ترتیب

جانے وہ کس خیال میں تھیں کہ چائے کا کپ ہاتھ میں لرزا اور ان کے ہاتھ کی گرفت کمزور ہوگئی گرم چائے نے ہاتھ جلا دیا اضطراری عمل کے طور پر کپ زمین پر جا گرا۔

"یہ کیا کرلیا آپ نے؟" رجت سنگھ بے چین ہوکر فاطمہ بی بی کی طرف دوڑا اور ان کے ہاتھ کو تھام کر دیکھتے ہوئے یہ بھول گیا کہ وہ اس ہاتھ کو تھامنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ بدحواسی میں یہ عمل سرزد ہوگیا تھا۔ اس کا ارادہ کچھ غلط نہ تھا۔ پانی کا گلاس میز سے اٹھا کر اس نے ہاتھ پر انڈیل دیا۔

"سارا ہاتھ جلا لیا آپ نے۔" وہ ہاتھ کا جائزہ لیتے ہوئے بولا ہاتھ کی پشت پر سرخی آ گئی تھی۔ فاطمہ بی بی نے ان کے بے ساختہ اقدام پر کوئی ردعمل نہ دیا مگر اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا مگر رجت سنگھ کی مضبوط گرفت کے باعث ایسا ممکن نہ ہوا۔

وقارالحق جو وہاں دل کے معاملات سدھارنے آئے تھے اس واقعے نے ان کو شدید ترین غصے میں مبتلا کردیا وہ آگے بڑھے اور رجت سنگھ کے منہ پر زوردار مکا رسید کردیا۔ رجت سنگھ اس حملے کے لیے تیار نہ تھا سو وہ اس حملے سے دور جا گرا پہلے تو سمجھ ہی نہ پایا کہ معاملہ کیا ہے پھر وقارالحق کو دیکھ کر بات سمجھ آئی تو نگاہ جھکا کر ادب سے بولا۔

''نواب زادہ وقارالحق' ہمارا ارادہ کچھ غلط نہ تھا مگر ہم گستاخی کے لیے معذرت چاہتے ہیں۔'' وہ اس سے زیادہ وضاحت نہ دے سکا۔ فاطمہ بی بی جو اس صورت حال پر ہکا بکا کھڑی تھیں وقارالحق کو دیکھنے لگیں۔

''یہ کیا ہے نواب زادہ؟'' وقارالحق کا غصہ ان کے لیے نئی بات تھی' ان کی پیشانی کی رگیں تنی دیکھ کر وہ کسی قدر خوف زدہ ہوئیں کچھ بولنا چاہا۔

''آپ جو سمجھ رہے ہیں ویسا......'' مگر وقارالحق پلٹ کر باہر نکل گیے۔

''معذرت چاہتے ہیں بی بی صاحب مگر ہمارا ارادہ غلط نہ تھا۔'' رجت سنگھ نے گواہی دی مگر فاطمہ بی بی ان سنی کرتیں باہر نکل گئیں۔



''ہم معذرت چاہتے ہیں نواب زادہ وقارالحق اپنے ہر بدصورت رویے کے لیے ہر منفی بات کے لیے جو ہم نے روا رکھی۔'' جنت بی بی نے موقع ملتے ہی وقارالحق کے ہمراہ چلتے ہوئے دل کا معاملہ گوش گزار کیا وقارالحق نے چونکتے ہوئے انہیں دیکھا۔

''اب اس میں آپ کی کیا نئی چال ہے محترمہ۔'' وقارالحق نے جنت بی بی سے اس قدر دھوکے کھائے تھے کہ وہ اعتبار کرنے کو تیار نہیں تھے جنت بی بی خاموش ہوگئیں۔

''ہم آپ پر اعتبار نہیں کرسکتے جنت بی بی۔ آپ نے کیا سوچ کر اس ملاقات کی اجازت چاہی؟ ہمارا آپ سے کوئی واسطہ نہیں رہا ہم نے جو بھگتنا تھا بھگت چکے اب سے آپ کی راہیں الگ ہیں اور ہماری الگ' ہم نے جتنی برداشت کرنا تھا کرچکے اور آپ نے جتنا ستانا تھا آپ ستا چلیں' آپ کی شر پسندی کو جھیلنے کی اب مزید کوئی گنجائش نہیں۔'' نواب زادہ نے صاف باور کرایا۔ جنت بی بی نے خاموش ہو سر جھکا دیا۔

''ہم واقعی دل سے شرمندہ ہیں وقارالحق' ہمارا یقین کیجیے ہم نے جو بھی کیا وہ حماقتوں کے سوا کچھ نہ تھا ہم محبت میں اندھے پاگل ہوگئے تھے۔'' جنت بی بی نے سچے دل سے اعتراف کیا مگر نواب زادہ کا لہجہ قطعی رہا۔

''ان کو حماقتیں نہیں کہا جاسکتا جنت بی بی' آپ نے جو کیا وہ سازشیں تھیں جان لیوا سازشیں۔ آپ نے کسی کی زندگی کو سکون سے خالی کردیا' محبت ایسی نہیں ہوتی' اتنی انتہا پسندی محبت نہیں' ہم آپ کو معصوم نہیں قرار دے سکتے' آپ نے کسی ایک نہیں کئی زندگیوں کے ہمراہ کھیلنا چاہا اور وہ سازشیں سنگین ترین تھیں۔'' وقارالحق نے سخت لہجے میں جتایا۔

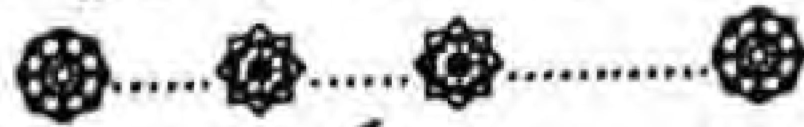
''ہم جانتے ہیں ہم نے غلط کیا۔'' جنت بی بی گویا ٹھان کر آئیں تھیں کہ اپنی زندگی کی بازی جیت کر جائیں گی سو نرمی سے گویا ہوئیں۔

''ہم نے جو کیا محبت کے لیے کیا' محبت اور جنگ میں تو سب جائز ہوتا ہے ناں۔ چلیے مان لیتے ہیں ہم منفی نظریات اور محرکات میں کچھ نہیں بہت آگے نکل گئے تھے مگر اس کی سزا کیا ہے؟ اگر آپ تجویز کرسکتے ہیں تو ہم سر جھکانے کو تیار ہیں۔'' جنت بی بی نے محبت کا مقدمہ بھرپور طور پر سامنے رکھا۔ وقارالحق انہیں کوئی جواب دیے بنا فقط دیکھ کر رہ گئے۔

کیا وہ جنت بی بی کی باتوں سے قائل ہوگئے تھے؟ جنت بی بی سمجھ نہ پائیں مگر کسی قدر امید بندھی کہ آخر وقارالحق ان کو سن رہے ہیں۔ اپنا قیمتی وقت نواز رہے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ بات بھی ان کے علم میں آ گئی تھی کہ وقارالحق دل کا احوال کہنے فاطمہ بی بی کی طرف گئے تھے اور کیسے نامراد خالی ہاتھ لوٹ آئے تھے۔ وہ غافل بھی نہیں تھیں۔ یہ موقع غنیمت تھا جب وقارالحق

کی توجہ حاصل کی تھی۔

"ہم آپ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں وقار، آپ کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔ سو مسلسل اور متواتر بے وقوفیوں کے سلسلے کا آغاز ہوا تو رکا نہیں۔ مانا محبت دان کرسکتی ہے، محبت کا دل کشادہ ہے مگر حسد بھی محبت کے ہمراہ آن کھڑا ہوتا ہے اور یہ صلاحیت بری شے ہے۔" جنت بی بی نے اعتراف کیا مگر وقار الحق نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔



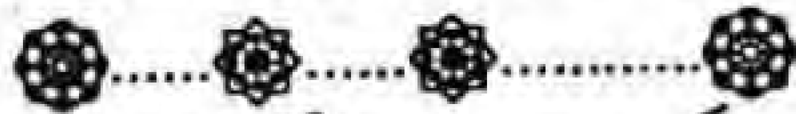
نواب صاحب آل انڈیا ریڈیو کی نشریات سن رہے تھے جب کسی اہم اعلان کی بابت بات کی گئی رات گیارہ بجے جب وہ کسی اہم اعلان کے متعلق بہت بے چینی سے منتظر تھے تو مشہور زمانہ مواصلاتی میزبان ظہور اظہر کی آواز سے خاطر خواہ تسلی ہوئی ظہور اظہر نے اعلان کیا کہ۔

آل انڈیا ریڈیو کے لاہور اسٹیشن سے یہ اعلان ہوا اور ٹھیک ایک گھنٹے بعد نواب صاحب کی سماعت نے سنا ظہور اظہر کہہ رہے تھے۔

"یہ ریڈیو پاکستان ہے آپ کو پاکستان مبارک ہو۔" ریڈیو کے میزبان مصطفیٰ علی زیدی ہمدانی نے ظہور اظہر کے الفاظ کو ترجمہ کرکے پیش کیا اور اس کے ہمراہ نواب صاحب کے حلق سے آواز نکلی۔

"اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر۔" نواب صاحب سجدے میں گر گئے۔ باہر سے شور اٹھا۔ لوگ اعلان سنتے ہی باہر نکل آئے تھے۔ خوشی سے نعرے لگا رہے تھے۔ جس خواب کو آنکھوں نے برسوں سینچا تھا آج جس خواب کو آنکھوں نے برسوں سینچا تھا اس کی تعبیر مل گئی تھی۔ نواب صاحب کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے تھے۔

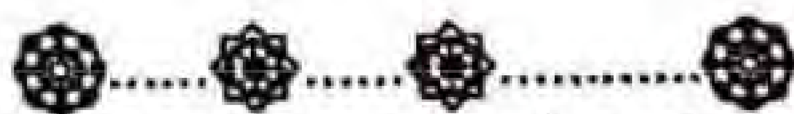
"یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے ہمیں ایک آزاد ریاست نصیب کی۔" ان کی آواز بھرا گئی تھی۔



تاج بیگم اور ان کا گھرانہ گہری نیند میں تھا جب کسی نے دروازہ پیٹا۔ کسی ملازم نے دروازہ کھولا اور اس کے ہمراہ ہی بلوائیوں کا ٹولہ اندر گھس آیا۔ تاج بیگم اس بات سے بے خبر تھیں۔ کسی ملازم نے بھاگ کر تاج بیگم کو اطلاع دی۔ وفادار ملازم بلوائیوں کو روکنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ بلوائی بپھرے ہوئے تھے جو سامنے آرہا تھا اسے کاٹ رہے تھے۔

"اماں جان اٹھیے پاکستان بننے کے اعلان کے ساتھ ہی فسادات شروع ہوگئے ہیں گھر میں بلوائی گھس آئے ہیں۔ ملازمین انہیں روکنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں مگر وہ محل کی حدود میں داخل ہوگئے ہیں آپ کو چند خاص لوگوں کے ہمراہ محل چھوڑنا پڑے گا۔" تاج بیگم اس مشکل صورت حال میں بھی مطمئن دکھائی دیں۔

"جاکر فاطمہ بی بی کو جگاؤ تب تک ہم ضروری چیزیں لے لیتے ہیں۔" تاج بیگم کے کہنے پر ملازمہ فاطمہ بی بی کے کمرے کی طرف دوڑی۔



وقار الحق گھر سے باہر تھے جب پاکستان بننے کی خبر ملی۔ فون کرکے ابا حضور کو مبارک باد دینا چاہی مگر ایسا ممکن نہ ہوا وہ ضروری کام سے ضلع کرنال آئے تھے مگر اچانک اٹھنے والے فسادات کے باعث وہیں پھنس گئے تھے۔ وہ گیسٹ ہاؤس سے باہر نہ نکل سکے۔ صورت حال خراب ہونے کی خبریں آتی رہیں۔ کوئی مسلمان ہندوؤں کے ہاتھوں شہید ہوتا تو ان کا خون کھولنے لگتا۔ وہ وہاں سے نکلنے کی کوشش میں تھے مگر سمجھ میں نہ آرہا تھا واپس لوٹیں تو کہاں جائیں؟ گھر یا پاکستان کی سمت ہجرت کا سوچیں دس دن انہوں نے وہیں گیسٹ ہاؤس میں قیام کیا کسی طرح کرکے وہ موگرا اسٹیشن سے سوار ہوئے لیکن

افراتفری تھی کہ سارا انتظام درہم برہم ہوگیا تھا اسٹیشن ماسٹر کہیں دکھائی نہ دیا گھنٹوں گاڑی کھڑی رہی وقار الحق نے کوئی متبادل راہ اختیار کرنے کی سوچی مگر غیر موافق حالات اور فسادات کے باعث ان کو ارادہ بدلنا پڑا۔ ان کے سامنے کی سیٹ پر ایک خاتون چادر لپیٹے بیٹھی تھیں۔ ان کے ہمراہ ایک پانچ چھ برس کا بچہ تھا اس نے پانی پینے کی ضد کی خاتون انہیں ٹالتی رہیں۔ نواب زادہ نے مشورہ دیا۔

"بہن آپ بچے کو پانی پلا لایئے آپ کہیں تو ہم آپ کے ہمراہ چلتے ہیں۔" نواب زادہ اٹھے خاتون جھجک کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

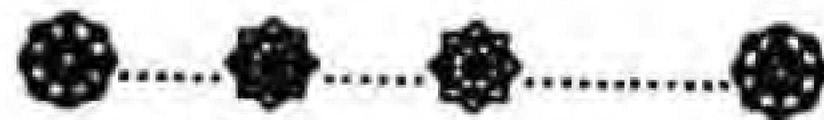
"آپ تشریف رکھیے بھائی صاحب ہم ٹرین سے اترنا نہیں چاہتے تھے پانی سے بھرے مٹکے جو قریب ہی پڑے ہیں خبر ہے ان میں ہندوؤں نے زہر ملا دیا ہے ہم بچے کے لیے خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ دوسری بات ایسے حالات میں ٹرین چھوڑنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ دوسری ٹرین نصیب ہو نہ ہو۔ ہم بیوہ ہیں ہماری کل جمع پونجی یہی بچہ ہے۔" ان کی آواز بھرا گئی وقار الحق ان کے خیال کے پیش نظر بچے کی ذمہ داری لینے کو تیار ہوگئے۔

"آپ بے فکر ہوکر بیٹھیے، ہم آپ کے لیے پانی لاتے ہیں اگر آپ کو شک ہے یا یہ درست بھی ہے کہ مٹکوں میں زہر گھول دیا گیا ہے اور ہندوؤں کا ارادہ مسلمانوں کی اموات ہیں تو ہم بچے کے لیے پانی نل سے لے آتے ہیں۔" کہنے کے ساتھ ہی وقار الحق پانی لینے کی غرض سے ٹرین سے اترے اور نل کی جانب چل دیے کسی طرح ایک برتن تلاشا اور نل سے پانی بھر کر ٹرین کی طرف چل پڑے مگر اسی لمحے ٹرین چل پڑی۔

"یا اللہ" وقار الحق نے دوڑ کر ٹرین پکڑی۔ پانی آدھے سے زیادہ گر گیا تھا۔ برتن میں جتنا پانی تھا اسے لے کر وہ خاتون کی طرف بڑھے اور پانی انہیں تھما دیا۔ خاتون جانے کیوں پانی لینے سے ہچکچائیں۔

"دل نہیں مانتا بھائی صاحب ہم خود یہ پانی پہلے پئیں گے اگر یہ زہریلا نہ ہوا تو ہم اپنے بچے کو پلائیں گے جو نقصان ہو ہمیں ہو ہمارا بچہ سلامت رہے۔" خاتون اپنے بچے کی محبت میں بولیں وقار الحق نے اس پانی کو تھمانے کا ارادہ ملتوی کیا اور تمام پانی کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔

"بہن ہم کسی جان کی ذمہ داری نہیں لے سکتے آپ دونوں کی جان قیمتی ہے اللہ آپ کو اور آپ کے بچے کو سلامت رکھے..... شاید اگلے کسی اسٹیشن پر گاڑی رکے تو ہم آپ کے لیے پانی کا بندوبست کردیں گے۔" وقار الحق نے حوصلہ دیا بچہ ان کی طرف دیکھتا رہا۔ شاید اسے وقار الحق کی بات سمجھ نہ آئی مگر ماں کے آنسو اسے خوف زدہ کر گئے اور وہ ماں کی گود میں چہرہ چھپا کر بیٹھ گیا۔ وقار الحق کو افسوس ہوا کہ انہوں نے بچے کو پانی پینے سے محروم رکھا مگر وہ کسی ننھی سی جان کو اپنے ہاتھوں زہر نہیں پلا سکتے تھے۔



"یا اللہ ہم سب کی حفاظت فرما اس مشکل وقت سے نبرد آزما ہونے کی ہمت دے۔" فاطمہ بی بی نے دل ہی دل میں دعا مانگی ڈرائیور پوری رفتار سے موٹر گاڑی کو آگے بڑھا رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھیں ان کی منزل کیا ہے مگر دل کو دھڑکا سا تھا کہ کوئی ہجوم ابھی کہیں سے نکل کر آئے گا اور موٹر کار کو روک لے گا۔ محل کے پچھلے دروازے سے نکل کر سڑک پر آتے ہوئے کئی لاشیں دیکھی تھیں۔ ان کے حلق سے آواز نہ نکل رہی تھی۔ وہ کمزور دل کی مالک تھیں کبھی کسی کو تکلیف میں نہ دیکھ سکتی تھیں۔ کسی کا خون رستا نہ دیکھ سکتیں اور کہاں گردنیں تن سے جدا دیکھیں۔ یہ خوف و ہراس پھیلانے کو کافی تھا اور جہاں تک وہ سمجھتی تھیں تو سمجھ یہی آئی تھی کہ ہندوؤں کا ارادہ مسلمانوں کے حوصلوں کو پسپا کرنا تھا۔ وہ ان کی ہمتوں کو توڑنا چاہتے تھے۔ اسی طرح لاشیں گرا کر ایک خوف پھیلا رہے تھے سو مسلمان پاکستان جانے کا جوش و ولولہ بھول جائیں مگر ان کی سوچ بھربھری ریت جیسی تھی جس کی

دیوار نہ بن سکتی تھی۔ روکنے سے راستے نہیں رکتے۔ سو سواروں کو توڑنا ناممکن تھا۔ مسلمان ہجرت کا آغاز کر چکے تھے۔
"دادی جان! ہم نواب چاچا سے ملنا چاہتے تھے جانے وہ کس حال میں ہوں گے۔" فاطمہ بی بی کو نواب چاچا کی فکر ہوئی اگرچہ وقار الحق سے ملاقات نہیں ہوئی تھی مگر ان کا خیال کہیں دل میں تھا ذہن بھٹک بھٹک کر ان کی سمت جا رہا تھا۔
"ہمیں ہجرت حاصل کرنا چاہیے تھی۔ نواب چاچا کو بھی پاکستان جانا تھا۔" فاطمہ بی بی نے فکر مندی سے کہا تو دادی جان بولیں۔
"نواب صاحب سے بات ہوئی تھی کل شب ہماری...... وقار کرنال گئے ہیں اور وہ تنہا گھر پر تھے۔ ان کے اثر ورسوخ ہیں وہ اس محل میں چپکے بیٹھے نہ رہیں گے۔ ہجرت کرنا ہے تو جان کا خطرہ تو مول لینا ہوگا۔ یہاں رہ کر تو یوں بھی خطرہ ہے۔ جائیدادیں چھیننے کو پاگل ہوئے پڑے ہیں موئے ہندو دیکھا نہیں کیسے لاشیں بکھری پڑی تھیں؟" دادی جان نے کہا تو فاطمہ بی بی چپ سادھ گئیں۔



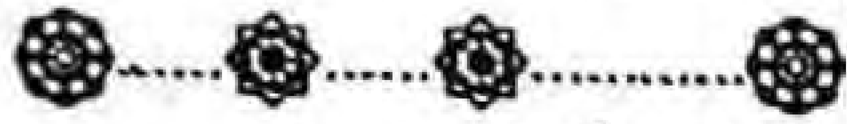
جنت بی بی سامان باندھ رہی تھیں جو ضروری اشیاء تھیں ان کا ساتھ لینا ضروری تھا۔ دوائیاں اور دیگر سامان سمیٹ کر ایک تھیلے میں بھرا کچھ نقدی بھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی جنت بی بی نے دروازہ کھولنے سے جانے کیوں گریز کیا وہ تنہا تھیں اور کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھیں۔ ان کا ہجرت کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر وہ وقار الحق سے دستبردار ہونا نہیں چاہتی تھیں۔ اگرچہ ان کے نظریات ان بھگوڑوں کی سیاست سے الگ تھے اور وہ ہجرت کو فرار کی راہ سمجھتی تھیں مگر اب عشق میں دنیاداری چھوڑنا لازم تھا۔
"ہمیں پاکستان سے کوئی لگاؤ نہیں نا پاکستان ہجرت کرنا ہمارا مقصد ہے مگر عشق کے لیے یہ کڑوا گھونٹ بھی پینا پڑے گا۔ ہندوستان میں جنے ہیں تو ہندوستان کے ہو کر ہی رہیں گے۔ اپنے آباؤ اجداد کی زمین سے فرار کیوں؟ مگر اب ہم بھی فرار کرنے والوں کی دوڑ میں شامل ہو رہے ہیں تو فقط عشق کے لیے یہ عشق بھی کیا تگنی کا ناچ نچاتا ہے۔"

تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا
تیرے عشق نے ڈیرا میرے اندر کیتا
بھر کے زہر پیالہ میں تاں آپے پیتا
جھبدے بوہڑیں وے طبیبا
نئیں تاں میں مر گئی آ
تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا

جنت بی بی وقار الحق کے متعلق سوچ کر مسکرائیں۔
"ہم آپ کے لیے تو دوزخ کی آگ میں بھی کود سکتے ہیں وقار الحق' یہ پاکستان ہے سوچل کر دیکھتے ہیں ضروری تو نہیں کہ پاکستان میں صرف وہ رہیں جو پاکستان کے حامی یا نظریات کو قبول کرتے ہیں؟ نظریات کے مخالف کی بھی کچھ جگہ تو ہوگی ناں؟ چلیے ہم مخالفت میں ہجرت کرتے ہیں' عشق کے لیے یہ کڑوا گھونٹ بھی سہی۔" جنت بی بی نے دستک پر غور کیے بنا اپنے خیالوں میں وقار الحق کا چہرہ دیکھا۔
"وقار! آپ نے آزمایا ہی نہیں جنت آپ سے محبت میں ایسی پاگل ہے کہ جان بھی دے سکتی ہے پھر یہ ہجرت کیا چیز ہے؟"

تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا

جھبدے بوٹریں وے طبیبا
حیں تامیں مرگئی آ
دستکیں دروازے پر بڑھیں انہوں نے دروازہ کھولنا چاہا مگر پھر خطرہ محسوس کر کے ارادہ ترک کیا اور بیگ کاندھے پر ڈال کر وجود کو برقعے میں چھپا کر وہ پچھلی طرف کے دروازے کی سمت دوڑنے لگی تھیں۔



رجت سنگھ کو تاج بیگم کے ہجرت کر جانے کی خبر ہوئی تو وہ اداس ہو گیا۔
''وہ تو رات کے اندھیرے میں ہی کوچ کر گئے حالات بگڑ رہے ہیں' ہر طرف فسادات نے عجب صورت حال پیدا کر دی ہے ایک جوان بچی کے ہمراہ سفر اختیار کرنا مشکل فیصلہ تھا مگر اللہ ان کا نگہبان۔'' کرم دین چاچا نے کہا۔
''انہوں نے درست فیصلہ کیا مگر ان کے ہمراہ کسی کا ہونا ضروری ہے۔ امید ہے نواب زادہ وقار الحق ان کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔'' رجت سنگھ نے کہا' کرم دین چاچا نے سر ہلایا۔
''تم نے کیا ارادہ کیا میاں؟'' کرم دین چاچا نے پوچھا۔
عشق نے خاک میں ملا دیا آخر
ایک دل جو پہلو میں شور کرتا تھا
رجت سنگھ خاموش رہا۔ کرم دین نے ان کی خاموشی کو جانچنے کی کوشش کی مگر اس کا چہرہ عبارت بیان کرنے سے قاصر رہا۔
مانند سبک مثال ہوائے شام وصال
تمام سیارگان کی ضیاؤں کو تکتے
طاق دل پر رکھے کئی شمس و قمر
گردش وقت کی پھسلتی ہوئی رفتار
کوئی ناشنیدہ راز
شرح رمز نہ شرح وسط
شرح آرزو کوئی
نہ خواب کو پیمانے دیے
گوشہ چشم سے ایما و اشارت و کنائیت کیے
نہ ہی آمادہ ہوئے ترک محبت پر
محیط عشق ہوئے نہ ہی محیط بیکراں رہے
رجت سنگھ کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔ جانے سوچ کیا تھی مگر آنکھوں کی جوت بجھی تھی کرم دین چاچا نے پوچھا۔
''کیا سوچنے لگے میاں؟ چلنا ہے تو ہمارے ساتھ چلو ہم بھی رخت سفر باندھ رہے ہیں۔ شام تک ہماری بیٹی لکھنؤ سے آ جائیں تو ہم بھی کوچ کر جائیں گے۔ ہم نے تو صاحبزادی سے کہا کہ وہ وہیں رکیں فسادات کے باعث ان کی جان کو کوئی خطرہ ہو ہم نہیں چاہتے وہ کسی مشکل میں پڑیں۔ وہ وہاں کالج میں تعلیم لے رہی تھیں۔ ہماری ہمشیرہ بھی قیام پزیر ہیں سو ان کا قیام ذہن میں تھا آج کل کے بچے ضدی ہیں مانتے نہیں کہنے لگیں ابا جان ہماری پروامت کیجیے۔ پھوپی جان کے ہمراہ دلی پہنچ جائیں گے تو مل کر آغاز سفر کریں گے۔'' کرم دین چاچا نے بتایا۔ رجت سنگھ نے سر ہلا دیا۔

"شکر ہے ہم اکثریت والے علاقے میں رہتے ہیں فسادی اگر آئے تو بچ کر نہیں جائیں گے مگر ہمارے پاس اسلحہ نہ ہونے کے برابر ہے سو اندیشہ ہے کہ اپنی مدد آپ کے تحت جتنی جلدی ممکن ہو علاقہ خالی کردیا جائے۔ جان سے بڑھ کر کچھ نہیں اور جان سے بھی بڑھ کر عصمت ہے جو خبریں سننے کو آرہی ہیں سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اللہ معاف کرے ہندوؤں اور سکھوں نے ظلم و بربریت کا عجیب بازار گرم کردیا ہے۔ مال غنیمت لوٹنے کو پاگل ہوئے جارہے ہیں۔ چونکہ یہ مسلم اکثریت والا علاقہ ہے تو ایک خوف یہ بھی ہے کہ ہندوؤں کی نگاہ میں ضرور کھٹک رہا ہوگا۔" چاچا کرم دین نے کہا تو رجت سنگھ نے سر ہلا دیا۔

"برخوردار رخت سفر باندھ لو ساتھ چلنا ہے تو پاکستان جگہ نہیں ایک نظریہ ہے اور نظریات اپنا وجود رکھتے ہیں۔" کرم دین چاچا نے کہا۔

"بجا فرماتے ہیں آپ' نظریات کے بنا وجود مردہ اور جگہیں محض ویرانے ہوتے ہیں۔ ہم آپ کے ہمراہ ضرور جانا چاہیں گے مگر اس سے قبل ہم اپنے ماتا باؤجی سے ملنا چاہتے ہیں جب تک آپ کی صاحبزادی بھی یہاں پہنچ جائیں گی۔" رجت سنگھ نے کہا تو کرم دین چاچا سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔



آیت نے چھت سے آنے والے بلوائیوں کو دیکھ لیا تھا۔ وہ اسی گھر کی سمت بڑھ رہے تھے سو اس نے تیزی سے زینہ کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ سامان جو باندھ کر رکھا تھا اسے اٹھایا اور پھوپی جان کا ہاتھ تھام کر گھر کے پچھواڑے کی سمت بھاگی۔ پھوپی جان بوکھلا کر رہ گئیں مگر آیت نے ان کو چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا' پھوپی جان صورت حال سے واقف تھیں سو وہ سمجھ گئیں کہ حملہ آور آن پہنچے ہیں۔ آیت نے عقل مندی کا ثبوت دیتے ہوئے اناج کے گودام میں پناہ ڈھونڈلی تھی اور ایک اناج کے ڈھیر میں پھوپی جان کو چھپادیا تھا اور دوسری طرف گندم کی پوری بوری انڈیل کر اپنے لیے چھپنے کی جگہ بنائی تھی۔ تیزی سے خود کو چھپا کر سانس روک کر بیٹھ گئی تھی اور دل ہی دل میں دعا کرنے لگی تھی۔ سو بلوائیوں کو ان کے متعلق خبر نہ ہو بلوائی دروازہ توڑ کر گھر کے اندر داخل ہوئے تھے افراد کو تلاشنے میں گھر چھان مارا تھا کمرے خالی تھے سو لوٹ کھسوٹ کا میدان گرم کرلیا آیت دم سادھے بیٹھی ان کی حرکات وسکنات سن رہی تھی۔

"آیت یہ لوگ تو جانے کا نام نہیں لے رہے بیٹا۔" پھوپی نے پکارا۔ آیت فکر میں مبتلا ہوگئی۔ فوراً پھوپی کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

"چپ رہیے پھوپی جان ہماری آواز سے کہیں وہ اس طرف نہ آجائیں۔ ان کو ہماری موجودگی کے متعلق خبر نہیں ہونی چاہیے ورنہ یہ کوشش بیکار جائے گی۔" آیت نے ان کو چپ رہنے کی تلقین کی اور دم سادھ کر بیٹھ گئی بلوائی تلاشنے کو اس گودام میں بھی داخل ہوئے سامان اٹھا کر پختے رہے۔

"اناج کا تو ڈھیر لگا ہے خود کہاں غائب ہوگئے؟" ایک نے دوسرے سے کہا دوسرا مسکرادیا۔

"سال بھر کا اناج بیچ کر اچھا مال بنایا جاسکتا ہے ابھی تو عجلت میں سب یہیں چھوڑے جاتے ہیں وقت نکال کر آئیں گے تو سب سمیٹ کرلے جائیں گے۔" دوسرے نے ہنس کر کہا۔

"ارے یہ دیکھ گلابی دوپٹا کسی نے اناج میں دبادیا لگتا ہے گوری نے جلدی میں اناج سمیٹتے ہوئے اپنا آنچل یہیں گرادیا۔" گندم کے ڈھیر سے جھانکتے آیت کے آنچل کو دیکھ کر ان دو میں سے کوئی ایک بولا تو آیت کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

"یا اللہ مدد! ان بلوائیوں کے ہاتھوں سے بچالے۔ ان کے ہاتھ سے ذلت کی موت مرنے سے بہتر عزت کی موت مرنا ہوگا۔" آیت نے ٹھان لی اگر وہ ان کے ہاتھوں پکڑی گئی تو خود کو موت کے گھاٹ اتار لے گی دل میں جتنی دعائیں یاد تھیں

مانگ ڈالیں۔

"یا اللہ مدد فرما ان بھوکے دشمنوں کے منہ کا نوالہ بننے سے محفوظ رکھ یا اللہ عزت کی موت دے۔" آیت کی گردن چھل گئی مگر اس نے آہ نہ کی۔ کراہتی تو بلوائیوں کے ہاتھوں نقصان اٹھاتی۔ اس نے گلے میں پھندے کے خیال سے گردن سے دوپٹا نکالنا چاہا بلوائی کے ہاتھ آیا تو وہ مسکرایا۔

"ایسا رنگین دلکش آنچل اوڑھنے والی کیسی دلکش ناری ہوگی؟ کاش اس کی سندرتا دیکھنے کا موقع مل جاتا۔" اس نے تجسس سے باقی کا آنچل بھی کھینچا آیت کی گردن بری طرح زخمی ہوئی لمحے بھر کو دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ لگا بس وقت آخر آن پہنچا ہے مگر یہ موت بھی غنیمت تھی۔

"یا اللہ اگر ایسی ذلت بھری موت لکھی ہے تو ابھی ہماری سانسیں کھینچ لے۔" آیت نے دل ہی دل میں دعا مانگی۔ بلوائی نے آدھے سے زیادہ گندم کے ڈھیر میں دبا دوپٹا پورا زور لگا کر کھینچا آیت نے دانتوں تلے زبان داب لی تکلیف ایسی تھی کہ وہ چیختی تو آواز سو کوس تک جاتی مگر وہ اپنی موجودگی مخفی کے لیے دردسہہ گئیں۔



چلتی ہوئی موٹر کار یک دم رک گئی تو فاطمہ بی بی کی سانسیں رک گئیں۔

"موٹر گاڑی کیونکر روک دی میاں؟" تاج بیگم نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"اماں جان آگے بلوائیوں نے راستہ بند کیا ہوا ہے۔ رکاوٹیں رکھ کر راستہ جس طرح بند کیا ہے ان کے ارادے ٹھیک نہیں لگتے برسوں آپ کا نمک کھایا ہے اماں جان مگر بھگوان کا واسطہ ہے ہمیں جانے دیجیے۔ ہماری جوان بچیاں ہیں ہم کوئی آفت نہیں چاہتے آپ کی مدد کے چکر میں ہماری جوان بچیوں کو گھر سے اٹھا کرلے جائیں گے۔" جگت ناتھ نے اپنے بھگوان کا واسطہ دیا۔

"لیکن میاں، ہم اس ویرانے میں کدھر کو جائیں گے۔" تاج بیگم نے کوفت سے کہا جگت ناتھ شرمندہ ہوگیا۔

"ہمیں شمع کردیجیے۔ ہم اس سے زیادہ مدد نہیں کرسکتے۔" وہ عاجزانہ لہجے میں بولا۔

"ہم منت کرتے ہیں ہمارے پریوار پر رحم کھایئے۔" جگت ناتھ نے معذرت چاہی تو فاطمہ بی بی کو بولنا پڑا۔

"دادی جان جگت ناتھ ٹھیک کہتے ہیں ہمیں ان کی ماننا چاہیے۔" فاطمہ بی بی نے جگت ناتھ کی حمایت کی تو ان کے چہرے پر اطمینان دوڑ گیا۔

مجبوراً فاطمہ بی بی اور تاج بیگم ملازمین کے ہمراہ موٹر کار سے اتر گئیں۔

"بھگوان آپ کی رکشہ کرے مائی۔ آپ نے ہمیشہ ماں کی طرح ہمارے سر پر ہاتھ رکھا ہمیشہ مدد کی آپ کی حویلی اور دیگر جائیدادوں کا خیال رکھیں گے ہم۔ آپ جب کبھی بھی آئیں آپ کے وفادار رہیں گے۔" جگت ناتھ نے گاڑی سے اتر کر تاج بیگم کے پیر چھوئے تاج بیگم نے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ جگت ناتھ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"آپ کا نمک حلال نہ کرسکے مائی شمع چاہتے ہیں مگر ہماری نسلیں آپ کی وفادار رہیں گی۔ ہمیں جیسے اور جہاں سے بھی راستہ ملا ہم نے موٹر گاڑی دوڑائی مگر اس کے باوجود آپ کو محفوظ مقام پر نہ چھوڑ سکے۔ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک آبادی ہے آپ کو چھپ چھپا کر ایک رات کے لیے وہاں پناہ لینی ہوگی۔ اس کے بعد وہ آپ کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیں گے گاؤں میں ہمارے ماما کے لڑکے رہتے ہیں مگر ہم نہیں جانتے ان کے ارادے اب کیا ہیں مگر ہمارے لیے وہ آپ کی مدد کردیں گے آپ ان سے بس کہہ دیجیے گا۔ ہمارے مامے کے لڑکے کا نام درشن ہے درشن رائے کسی سے بھی اس کی بابت پوچھ لیجیے گا لوہار ہے علاقے میں نام ہے اس کا دور دور تک اس کے کام کی گونج ہے۔ ضلع گڑھ میں کون ہوگا جو ان کو نہیں جانتا ہوگا۔ قصبہ حسن پور میں

ان سے بڑھ کر کوئی لوہار نہیں۔" جگت ناتھ نے اپنے ماے کے بیٹے کو متارف کراتے ہوئے مدد کی۔تاج بیگم نے گہری سانس لی۔

"میاں ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا' مگر اب اوکھلی میں سر دے ہی دیا ہے تو موسلوں سے کیا ڈرنا؟ سر پڑی تو جھیلنی پڑتی ہے ناں؟ جب مشکل میں گھیر ہی گئے ہیں تو اب کیا فقیری کیا بادشاہی؟ جھیل لیں گے ہم بس دعا کرنا اللہ ہمیں ہماری منزل مقصود تک پہنچائے۔" تاج بیگم نے کہا تو جگت ناتھ نے سر ہلایا۔

شام کا اندھیرا بڑھ رہا تھا انہیں اندھیرا پھیلنے سے قبل اس گاؤں میں پناہ لینا تھی ان کا فیصلہ غلط تھا موٹر گاڑی لے کر نکلنے سے گریز کرنا چاہیے تھا جگت ناتھ نے پتا نہیں کس کس راستے سے گاڑی بھگائی تھی۔اپنی دانست میں وہ ان کی مدد کر رہا تھا مگر ان کو ان کی منزل سے دور کر دیا تھا۔فاطمہ نے سیاہ چادر سے اپنے وجود کو چھپائے ہوئے گہری سانس لی اور تاج بیگم کے ہمراہ جھاڑیوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگیں۔

"موئے نے کہاں لا کر چھوڑا۔دلی جیسے شہر سے بھگایا اور یہاں ویرانے میں لا پٹخا۔اسٹیشن پر جانے کی بجائے جانے کہاں آن پہنچے۔گویا آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔" تاج بیگم نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔فاطمہ بی بی نے کوئی تبصرہ کرنا ضروری نہ سمجھا۔



مغرب کے وقت جب وہ وضو کر کے نماز قائم کرنے والا تھا تبھی سنا کہ بلوائیوں نے علاقے کے مکینوں پر حملہ کر دیا ہے۔رجت سنگھ بزدل نہ تھا کہ چھپ کر گھر میں دبک جاتا اس نے دیوار پر ٹنگی تلوار اٹھائی اور باہر نکل آیا تھا۔



"ملٹری نے بتا دیا تھا کہ پانی نہیں پینا' اس میں زہر ملا ہے تین دن تک ٹرین کو اس اسٹیشن پر روکا گیا ایک سکھ اسٹیشن ماسٹر تھا جو بھاگ کھڑا ہوا۔اب کون کس کی موت مرتا ہے بھیا۔" خاتون نے گود میں سوئے بچے کے سر میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا' وقار الحق نے سر ہلایا۔

"ملٹری نے کھانے کو چنے دیے صاف پانی دیا اگر ملٹری نہ ہوتی تو شاید اس ٹرین کے مسافر بلوائیوں کے ہاتھوں ہلاک ہو چکے ہوتے' ہمارے ایک چچا زاد ملٹری میں ہیں انہوں نے بتایا کہ پہلی جانے والی ٹرین میں سوائے لاشوں کے اور کچھ نہ تھا۔ہندوؤں اور سکھوں نے فسادات کا بازار گرم کر دیا ہے ہمارے ایک ماموں زاد بھی ملٹری میں ہیں رمضان سے پانچ روز قبل ان کا نکاح ہوا تھا وہ اسی ٹرین میں مسافروں کو حفاظت سے سوار کرا رہے تھے اور خود انہی فسادات کی لپیٹ میں آ گئے نئی نویلی دلہن کو تنہا چھوڑ گئے۔" خاتون کی آواز بھرا گئی۔

"اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے۔" وقار الحق کے لب ہلے۔

"یہ فسادات بھی اپنے پیچھے ایک وجہ رکھتے ہیں محترمہ' آزادی کا فیصلہ مئی 1947ء کے آخری ایام میں مذاکرات کی میز پر ہو گیا تھا اور تین جون 1947ء کو آزادی کے منصوبے کا باقاعدہ اعلان کیا جا چکا تھا۔سو ان فسادات کا کوئی جواز بنتا نہ تھا مگر آزادی ہم نے فرنگیوں سے لی اور فسادات ہندوستان میں بسنے والے مختلف مذہبی گروہوں میں ہوئے۔ان فسادات کا جیسے اس آزادی سے کوئی واسطہ نہیں ان فسادات کا سلسلہ دراصل 16 اگست 1946ء کو کلکتہ میں آغاز ہونے والے فسادات سے ملتا ہے مشرقی بنگال کے علاقے نواکھلی 10 اکتوبر 1946 کو فسادات کی لپیٹ میں آیا وہاں اکثریتی آبادی مسلم تھی بعد ازاں ملحقہ صوبے بہار میں 25 اکتوبر کو یہ سلسلہ شروع ہو گیا مگر وہاں اکثریت ہندوؤں کی تھی پنجاب کے شمال مغربی علاقوں مثلاً راولپنڈی' ٹیکسلا' واہ' کہوٹہ' جہلم اور گوجر خان وغیرہ میں فسادات مارچ 1947ء کو آغاز ہوئے اور اس طرح آہستہ آہستہ ان

فسادات نے مرکزی پنجاب کا رخ کیا مشرقی پنجاب میں فسادات اواخر جولائی 1947ء میں شروع ہوگئے۔ان فسادات کا مقصد جیسے مذاہب کا مسئلہ اٹھانا ہے۔جیسے کوئی مذاہب کو بھڑکا کر مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے‘خیر یہ محض قیاس آرائی بھی ہوسکتی ہے جہاں وسطی ہندوستان کے علاقوں میں ان فسادات نے زیادہ تباہی مچائی ہے وہیں یہ امر حیرت میں مبتلا کرتا ہے کہ ہندوستان کے متعدد جنوبی صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی تعداد بے حد کم یا نہ ہونے کے برابر ہے وہاں فسادات بالکل رونما نہیں ہوئے ایک غیر ثقہ روایت کے مطابق قائداعظم نے کہا تھا۔’فرنگیوں نے کہا ہم ہندوستان کو تقسیم کریں گے یا سے تباہ کردیں گے‘یعنی قائداعظم اس بات کا اندیشہ رکھتے تھے کہ فرنگیوں یا ہندوؤں کے عزائم کیا ہیں وہ بظاہر تو ہندوستان کی تقسیم کا اعلان کررہے تھے مگر اندر ہی اندر وہ ہندوستان کو تباہی کے دہانے پر لارہے تھے۔“

قائداعظم نے اپنے بیان میں اپنا خدشہ بیان کرکے گویا جتادیا تھا مگر ان باتوں کو کوئی سمجھ نہ سکا۔ایک طرح آزادی دی اور دوسری طرف فسادات بھڑکادیے۔یہ سازش لگتی ہے فرنگی بہت چالاک قوم ہیں ان سے کیا امید رکھی جاسکتی ہے۔“وقارالحق نے تجزیہ کیا تب ہی خاتون کے ہمراہ بیٹھے ہوئے بزرگ وقارالحق کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

”میاں خوب کہی۔آپ کا تجربہ درست لگتا ہے اگر آپ کو یاد ہو تو بنگال کے گورنر فریڈرک جان بہروز نے 22 اگست 1946ء کو وائسرائے لارڈ ویول کے نام خفیہ خط لکھا تھا اور اس خط میں 16 اگست اور اس کے پیش آنے والے واقعات کی کچھ تفصیل بیان کی تھی ان کے مطابق مسلم لیگ نے کلکتہ میں اوچرلونی کی یادگار کے پاس شام چار بجے جلسے کا اہتمام کیا تھا جس سے حسین شہید سہروردی اور خواجہ ناظم الدین کو خطاب کرنا تھا مگر صبح دس بجے ہی سے پولیس ہیڈکوارٹر میں کشیدگی کی اطلاعات آنا شروع ہوگئی تھیں۔“ان بزرگ نے تجزیہ دیا وقارالحق نے سرہلادیا۔

”خیر فسادات کی حقیقت کچھ بھی رہی ہو مگر مسلمان ہمت ہارنے والے نہیں۔ہم نے نظریات کی بنا پر جو ریاست لی ہے ہم اسے آباد ضرور کریں گے چاہے کوئی اس ریاست کے خلاف کتنا بھی بغض رکھے یا نفرت پالے یا زہر اگلے۔مگر ہم پاکستان ہجرت کرنے سے باز نہیں رہیں گے۔مسلمان ایک دلیر قوم ہے اور گردنیں کٹانے سے نہیں ڈرتی۔قائداعظم محمد علی جناح نے اس خواب کو پورا ہونے میں بھرپور کردار ادا کیا ہے وہ عظیم قائد ہیں اور ان کی محنت رنگ لائی ہے اور ہم ان کی محنت کو سراہتے ہیں وہ دوراندیش انسان ہیں وہ فرنگیوں کی چالیں بھی خوب سمجھتے ہیں دراصل انگریز چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ کبھی آزادی کا ادراک نہ جان سکیں ان کو آزاد کرکے بھی غلام رکھنا چاہتے ہیں چچا میاں فرنگی تب ہی تو سازشیں کررہے ہیں‘وہ نہیں چاہتے کہ مسلمان ایک باشعور قوم بن کر ابھریں اور نہ ہی ہم مذاہب کی تفریق کے ساتھ ایک زہر پھیلانا چاہتے ہیں سو یہ قومیں ایک دوسرے کو کاٹ کھائیں اور اقتدار کے لیے لڑتے لڑتے مرجائیں۔ہندوستانی لوگ ان چالوں کو نہیں سمجھتے تب ہی ان کی مکاریوں کو بھگت رہے ہیں۔فرنگی تباہ کرنے آئے تھے اور تباہ کرکے جارہے ہیں۔ان کا مقصد صاف دکھائی دیتا ہے۔“وقارالحق نے تجزیہ پیش کیا تو چچا جان نے سرہلایا۔

”ہم سمجھتے ہیں میاں اپنے جوان بیٹے کو کٹتے دیکھ کرآئے ہیں‘یہ سیاست ہے تو انتہائی بدصورت سیاست ہے۔“چچا جان کی آواز بھراگئی۔ان کی آنکھیں بھیگ گئیں‘مگر وہ ان آنسوؤں کی نمی کو چھپانے کو چہرہ پھیر گئے۔

وقارالحق کو بے اختیار اپنے ابا حضور یاد آگئے جانے کس حال میں تھے وہ‘ان کی شدید خواہش تھی پاکستان ہجرت کی جائے۔جانے انہوں نے رخت سفر باندھا تھا کہ نہیں؟ شاید انہیں ابا حضور کے ساتھ سفر کا آغاز کرنا چاہیے تھا مگر وہ کرنال کسی کام کے سلسلے میں گئے تھے۔ابا حضور نے خود ان کو بھیجا تھا اور ان کا کہا مان کر وقارالحق کرنال چلے گئے تھے مگر لوٹنے سے قبل ہی تقسیم پاکستان کا اعلان ہوگیا تھا۔بہرحال وہ خوش تھے کہ وہ ابا حضور کا خواب پورا کررہے ہیں اور نواب صاحب کے متعلق انہیں امید

تھی کہ وہ بھی ضرور ہجرت اختیار کریں گے۔



آیت نے رکی سانسوں سے اپنی گردن کی اس تکلیف کو محسوس کیا اور منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا فسادی نے ان کا دوپٹا گندم کے ڈھیر سے کھینچ لیا تھا اور دوپٹے کو چومتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ آنچل والی کنیا بھی یہیں موجود ہوتی۔ کیا ہی عمدہ خوشبو ہے اس آنچل کی گرم سانسوں کی محبت جیسے تازگی رکھتی ہے کنیا کتنی سندر ہوگی ناں؟" بلوائی آنچل سونگھتے ہوئے سرشار تھا۔ جب دوسرے بلوائی نے اسے گھورا۔

"سپنے دیکھنا بند کر نشئی۔ چل چلتے ہیں بعد میں آ کر اس اناج کو بیچ کر دام کھرے کریں گے۔" بلوائی منصوبہ بناتے ہوئے باہر نکل گئے۔ ان کے بولنے کی آواز سے پتا چلتا تھا کہ وہ گھر کے داخلی دروازے سے باہر نکل گئے ہیں مگر اس کے باوجود آیت چہرہ گھٹنوں میں دبائے بیٹھی رہی۔ حتیٰ کہ پھوپو نے اناج کے ڈھیر سے نکل کر اس کے اوپر سے اناج ہٹایا۔

"آیت بٹیا تو ٹھیک ہے ناں؟" پھوپو نے فکر مندی سے پوچھا۔ آیت نے سر اٹھا کر دیکھا اور اس کی گردن کا زخم پھوپو کو حیران کر گیا۔

"یا اللہ کیسے کم بخت ہیں یہ موئے اللہ غارت کرے انہیں۔" پھوپی نے زمین پر پڑا آیت کا گلابی آنچل اٹھا کر اس کے وجود پر ڈالا اور ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا۔

"چل اٹھ میں مرہم لگا دیتی ہوں، ورنہ زخم ناسور بن جائے گا۔" پھوپی نے الماری سے مرہم نکال کر آیت کی گردن پر لگانا چاہا مگر آیت نے روک دیا۔

"وقت کم ہے پھوپی جان، جتنی جلدی ہو سکے ہمیں یہاں سے نکلنا ہے اس سے قبل کہ ہم مشکل میں پڑیں چلیے یہاں سے۔" آیت نے پھوپی کا ہاتھ تھاما اور انہیں لے کر تیزی سے گھر کے پچھلی طرف دوڑی۔



شام کے سائے گہرے ہو گئے تھے اور گاؤں کا کہیں دور دور نام ونشان نہیں تھا۔

"اماں جان ہمارے تو پاؤں دکھنے لگے آبلے پڑ جائیں گے مگر جانے جگت ناتھ کے رشتے دار کا گاؤں کہاں سے گا؟" ایک ادھیڑ عمر ملازمہ نے کہا تو ہاجرہ اماں نے انہیں گھور کر چپ رہنے کی تلقین کی۔

"پاکستان جانے کے لیے یہ مشکلیں کوئی معنی نہیں رکھتیں حلیمہ خالہ۔" فاطمہ بی بی نے ملازمہ کو احترام سے پکارا۔ حلیمہ خالہ مسکرا دی۔

جھینگروں کے بولنے کی آواز ان جھاڑیوں سے گزرتے ہوئے عجب پراسراریت طاری کر رہی تھی۔ اچانک ایک درخت سے کچھ گرا اور حلیمہ خالہ کی گردن میں آ گیا۔ وہ چیخی فاطمہ حیران اور خوف زدہ رہ گئی۔ ایک سیاہ سانپ تھا اور بہت بڑا سانپ تھا۔ حلیمہ خالہ آنکھیں میچ گئیں۔ فاطمہ بی بی نے ان کے ڈر کے خیال سے انہیں نہ بتایا کہ ماجرا کیا ہے۔

"آپ آنکھیں بند ہی رکھیے حلیمہ خالہ ایک معمولی سا کیڑا ہے۔ ہم آپ کی گردن سے نکال دیتے ہیں۔ آپ حوصلہ رکھیں اور شور مت کیجیے گا۔" فاطمہ بی بی نے ان کو تسلی دی اور آنکھیں میچ کر ہاتھ بڑھایا اور اس سانپ کو دبوچ کر پرے اچھال دیا۔ وہ ایسا کیسے کر پائیں وہ نہیں جانتی تھیں مگر ایسا کرنا ضروری تھا حلیمہ خالہ کی جان بچانے کے لیے انہیں ایسا کرنا پڑا تاج بیگم اور ہاجرہ اماں جو دم سادھے کھڑی تھیں انہوں نے گہرا سانس لیا۔

"فاطمہ بچے اس اقدام کو سراہتے ہیں، ہم مگر یہ مناسب نہ تھا۔" ہاجرہ اماں نے در پردہ ڈپٹا حلیمہ نے آنکھیں کھولیں اور ایک لمبے موٹے تازہ سانپ کو بھاگتے دیکھ کر آنکھیں پھیل گئیں۔

"فاطمہ بی بی آپ نے کہا تھا کیڑا ہے یہ بدبخت سانپ تھا۔" وہ چیخیں فاطمہ بی بی نے انہیں چپ کرادیا۔
"اس سفر کو سہل مت جانیے حلیمہ خالہ چپ چاپ چلتی رہیے اور بھول جائیے کہ یہ سفر آسانیوں سے بھرا ملے گا۔ پاکستان ہمارا خواب ہے اتنا بس یاد رکھیے۔ یہ خواب آسان نہ تھا اور اب یہ مرحلہ اس ریاست کی سمت گامزن ہونے کا ہے۔ یہ بھی آسان نہ ہوگا۔ فرنگی نہیں چاہتے کہ ہمیں سب پلیٹ میں سجا سجایا ملے وہ ہماری مشکلوں کو بڑھانا چاہتے ہیں۔ تب ہی تو یہ فسادات اٹھادیے۔" فاطمہ بی بی نے کہا اور خاموش ہوکر آگے بڑھ گئی۔ تاج بیگم نے چپ چاپ انہیں دیکھا اور ان کی تلقید میں چل پڑیں ساتھ ہی حلیمہ خالہ اور ہاجرہ اماں نے بھی قدم بڑھادیے تھے۔



عجب قیامت کا منظر تھا جس قافلے میں نواب صاحب شامل تھے اس پر حملہ آوروں نے حملہ کردیا تھا جتنی کنواری لڑکیاں تھیں انہیں اٹھا کر چلتے بنے تھے اور جتنی حاملہ تھیں ان کی کوکھ پر نیزے مار کر چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے۔
"اب جاؤ پاکستان۔" انسانیت جیسے مرگئی تھی اور کوئی حس جیسے باقی نہ بچی۔ ایسی بے حسی اور ایسی سفاکی نواب صاحب جو زمین پر گر گئے تھے ساکت سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے ان کا دل جیسے بند ہورہا تھا لاشیں زمین پر گر رہی تھیں۔ لوگ تڑپ رہے تھے۔
"یا اللہ مدد یہ کیسے لوگ ہیں جن کے اندر انسانیت باقی نہیں رہی اُن کو ہوش کے ناخن دے اُن کو غرق کردے ان کے ہاتھ کیوں نہیں ٹوٹ جاتے۔ جب یہ سر سے آنچل کھینچتے ہیں ان کو موت کیوں نہیں آجاتی۔ جب یہ حاملہ کوکھ پر نیزے مارتے ہیں میرے مولیٰ ایسے لوگوں کے لیے کوئی تیز تر نظام کیوں نہیں سزا کا؟ بروقت کیوں سزا نہیں ان کے لیے؟" کھلی ساکت آنکھوں سے آسمان کے رنگ تکتے نواب صاحب دل ہی دل میں اپنے مالک سے شکوہ کناں تھے ان کی آنکھوں سے نمکین پانی کے قطرے گر رہے تھے۔
"مولیٰ موت دے دے۔ ایسی انسانیت سوز حرکتیں دیکھنے سے قبل دم کھینچ لے ہم باقی بھی کیوں ہیں؟ بیٹیوں کی عصمت دری دیکھنے کو کوکھیں اجڑنے کے عمل کو دیکھنے کے لیے میرے رب ایسے لوگوں کو غرق کردے یا ہمارے جسم سے ہماری روح کھینچ لے۔" نواب صاحب کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

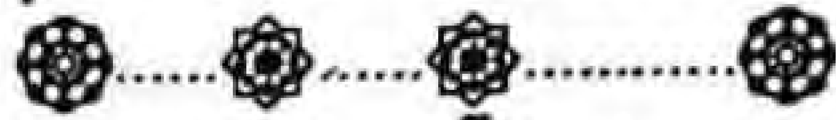


"یا اللہ ہم کہاں جائیں کہاں پناہ لیں؟ میرے مولیٰ مدد کر۔" پھوپی کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے بھائی کی جوان بیٹی کو ہمراہ لیے کھلے آسمان تلے کھڑے وہ نہیں جانتی تھیں کہ اگلا موڑ کیا ہے یا اگلا پڑاؤ کہاں ہونا چاہیے۔ ان کی حالت غیر ہوتے دیکھ کے آیت نے انہیں سمجھایا۔
"پھوپی جان ہمت کیوں ہار رہی ہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے ناں؟ جب وہ ساتھ ہے تو ہم کیوں ڈریں؟ انسان اگر انسانیت کھو رہے ہیں تو ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے مایوسی کفر ہے ناں؟ وہ رب ہماری حفاظت کرے گا ہم لڑیں گے آخری سانس تک ہم نے رخت سفر باندھتے ہوئے ٹھان لی تھی ہم کسی کے ظلم کا نشانہ نہیں بنیں گے نہ مظلومیت سے گڑگڑائیں گے ماریں گے یا مرجائیں گے۔ عورت ہونا کمزوری نہیں ہم کیوں مرنے کی باتیں کررہے ہیں یا ہم کیوں سوچ رہے ہیں کہ ہم کمزور ہیں اور ہمارے ساتھ فقط غلط ہوگا؟" آیت نے پھوپی جان کے آنسو پونچھے۔
"بیٹا ہمیں اپنی پروا نہیں..... فکر ہے تو تمہاری بھائی کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ ان کی بیٹی کی حفاظت نہ کرسکی تو جان کس کام کی؟" آیت نے مٹھی میں دبے چند چنے پھوپی کی طرف بڑھائے۔
"ہم کسی کے منہ کا نوالہ نہیں بنے گے پھوپی جان..... ہم مرنے کو ترجیح دیں گے ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر

ہے کسی ہندو یا سکھ کے لیے عیاشی کا باعث بننے سے قبل ہم موت کو ترجیح دیں گے چلیے اٹھیے اب ہمیں جلدی کسی محفوظ جگہ پہنچنا ہے جہاں ہم مختصر قیام کر کے آگے کی راہ لیں۔ آپ ہمارے ہمراہ ہیں ہمارا حوصلہ بڑھایئے ہمت مت توڑیے۔'' پھوپی جان نے گردن ہلائی اور اپنے سامان سے مرہم نکال کر آیت کی گردن پر لگایا۔

''اللہ میری بچی کی حفاظت کرے۔'' پھوپی کے چہرے کی رنگت اڑی دیکھ کر آیت مسکرادی اور ان کا ہاتھ تھام کر ان کو اٹھایا۔

''اللہ اپنے بندوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا پھوپی جان...... ہم اپنی منزل تک ضرور پہنچیں گے۔ ہم نے ابا جان سے وعدہ کیا تھا ہم ان کے ہمراہ پاکستان جائیں گے۔'' اس نے مضبوط ارادے سے کہا اور پھوپی جان کے ہمراہ چلنے لگیں۔



کوئی پرانی حویلی تھی شاید بلوائیوں کے عتاب کا شکار بنی تھی۔ حملہ آور اپنی آمد کے نشان چھوڑ گئے تھے کئی لاش زمین پر پڑی تھی گردن کٹی ہوئی۔ دوسری طرف ایک دوشیزہ تھی جو تکلیف سے تڑپتی دکھائی دی اس کی آبروریزی کرنے کے بعد کسی نے نیزہ اس کے وجود میں گاڑھ دیا تھا۔ حلیمہ خالہ کی چیخ نکل گئی مگر فاطمہ نے آگے بڑھ کر نیزہ وجود سے نکالا۔

''فاطمہ بیٹی مت کرو ہم اسے نہیں بچا سکتے دیکھو خون کس تیزی سے بہہ رہا ہے اس بیچاری کی جان آرام سے نکلنے دو۔'' ہاجرہ اماں نے ڈپٹا۔ فاطمہ بی بی نے جیسے سنا ہی نہیں اور ان کے زخم پر انہی کا آنچل رکھ دیا۔

''ہم ان کی زندگی آسان نہیں کر سکتے' ان کو بچا نہیں سکتے مگر ہم ان کو اس طرح مرنے بھی دینا نہیں چاہتے مانا کہ ہمارے پاس طبی سہولتیں نہیں نہ ہم طبیب ہیں مگر ہم میں انسانیت تو ہے' ہم ان کی تکلیف کس قدر کم تو کر سکتے ہیں ناں؟'' فاطمہ بی بی نے ان کے زخم کو باندھ دیا تا کہ خون کا بہاؤ رک جائے۔

''موئے بھیڑیے انسانیت سے خالی نہیں۔ غارت کرے مولیٰ ایسے انسانیت سوز بھیڑیوں کو۔'' تاج بیگم نے کہا فاطمہ بی بی حویلی کے اندر دوا ڈھونڈنے لگی لڑکی کی حالت غیر تھی ان کے وجود سے خون جس تیزی سے بہہ رہا تھا اس کا بچنا نہ ممکن تھا مگر فاطمہ میں انسانیت باقی تھی وہ اس طرح اپنی آنکھوں کے سامنے کسی کو مرتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''اگر ہم انہیں بچا نہیں سکتے تو ان کی تکلیف تو کم کر سکتے ہیں ناں؟ تا کہ آسانی سے اس دنیا سے جائیں۔'' فاطمہ بی بی نے اپنے بیگ میں رکھی درد کی دوا اس لڑکی کو کھلائی وہ کراہ رہی تھی۔

''ہمیں مر جانے دو ہم جینے کے لائق نہیں رہے۔'' درد کی شدت سے اس کی آنکھوں اشک بار تھیں۔

''ہمیں دوا نہیں زہر دو بہن۔'' فاطمہ بی بی کو مددگار جان کر وہ بولی۔ فاطمہ نے الماری سے صاف کپڑے نکالے اسے پہنائے اس کے وجود کو ڈھانپا اور اس کے زخم کو مرہم لگا کر پٹی باندھ دی۔

''ہاجرہ اماں آپ کو ضرور خبر ہوگی کہ کس جڑی بوٹی یا ہرب سے ان کو شفا مل سکتی ہے۔ ہم نے باہر باغیچے میں کئی جڑی بوٹیاں دیکھی ہیں۔ اس گھر کے باورچی خانے میں بھی ایسی کوئی اشیا موجود ہوں گی جن سے ان کی حالت سنبھل سکتی ہے ہماری مدد کیجیے۔'' فاطمہ بی بی کے کہنے پر ہاجرہ اماں باورچی خانے کی طرف بڑھ گئیں۔ تاج بیگم کوفت سے وہیں بیٹھ گئیں۔

''فاطمہ بیٹا ہم اپنی جان بچانے کے در پر ہیں ہم کسی کو کیا بچائیں گے؟ خود در بدر بھٹک رہے ہیں۔ دیکھو اس حویلی میں کوئی پھر حملہ کر سکتا ہے ہم کسی کی کیا مدد کر سکتے ہیں ہمارا کہنا ہے جتنی جلدی ممکن ہو یہاں سے نکل جانا ہی مناسب ہے۔'' تاج بیگم نے کہا۔ حلیمہ خالہ کی حالت بھی غیر ہو رہی تھی۔

''اماں جان ٹھیک فرماتی ہیں فاطمہ بیٹی ہم اکیلی خواتین ہیں اور کسی مرد کا ساتھ نہیں ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے۔'' مگر فاطمہ بی بی نے جیسے سنی ان سنی کر دی تھی۔



پناہ کے لیے کوئی مسلم اکثریت آبادی والا علاقہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ ایک ہجوم کے ہمراہ آ کھڑے ہوئے جو پناہ ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ تمام مسلمان تھے۔

"یہاں سے 25 کلو میٹر دور ایک قلعہ ہے وہاں پناہ مل سکتی ہے اور پھر وہاں سے کوئی مدد بھی کہ ہم ہجرت کرسکیں۔" ایک بزرگ نے کہا تو تمام لوگ اس قلعے کی طرف چل دیے آیت اور پھوپی جان بھی اس قافلے کا حصہ بن گئیں۔

"ہمیں لگ رہا ہے ہم غلط کررہے ہیں پھوپی جان...... ہمیں تنہا سفر کرنا چاہیے ہماری حس ہمیں قلعے کی طرف جانے سے روک رہی ہے۔" آیت نے کہا۔

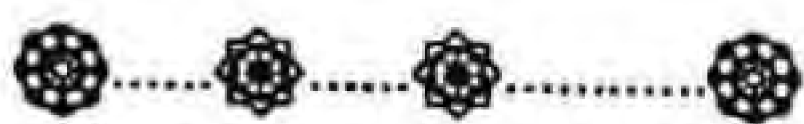
"چپکے چلتی رہو آیت بیٹا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ایک سے بھلے دو ہوتے ہیں یہ سب خیر سے مسلمان ہیں ہمیں ان سے کوئی خطرہ نہیں بس کسی محفوظ پناہ پر پہنچ کر ہم پناہ لے لیں ایک بار تھوڑا سستا لیں پھر آگے کا سوچیں گے۔" پھوپی جان نے کہا تو آیت چپ ہوگئی۔

کافی دیر چلتے رہنے کے بعد قلعہ دکھائی دیا قلعے کے اردگرد ایک نہر تھی جو کہ حفاظت کے لیے بنائی گیا تھی رات کا وقت ہونے کے باعث قافلہ قلعے اور نہر کے بیچ رک گیا اور قلعے کا دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگے جن لوگوں کے پاس کچھ کھانے کو تھا وہ کھانا پکانے کی تیاری کرنے لگی آیت نے ایک عورت کو دیکھا جو اپنے بچے کے عوض کسی سے آٹا مانگ رہی تھی۔ آیت کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا۔

"پھوپی جان آپ نے کھانے کے لیے کوئی سامان لیا تھا؟" آیت نے پھوپی جان سے پوچھا انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کچھ چاول چنے اور پنیاں ہیں مگر وہ ہمارے لیے ناکافی ہیں ہم کسی کی کیا مدد کرسکتے ہیں جانے کب تک بھٹکنا پڑے ہم کسی کی مدد کردیں گے تو خود بھوکے مرجائیں گے۔" پھوپو جان اپنا سامان دینے سے گریزاں دکھائی دیں۔

"پھوپی جان ان خاتون اور ان کے بچے کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ اپنے بارے میں مت سوچیے آپ ہمارا حصہ ان خاتون کو دے دیجیے جو اپنا بچہ آٹے کے عوض کسی کو سونپ رہی ہیں۔" آیت کا لہجہ غم ناک تھا۔ پھوپی جان کو بلآخر اس خاتون کی طرف جانا پڑا۔



جانے کس نے مدد کی کسی نے نواب صاحب کو سہارا دے کر اٹھایا اور محفوظ جگہ پر پہنچایا اور پھر وہاں سے ٹرین میں سوار کرلیا تھا وہ چپ ہوگئے تھے۔ لوگ حملہ آوروں کے ہاتھوں لٹنے اور مرنے کے باوجود لوگ پاکستان جانے کو پُرجوش تھے۔ ایسا ولولہ ایسا جوش یہ دنیا کی تاریخ کی پہلی بڑی ہجرت تو تھی ہی مگر اس میں لوگوں کے حوصلے نقصان اٹھانے کے باوجود کمزور نہیں پڑے تھے۔

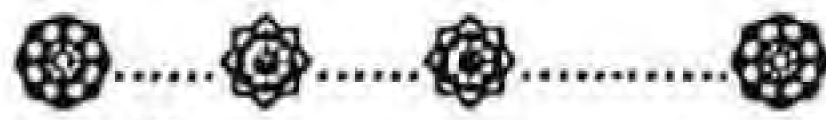
"آپ ٹھیک ہیں؟" کسی نے ان کی طرف پانی کی بوتل بڑھاتے ہوئے پوچھا نواب صاحب نے گردن موڑ کر دیکھا۔ ایک نوعمر لڑکا تھا جو غالباً اپنی ماں کے ہمراہ تھا۔

"کچھ کھانا ہو تو مطلع کریں۔ ہمارے پاس ملٹری کے دیے گئے بھنے چنے موجود ہیں۔ ملٹری بڑی مدد کررہی ہے ورنہ تو جیسے انسانیت مرگئی ہم نے اس سفر میں اپنی دو بہنوں کو گنوایا ہے ان کے مسکراتے چہرے ان کی ہنسی ان کا لڑنا جھگڑنا ہم بھول نہیں سکتے پھول سے چہروں کو لاش بنا کر چھوڑ آئے ہیں۔ کھلے آسمان تلے ہماری ہی آنکھوں کے سامنے۔" وہ نوعمر لڑکا آگے نہ بول سکا اور سسک سسک کر رونے لگا۔ اس کی ماں نے اس کو ساتھ لپٹا لیا وہ بارہ تیرہ برس کا لڑکا بہنوں کو یاد کرکے سسکنے لگا تھا۔

"آپ نے ہمیں کیوں بچالیا امی جان ہم ان ہندوؤں سے مقابلہ کرتے ان کے سر تن سے جدا کردیتے مگر آپ نے

ہمیں ہاتھ پاؤں باندھ کر تندور میں چھپا دیا اور ہم چھپے بیٹھے اپنی بہنوں کی آہ و بکا سنتے رہے۔ کیا ہی بہتر ہوتا آپ اس تندور کو ٹھنڈا نہ کرتیں اور ہم اسی تندور کا ایندھن بن گئے ہوتے۔" نو عمر لڑکا سخت پُر ملال تھا مگر نواب صاحب ایسی دلگیر کیفیت میں اسے کوئی حوصلہ نہیں دے سکے تھے۔ وہ ساکت سے بیٹھے اسے دیکھتے رہے تھے۔

"یا اللہ یہ کیسی ہجرت ہے، کیسی تقسیم ہے؟ اس بٹوارے نے انسانیت کو شرمناک طریقے سے مار دیا ہے انسانیت تڑپ رہی ہے۔ اس تقسیم نے بھیڑیوں کو جنم دیا ہے یا پھر اس تقسیم کے باعث بھیڑیے بے نقاب ہوگئے ہیں۔ یہ کیسی چال ہے؟ اگر چال ہے تو بدترین ہے۔ کاش پاکستان میں سب کو سب کے حقوق ملیں وہ کھل کر سانس لیں آزادی سے جئیں میرے مولیٰ ہمارے لیے آگے آسانی فرمانا جس خواب کی ہم نے تعبیر چاہی ہے اسے حقیقت بنا۔" نواب صاحب اپنے دل میں دعا گو تھے۔



اکثریتی مسلم آبادی ہونے کے باوجود علاقے پر حملہ ہوگیا تھا۔ رجت سنگھ نے علاقے کے چند نوجوانوں کے ساتھ مل کر مکمل دفاع کیا اور بلوائیوں کو مار بھگایا تھا۔

"جیو بیٹا تم نے خوب مقابلہ کیا۔" کرم دین چاچا نے سراہا۔

"اگر ہندو مل کر سکھ مسلمان اکثریتی علاقے میں آ کر حملہ کر جاتے تو سبکی ہوتی چچا جان۔ ہم نے ہاتھوں میں چوڑیاں نہیں پہنی ہوئیں، یہ دکھانا ضروری تھا۔" رجت سنگھ نے کہا۔

"بھوکے بھیڑیوں کی مانند پاگل ہو رہے ہیں یہ ہندو اور سکھ، تقسیم کا اعلان ہوتے ہی گویا ان کے ہاتھ اختیار آ گیا کہ مسلمانوں کا قتل عام کردیں، انسانیت ختم ہوگئی ان کے اندر سے۔" کرم دین چاچا نے کہا۔

"یہ تو ہے کرم دین چچا آپ کی صاحبزادی کا آنا تھا وہ نہیں آئیں۔" کرم دین کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں ابھر آئیں۔

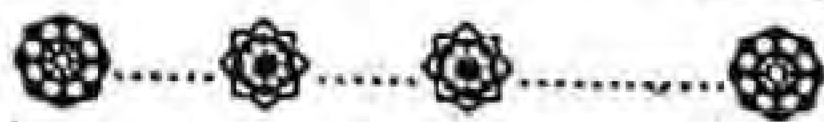
"اللہ میری بچی کی حفاظت کرے۔" ان کا لہجہ فکر مند تھا۔

"اپنی بچی کے بنا ہم سفر کا آغاز نہیں کر سکتے۔" انہوں نے جیسے خود کلامی کی۔ رجت سنگھ ان کی کیفیت سمجھ سکتا تھا اس لیے خاموش رہا۔

"آیا ہندو اکثریت والے علاقے میں ہیں اللہ ان کا حامی و ناصر ہو۔" کرم دین چاچا فکر مندی سے بولے۔

"آپ ہمت رکھیں اور ان کی خیریت کی دعا کریں ان شاء اللہ وہ ساتھ خیریت سے یہاں پہنچ جائیں گی مگر ہماری حسیات جانے کیوں کہتی ہے کہ وہ یہاں آنے کے بجائے براہ راست ہجرت اختیار کریں گی۔" رجت سنگھ نے ان کی فکر کی غرض سے کہا مگر چاچا کرم دین نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"ایسا ممکن نہیں۔" کرم دین چاچا کی آواز مدہم تھی اور وہ جیسے کچھ بھی سوچنے سے خوف زدہ دکھائی دے رہے تھے۔ رجت سنگھ ان کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا سو خاموشی اختیار رکھی۔



اللہ کا کرم رہا تھا اب تک سفر میں کوئی مسئلہ درپیش نہ آیا تھا۔ حالانکہ مسافروں نے سانسیں روک رکھی تھیں خوف کے مارے سب کا برا حال تھا۔

"چچا جان، ہم موت سے اس قدر کیوں ڈرتے ہیں؟" خاتون کے ساتھ بیٹھے بچے نے پوچھا تو وقار الحق چونک گئے۔ وہ نو دس سے شاید زیادہ کا نہ تھا مگر اس کا سوال اس قدر بڑا تھا کہ وقار الحق فوری طور پر کچھ نہ بول پائے بچہ مسکرا دیا۔

"چچا جان زندگی اگر بزدلی سے بُری ہو تو جینے کا کیا فائدہ؟ ہماری استانی نے اسکول میں پڑھایا تھا گیدڑ کی سو سالہ زندگی

سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔" بچے نے وقارالحق کو خاموش پا کر خود ہی وضاحت بھی کردی تو وقارالحق بے ساختہ مسکرا دیے۔ پھر بچے کو پکڑ کر قریب کیا اس کی پیشانی کو چوما اور گود میں بٹھالیا۔

"آپ یقیناً بہت بہادر ہیں' کیا نام ہے آپ کا؟" وقارالحق نے دریافت کیا تو بچے نے فوراً اپنا نام بتایا۔

"شیر دل۔"

"اتنا مضبوط نام ہے آپ کا' صاف پتا چلتا ہے آپ کتنے بہادر ہوں گے۔ جب نام ہی شیر ہو تو پھر کیا شک باقی رہ جاتا ہے؟" وقارالحق مسکرائے۔

"آپ کی استانی درست کہتی ہیں انسان کو بہادری سے جینا چاہیے۔"

"لیکن آپ نے ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا' جب ہم نے مرجانا ہے تو پھر ہم موت سے اس قدر کیوں ڈرتے ہیں؟" وقارالحق کے لبوں پر مسکراہٹ معدوم ہوگئی' وہ چند لمحوں تک خاموش رہے پھر بولے۔

"ہم مسلمان ایک بہادر قوم ہیں شیر دل' ہم موت سے نہیں ڈرتے کیونکہ ہمارا عقیدہ ہمیں بتاتا ہے کہ ہر ذی روح جو دنیا میں آیا ہے اسے موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے اور اپنے رب کے پاس لوٹ کر واپس ضرور جانا ہے سو ہم مرنے سے قطعاً نہیں گھبراتے مگر ہم بزدلوں کے ہاتھ سے مرنا نہیں چاہتے۔ دوسرے کمزور پر وار کرکے اسے مارنا آسان ہے مقابلہ تو جب ہوتا ہے ناں جب دونوں کے پاس ہتھیار ہوں' ہم بزدل نہیں مگر یہ ناحق موت ہے۔ ظلم اور جبر کی موت ہے' جس میں ہمارے ہاتھ خالی ہیں۔" وقارالحق کے حساب نے اسے اس کی عقل کے حساب سے سمجھایا وہ کچھ سمجھا کچھ نہ سمجھا اس کی والدہ مسکرادیں۔

"بھیا چھوڑیے ناں اس کی عقل میں ایسی باتیں کہاں آئیں گی۔ خوامخواہ آپ کا دماغ کھا رہا ہے آؤ شیر دل' ہم آپ کو سلا دیں آپ تھک گئے ہوں گے ناں؟" خاتون کہہ کر اپنے بیٹے سے مخاطب ہوئیں وقارالحق نے خاتون کو دیکھا۔

"بہن جی بچے اپنے سوالوں کے جواب نہ پا کر الجھ جاتے ہیں سو ان کے سوال کا جواب دینا ضروری ہوتا ہے۔ ان کا شعور ہم سے کہیں زیادہ بیدار ہوتا ہے یہ ہم سے زیادہ دانا ہوسکتے ہیں۔" وقارالحق نے کہا تو خاتون مسکرادیں۔

"ارے آپ نہیں جانتے کتنا شرارتی ہے آپ کے ناک میں دم کردے گا۔" بچہ کچھ نہ سمجھا مگر مسکرایا۔

"چچا جان' ہم آپ کے ناک میں دم کردیں گے تو آپ ہماری والدہ سے شکایت کریں گے۔" اس کا انداز اس قدر معصوم تھا کہ وقارالحق مسکرادیے اور وہ خاتون مسکرادیں۔

"چچا جان کو پریشان مت کیجیے شیر دل آیئے ہماری گود میں۔" خاتون نے ڈپٹا تو شیر دل فوراً وقارالحق کی گود سے نکل کر ماں کی گود میں چلا گیا۔

"چچا جان آپ کی دلہن کہاں ہیں؟ آپ ان کو ہمراہ نہیں لائے۔" شیر دل نے پوچھا تو وقارالحق چونک گئے ذہن یک دم فاطمہ بی بی کی طرف چلا گیا۔ خاتون شرمندہ سی ہوگئیں۔

"معذرت چاہتے ہیں بھیا' دراصل ان کے چچا جان کا نکاح کچھ دن قبل ہوا تھا سو وہ اسی ضمن میں آپ سے پوچھ رہے تھے شاید انہیں آپ میں اپنے چچا جان کی شباہت دکھائی دے گئی۔" خاتون شرمندہ سی دکھائی دیں۔

"کوئی بات نہیں۔" وقارالحق بولے۔ ٹرین چلتے چلتے یک دم رکی۔ شور اٹھا۔

"یا اللہ خیر۔" خاتون کے منہ سے آواز نکلی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)



محبت کی اوک سے

حمیرا علی

خوابوں کی کھڑکی جو کھولوں تو دیکھوں
کھلے آسماں کو میں باہوں میں لے لوں
اڑوں بن کے پنچھی ہواؤں سے کھیلوں
میں مٹھی میں چند ستاروں کو لے لوں

"اماں نے مجھے اپنے سر سے بھاری بوجھ کی طرح اتارا ہے' اگر انہیں مجھ پر ذرا برابر بھی اعتبار ہوتا تو وہ میرا نکاح کرانے میں ایسی عجلت کا مظاہرہ ہرگز نہیں کرتیں۔ میں کیا بھاگ رہی تھی جو اماں نے اس طرح آناً فاناً میری مرضی کے خلاف مجھے ایک ناپسندیدہ شخص سے جوڑ دیا۔ میری رضا' میری خوشی تک کا خیال نہیں کیا۔" وہ کمرے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ کون کہہ سکتا تھا اس کا نکاح محض بیس منٹ قبل ہوا ہے۔ اس کی زبان مسلسل انگارے برسا رہی تھی۔

"پلیز ایفاء کچھ تو خیال کرو۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے اور تم دلہن' کم از کم اسی بات کا لحاظ کرلو اگر تمہاری یہ بے سروپا باتیں کسی نے سن لیں تو سوچو خاندان میں ہماری کیا عزت رہ جائے گی۔" رامین نے رسانیت سے سمجھانا چاہا لیکن وہ آگ بگولہ ہی رہی۔ طیش کے عالم میں زرتار گلابی دوپٹا اپنے نازک سجے سجائے سراپے پر سے تقریباً کھینچتے ہوئے اتار کر بیڈ کی طرف اچھالا تو رامین حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"کیا ضروری تھا کہ اماں یہ طوق میرے ہی گلے میں ڈالتیں۔ بقول اماں کے ان کے لائق فائق وقابل ترین وجیہہ بیٹے کے لیے خاندان کی قابل ترین' خوب صورت' خوب سیرت' سلیقہ شعار اور تابعدار لڑکیوں کی کمی نہیں بس اماں کے ایک اشارے کی دیر تھی مگر اماں کے بیٹے کو کوئی پسند ہی کہاں آتی تھی اماں تو روزانہ انگنت لڑکیوں کے نام گنواتیں اور تصویریں دکھاتی تھیں۔" اب تک تو ایفاء کو بھی ان لڑکیوں کے نام ازبر ہوگئے تھے' کتنی لڑکیوں کے والدین وامق زید کو اپنا داماد بنانے کے خواہش مند تھے۔ لڑکیاں وامق زید پر فریفتہ تھیں اور وامق زید نے اسے سند قبولیت بلکہ شرف زوجیت بخش کر اس پر احسان عظیم کردیا تھا۔ اماں سمیت گھر اور خاندان کا ہر فرد اسے یہی باور کرانے میں کوشاں تھا۔

"اماں کو میرے خلاف وامق نے ورغلایا ہے۔ اماں میری شادی افنان سے کرادیتیں اگر وہ افنان کے کردار کی جھوٹی سچی کہانیاں اماں کو نہیں سناتا...... اماں نے اس کی باتوں پر آنکھیں بند کرکے یقین کرلیا اور تایا جی اور تائی جی کو انکار کرکے مزید ناراض کردیا۔ کیا تھا اگر افنان سے میری شادی ہوجاتی' وامق نے کل مجھے افنان کے ساتھ ایک کافی شاپ میں دیکھا اور آج اماں نے اس کے کہنے پر میرا اس سے زبردستی نکاح کرادیا۔ میں تو جیسے افنان سے شادی کرکے خودکشی کرنے جارہی تھی ناں اور اس نے میری جان بچا کر مجھ پر احسان کردیا اونہہ...... اس نے

صرف اور صرف مجھے بدنام کیا۔ اماں کو لگتا ہے میں روز افنان سے ملنے جاتی تھی اور وہ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ میں اسے انکار کرنے گئی تھی کہ آئندہ وہ میرے گھر کی طرف آئے بھی نہیں مگر سب سمجھتے ہیں میں اس سے شادی کرنے کے لیے مر رہی تھی۔" وہ بے تکان بول رہی تھی اور رامین بے بسی سے اسے سننے پر مجبور تھی۔

"اگر تمہیں افنان میں کوئی دلچسپی نہیں تھی تو پھر اتنا واویلا کیوں کر رہی ہو؟" رامین بے چاری سمجھنے سے قاصر تھی۔

"صرف اس لیے کہ اماں نے میرا نکاح اس شخص سے کرا دیا جو دنیا کا آخری مرد بھی ہوتا تو بھی میں اس سے شادی نہیں کرتی۔ وہ جو اماں کو نمرہ آپا کے لیے نامناسب لگتا تھا۔ زید انکل کی خواہش تھی نمرہ آپا سے اس کی شادی ہو مگر اماں نے انکار کر دیا تھا اور پھر جب زید انکل نے اس سے میرا نکاح کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو وامق زید نے مجھے رد کر دیا اور اگر اس نے مجھے اس وقت رد کر دیا تھا تو اب بھی انکار کر دیتا کیا ضرورت تھی اتنا تابعدار بننے کی اگر وہ سمجھتا ہے کہ نکاح کی اس کاغذی کارروائی کے بعد اسے مجھ پر اعتراضات کرنے، پابندیاں عائد کرنے اور میرے حقوق غصب کرنے کا اجازت نامہ مل گیا ہے تو اس کی خام خیالی ہے۔ میں اپنے حقوق اتنی آسانی سے غصب نہیں ہونے دوں گی۔" وہ اپنے عزائم کا اظہار کرنے میں اس قدر مگن تھی کہ رامین کے اشارے پر دھیان ہی نہیں دیا۔

"رامین...... تمہیں فوزیہ آپا بلا رہی ہیں۔" وامق زید دروازے میں پتا نہیں کب آن کھڑا ہوا تھا۔ ایفاء کی اس جانب پشت تھی اچانک اسے سامنے دیکھ کر وہ اپنا زیریں لب دانتوں تلے دبا گئی۔

"رامین تم کہیں نہیں جا رہیں۔" اپنے سجے سجائے سراپے سے بے نیاز وہ اپنی ازلی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اسے ضد تھی وامق زید سے۔

"فی الحال گھر میں مہمان موجود ہیں اور اسی حساب سے ہزار کام ہیں تم پھر کبھی رامین کے سامنے اپنے حقوق پر تقریر کر لینا۔" وامق کا انداز سرد و سپاٹ تھا پھر بھی ایفاء کو



اس کی بات نے سرتاپا سلگا دیا تھا۔ اس کے گلابی چہرے پر پھیلتی سرخی کو نظر انداز کر کے رامین خاموشی سے باہر چلی گئی اور واثق بھی پلٹ گیا تھا۔

''تم..... تم آخر سمجھتے کیا ہو خود کو؟ اس طرح مجھے اپنا پابند کر کے میرے پیروں میں بیڑیاں ڈال دو گے۔ مجھے کوئی عام سی مجبور لڑکی سمجھنے کی غلطی ہرگز مت کرنا۔ زید کمال کے اکلوتے بیٹے ہو تم تو بہت بڑا احسان ہے تمہارا۔ ہوں گے تم اماں کو عزیز لیکن میں نے بھی تمہاری زندگی عذاب نہ بنادی تو ایفاء اکرام الٰہی نام نہیں میرا۔'' ایفاء نے چند قدم آگے بڑھ کر بہت بھرپور انداز میں حساب بے باک کیا۔ وہ ناصرف تیز قدموں سے چلتا ہوا کمرے میں آیا بلکہ اس کی بلند ہوتی آواز سے خائف ہو کر دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔

''ایفاء..... گھر میں مہمان موجود ہیں لہٰذا اپنے آپے میں رہو۔ اپنی شعلہ بیانی کے جوہر پھر کبھی دکھا لینا۔'' روشن کشادہ پیشانی پر شکنوں کا جال لیے وہ ایک قدم آگے بڑھا تو ایفاء بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''اپنی حد میں رہو۔ اس طرح مجھے ڈرا دھمکا کر ثابت کیا کرنا چاہتے ہو تم؟'' وہ تلملائی۔

''شٹ اپ..... میں تمہیں ڈرا دھمکا نہیں رہا اور نہ ہی مجھے کچھ ثابت کرنے کا شوق ہے' گھر میں مہمان موجود ہیں اور میں کوئی تماشا نہیں چاہتا۔ جو بھی بات کرنی ہے بعد میں کرنا۔'' بند کمرے میں واثق کی آواز بلند ہوئی۔ ایفاء اندر ہی اندر کھولنے کے باوجود لب بھینچ کر رہ گئی۔ واثق اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر چلا گیا تھا۔

''بہت جلد تم مجھے خود چھوڑ دو گے واثق زید۔ میں تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دوں گی۔ تمہاری زندگی نہ برباد کر دی میں نے تو نام بدل دینا میرا۔'' اس کے دل و دماغ پر اس وقت اگر کوئی احساس غالب تھا تو وہ ضد اور مخالفت کا تھا۔ وہ کسی کی انگلی پکڑ کر نہیں چل سکتی تھی۔ پھر خواہ وہ اماں ہوتیں یا واثق زید۔



''کہاں جا رہی ہو تم؟'' صبح صبح ہی اسے تک سک سے تیار دیکھ کر اماں کا پارہ ہائی ہوا۔

''آج میری نوکری کا پہلا دن ہے۔ آپ کو بتایا تو تھا۔'' وہ بے نیاز بنی اپنے سامنے رکھے ناشتے کے لوازمات کی جانب متوجہ ہوئی۔

''ایسی بھی کیا ضرورت آن پڑی ہے جو نوکری کرنے پر بضد ہو۔ آرام سے گھر میں بیٹھو۔'' سکینہ برہمی سے بولیں۔

''کر تو دیا ہے آپ نے قبل از وقت سدباب..... اب کس بات کی فکر ہے آپ کو؟'' اس نے بے دلی سے ہاتھ میں تھاما جوس کا گلاس واپس رکھا۔

''واثق سے تمہارا نکاح تمہارے ہی بہتر مستقبل کے لیے کیا ہے میں نے' ویسے بھی میری زندگی کا کیا اعتبار۔'' اماں مدھم آواز میں بولیں۔

''اماں آپ ہزار سال جئیں' مجھے ملازمت کرنی ہے پلیز اور اماں اس میں مضائقہ ہی کیا ہے؟'' وہ ہنوز بہ ضد رہی۔

''ایڈورٹائزنگ کمپنی کے علاوہ کوئی اچھی جگہ نہیں ملی تھی۔ تم کسی بھی دوسری جگہ نوکری کر لو اور اگر ایڈورٹائزنگ کمپنی میں ہی کام کرنا ہے تو واثق کی کمپنی میں کام کرنے میں کیا حرج ہے؟'' اماں کے پاس متبادل ملازمت موجود تھی اس نے پہلو بدلا۔

''اماں میں تنگ آ گئی ہوں واثق' واثق کی گردان سن سن کر آپ کی بات مان کر میں نے اس سے نکاح کیا ہے لیکن وہ اب آپ کے ذریعے اپنے فیصلے مجھ پر مسلط نہیں کر سکتا۔ اماں اب آپ بھی اس بد دماغ' خود پسند اور شقی القلب انسان کی باتوں میں آ کر مجھ پر پابندیاں عائد کرنا بند کر دیں' میں تنگ آ گئی ہوں آپ کی اس روک ٹوک سے۔'' وہ بگڑ کر بولی۔

''ایفاء تمیز سے بات کرو اماں سے۔'' واثق کی غیر متوقع آمد اور مداخلت اسے پشیمان کرنے کے بجائے چراغ پا کر گئی۔

"مجھے نہیں آتی تمیز سے بات کرنی' ہر کوئی میرے پیچھے پڑا ہے' میں ایڈورٹائزنگ کمپنی میں ماڈلنگ کے لیے نہیں جا رہی' نہ ہی مستقبل میں میرا ماڈلنگ کرنے کا کوئی ارادہ ہے۔ مجھے پرسنل سیکرٹری کی جاب آفر ہوئی اور بس۔" وہ تنگ آ گئی تھی وضاحتیں دے دے کر۔ واثق میز کے گرد رکھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"اگر تمہیں ایڈورٹائزنگ کمپنی میں ہی کام کرنے کا شوق ہے تو میری کمپنی جوائن کرلو۔ اماں کو بھی اطمینان رہے گا۔"

"تمہاری اکڑ میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا' مردانہ انا کی تسکین ہو جائے گی مجھ پر بے جا پابندیاں لگانے کا خاطر خواہ موقع بھی ہاتھ آ جائے گا۔" ایفاء نے تڑپ کر سوچا۔ واثق اس کے سامنے رکھی لوازمات سے بھری ٹرے اپنی جانب کھسکا تا اسے مزید بدمزہ کر گیا تھا۔

"مجھے یہی جاب کرنی ہے۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"میں کم از کم اپنی زندگی میں تو اجازت نہیں دوں گی تمہیں۔" اماں نے سخت انداز میں کہا تو وہ تڑپ اٹھی۔

"اماں...... آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں؟ یہ جاب مجھے میری قابلیت کی وجہ سے ملی ہے' کسی نے ضد میں آ کر آفر نہیں کی جس طرح یہ آفر کر رہا ہے۔" وہ تند انداز میں بولی۔

"کون سی قابلیت کی بات کر رہی ہو تم؟ سوائے زبان درازی اور حکم عدولی کے میں نے تو آج تک کوئی وصف نہیں دیکھی تم میں۔ ویسے بھی قابلیت کا تعلق زبان کی تیزی سے نہیں دماغ کی تیزی سے ہوتا ہے اور تمہارے اس چھوٹے سے خالی دماغ میں کوئی ایک بات آسانی سے نہیں بیٹھتی۔" واثق نے سنجیدگی سے کہا۔ اپنی اہانت کے احساس سے اس کا چہرہ دہک اٹھا۔

"تم آخر خود کو سمجھتے کیا ہو؟ اماں آپ دیکھ لیں اسے پھر آپ کہیں گی کہ میں ہی بدتمیزی کرتی ہوں۔ ان ساری باتوں کے بعد تو میری جوتی بھی اس کی کمپنی میں جاب نہیں کرے گی۔" اس کی بدلحاظی اور زبان درازی کے جوہر نے تو نہیں تھے۔ ہاں ان دونوں کے درمیان ایک نیا رشتا ضرور قائم ہو گیا تھا جسے وہ آج اور نہ ہی مستقبل میں کوئی اہمیت دینے کے لیے آمادہ تھی۔

"تمیز سے بات کرو ایفاء' پہلے کی بات اور تھی مگر اب واثق شوہر ہے تمہارا۔" اماں نے درشتی سے تنبیہ کی۔

"اماں میں بچی نہیں ہوں جو اس کی انگلی پکڑ کر چلوں' آپ ساری زندگی مجھ پر بے جا پابندیاں عائد کرتی رہیں۔ بہتر ہے یہ روک ٹوک آپ ان پر کریں جن پر آپ نے عمر بھر ممتا نچھاور کی ہے۔" وہ جب بھی غصے میں ہوتی اسی طرح لفظوں کے خنجر سے مقابل کا سینہ چیر دیتی تھی۔ اپنی ماں کا نقاہت زدہ چہرہ بھی اسے نظر نہیں آتا تھا۔

"ایفاء تمیز سے بات کرو' احساس بھی ہے تمہیں کہ تم کس سے مخاطب ہو۔" واثق نے ناشتے کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے اسے ٹوکنا ضروری سمجھا۔

"بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں کہ کس سے مخاطب ہوں' مگر تم پتا نہیں کیوں ہر بار یہ بات فراموش کر دیتے ہو کہ اماں تمہاری اماں نہیں بلکہ میری اماں ہیں۔" وہ تند لہجے میں جتا گئی۔

"اگر اس بات کا احساس ہے تو آواز نیچی اور نظر جھکا کر ادب سے بات کرو۔" واثق سختی سے بولا۔

"میری اماں ہیں میری مرضی جس طرح بھی بات کروں۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔" اس کی نصیحت بھی تازیانے کی مانند لگی تھی۔

"ایفاء پتا نہیں تمہاری تربیت میں مجھ سے کون سی کوتاہی سرزد ہو گئی' ذرا جو شرم لحاظ ہو' شوہر ہے وہ اب تمہارا۔ تمیز سے بات کیا کرو اس سے۔" اماں نے برہمی سے کہا۔

"اونہہ شوہر۔" اس کی جلتی سلگتی نظروں کی زد میں واثق زید کا وجیہہ چہرہ تھا عین اسی لمحے واثق زید نے بھی اس کی جانب دیکھا' نگاہوں کا یہ تصادم لمحاتی تھی۔ واثق زید فوراً نظروں کا زاویہ بدل گیا۔ اب دھیان ناشتے پر تھا اور وہ تلملا کر رہ گئی تھی۔

''اماں کرنے دیں ناں یہ جاب مجھے۔ میں آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔'' اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر نرم گلابی بازو سکینہ کے گلے میں حمائل کیے۔

''میرے مرنے کے بعد کرلینا اپنا یہ شوق پورا۔'' سکینہ نے بختی سے کہتے ہوئے اس کے مہندی سے سجے بازوؤں کو جھٹک دیا۔

''اماں......!'' وہ چند قدم پیچھے ہٹتے ہوئے گویا ہوئی۔

''اب میں مزید کوئی بحث نہیں چاہتی۔'' اماں قطعی فیصلہ سنا کر چلی گئیں۔ اس نے برہم نگاہ واثق زید پر ڈالی جو ناشتہ چھوڑ کر اٹھ رہا تھا۔

''اماں تمہاری وجہ سے ناراض ہوکر گئی ہیں۔'' وہ بھیگتی آنکھوں اور برہم انداز میں گویا ہوئی۔

''ہر الزام میرے سر' کبھی اپنے رویے پر بھی غور کرلیا کرو۔'' واثق نے اسے تاسف سے دیکھا اور کچن سے چلا گیا۔

''یقیناً اب جا کر اماں کو مزید میرے خلاف بھڑکائے گا۔'' وہ بری طرح بدگمان ہو رہی تھی۔



''تو تم جاب نہیں کر رہیں؟'' سفینہ نے کوئی آٹھویں بار یہی سوال دہرایا اور اس نے فقط خالی نگاہوں سے دیکھنے پر ہی اکتفا کیا۔

''کہہ تو چکی ہے یہ کہ اسے ملازمت نہیں کرنی۔'' اس کی خاموشی سے عاجز آ کر رامین نے جواب دیا۔

''تم بے وقوفی کر رہی ہو ایسا گولڈن چانس پھر نہیں ملے گا۔ بہترین سیلری پیکج' اعلیٰ مراعات' ترقی کے بے شمار مواقع اور سب سے بڑھ کر بھائی جیسے باس' ایسی جاب پھر نہیں ملے گی۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ تم کہاں سے کہاں پہنچ جاؤ گی۔'' ایسے سنہری خواب سفینہ اسے پچھلے ایک سال سے دکھا رہی تھی۔ وہ یوں بھی اپنے گھر والوں سے برگشتہ' منفی سوچوں کا شکار باغیانہ طرز عمل پر مائل بے حد جلد باز اور جذباتی لڑکی تھی مزید برآں سفینہ کی دوستی۔

''مائی ڈیئر ایفاء میں تمہارا انکار ابھی بھائی تک نہیں پہنچا رہی' اچھی طرح سوچ لو پھر جواب دینا۔'' اس کی نگاہوں میں سفینہ کے لیے احسان مندی کا تاثر ابھرا۔ وہ واثق زید کی پابند ہوکر نہیں رہ سکتی تھی۔ اسے شکست دینے کے لیے اس کے فیصلوں کو رد کرنا ضروری تھا۔ وہ اپنی ماں کی عمر بھر کی جدوجہد اور قربانیوں سے انکاری تھی اور سکینہ کے ہر فیصلے ہر اقدام کو غلط ثابت کردینا چاہتی تھی۔ اسے اپنے نفع نقصان کی پرواہ تھی نہ ہی اپنی ماں کی تربیت کا پاس۔

سفینہ نے پتا نہیں اپنے بھائی سے کیا کہا تھا کہ اگلے دن ہی سکندر وقار نے سفینہ کے ذریعے اسے ملاقات کے لیے بلالیا تھا۔ وہ ہر ممکن طریقے سے ایفاء کو اس جاب کے لیے قائل کرنا چاہتا تھا' ایفاء سے بات کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سکندر وقار کا انداز بہت قابل احترام ہوتا تھا۔ جیسے ایفاء سے زیادہ معتبر ہستی اس دنیا میں کوئی اور نہیں۔ ایفاء سے ملاقات جیسے اس کے لیے بہت بڑا اعزاز ہو۔ ایفاء کو خود اپنی ذات بہت محترم اور معزز لگنے لگی تھی۔ اپنے گھر میں تو اس کی حیثیت اتنی تھی کہ آتے جاتے ہر فرد اسے ادب اور تمیز کی کلاسز دیتا تھا۔ منہ سے ایک بات نکلی نہیں کہ طویل لیکچر سننے کو مل جاتا۔ اس گھر میں اس کا اگر کسی سے خون کا رشتہ تھا تو وہ اماں اور نمرہ تھیں مگر وہ دونوں اسے سوتیلے رشتوں سے بڑھ کر سوتیلی لگتی تھیں۔ اتنی بڑی دنیا میں اسے اپنا آپ بالکل تنہا لگتا تھا۔ اگر کبھی کسی نے اس کی جانب پیش قدمی کی بھی تو واثق زید نے درمیان میں آ کر اس کی طرف بڑھتے قدموں کو رکنے پر مجبور کردیا لیکن اس بار وہ سفینہ اور سکندر وقار جیسے مخلص دوستوں سے قطع تعلق کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔

''آپ یہ جاب کیوں نہیں کرنا چاہتیں مس ایفاء' کیا کوئی مسئلہ ہے؟ کام کی نوعیت پسند نہیں' یہاں کے ماحول میں کوئی خرابی ہے یا سفینہ اور مجھ سے کوئی ناراضی' پلیز کوئی تو جواز بتائیں۔ اگر کوئی شکایت ہے تو اس کا تدارک کیا جاسکتا ہے' آپ اس طرح خاموشی سے گھر بیٹھ کر ہمارے اندیشوں میں اضافہ کررہی ہیں' اگر آپ کو میری کوئی بات

بری لگی ہے تو میں معذرت خواہ ہوں۔" سکندر وقار کا مخصوص نرم لب ولہجہ شرافت کا غماز تھا جس کی وہ قائل ہوگئی تھی۔ وہ انتہائی معروف اور کامیاب ایڈورٹائزنگ کمپنی کا مالک تھا اور صرف یہی ایک کاروبار نہیں تھا اس کا مزید بھی کئی کاروبار تھے اس کے والد مشہور صنعت کار ہونے کے علاوہ صوبائی اسمبلی کے ممبر بھی تھے۔ اتنا کچھ بلکہ بہت کچھ ہونے کے باوجود سکندر وقار وامق زید کی طرح مغرور اور خود پسند نہیں تھا۔

"آپ مجھے شرمندہ کررہے ہیں سکندر صاحب۔ میں نے سفینہ کو بتایا ہے فی الحال اماں مجھے جاب کی اجازت نہیں دے رہیں۔ اماں کو راضی کرنے کے لیے مجھے کچھ وقت چاہیے۔ اصل میں میری اماں سیدھی سادھی خاتون ہیں انہیں بلاضرورت لڑکیوں کا ملازمت کرنا پسند نہیں اور آپ جانتے ہیں مجھے ملازمت کی خاص ضرورت بھی نہیں ہے۔" ایفاء نے دل پر جبر کرکے بہت صراحت کے ساتھ وضاحت دی۔ اس طرح کہ اس کی اور اماں کی باہمی چپقلش اور رنجش سکندر وقار پر آشکار نہ ہوجائے۔

"آپ کہیں تو میں آپ کی اماں سے بات کرکے انہیں قائل کرنے کی کوشش کروں۔ آپ یہاں ایک خاص مقام اور حیثیت سے جاب کریں گی' آپ میری اکلوتی بہن کی عزیز ترین سہیلی ہیں اور میرے لیے اس حوالے سے بے حد قابل احترام بھی ہیں۔ آپ بالکل اپنے گھر کی طرح یہاں بھی محفوظ رہیں گی' یہاں آپ کے مرتبے میں اضافہ ہی ہوگا۔ یہاں کی ہر شے آپ کے مزاج کے مطابق ہوگی۔ آپ یہاں میری سیکرٹری کی حیثیت سے جاب کریں گی۔ میں آپ کو ماڈلنگ کی جانب بھی راغب نہیں کروں گا۔"

"اس شخص کے متعلق وامق زید کہتا ہے کہ وہ ایک نمبر کا کرپٹ ہے...... یہ نظر اٹھا کر دیکھتا تک نہیں' اس قدر نرم دھیمی اور احترام سے لبریز آواز میں بات کرتا ہے کہ اس کے الفاظ و انداز اس کی ستھری سوچ اور بے داغ کھرے کردار کے ضامن ہیں مگر وامق زید کو صرف اپنی خوبیوں کا زعم ہے۔" ایفاء نے تلخی سے سوچا تھا۔

❁......❁......❁......❁

"کہاں سے آرہی ہو تم؟" وہ کھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی تو وامق اس کی راہ میں حائل ہوگیا۔

"میں جواب دینے کی پابند نہیں۔" وہ نخوت سے گویا ہوئی۔

"مجھے جواب دینے کی پابند تو ہو ہمیشہ سے اور تاعمر رہوگی۔ اس لیے اس فضول بحث کو چھوڑ کر سیدھے طریقے سے بتاؤ کہاں گئی تھیں؟" وہ اس کی کلائی استحقاق سے تھام کر قدرے درشتی سے گویا ہوا' اب اس کے فرار کی راہ مسدود ہوگئی تھی۔

"جہنم میں۔" اس نے جھنجلا کر جواب دیا۔

"مجھے بھی پورا یقین ہے کہ تم ایسی ہی کسی جگہ گئی ہوگی' تم جن راستوں پر چلنے کی خواہش مند ہو وہ تمہیں اسی منزل تک لے جاسکتے ہیں۔" وہ اپنی مخصوص بے تاثر انداز میں گویا ہوا۔

"ہاں میری منزل تو جہنم ہے اور تم جیسے سیدھے جنت میں جاؤ گے۔ تین سال ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی میں کام کرنے کے بعد تم نے خود اپنی کمپنی شروع کردی۔ دو سال سے تم دن رات اپنی ایڈورٹائزنگ کمپنی کو ملک کی بہترین کمپنی بنانے میں کوشاں ہو۔ شوبز کی دنیا میں نت نئے تجربے کررہے ہو' کتنے ہی نئے چہرے متعارف کرارہے ہو اور میری جاب پر اعتراض ہے۔ وامق زید تم تو بہت دوغلے انسان ہو۔ تم سے لاکھ درجے اچھا سکندر وقار ہے' وہ منافق تو نہیں۔ جس پیشے سے خود وابستہ ہے اسی سے اس کی بہن بھی منسلک ہے مگر اسے کوئی اعتراض نہیں' اگر یہ فیلڈ اتنی ہی بری ہوتی تو وہ اپنی بہن کو کیونکر اپنے شانہ بشانہ رکھتا؟" وہ اپنی کلائی کو اس کی مضبوط گرفت سے نکالنے کے بجائے اس کے مقابل کھڑی تکرار میں مشغول ہوگئی تھی۔ رامین نے کچن کی کھلی کھڑکی سے بیرونی دروازے کے سامنے کھلے صحن میں کھڑے ان دونوں کو الجھتے دیکھا اور سر جھٹک کر اپنے کام میں مشغول رہی یہ

بحث وتکرار معمول کی بات تھی اور اس وقت تو وہ خود بھی ایفاء کے جانے پر برہم تھی۔ وہ گھر میں کسی کو بھی بتائے بغیر سکینہ کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر سکندر وقار سے ملنے چلی گئی تھی۔ سکینہ ابھی تک نمرہ کے گھر سے نہیں لوٹی تھیں۔ وہ اگر آ گئی ہوتیں تو واثق کی طرح وہ بھی اسے کٹہرے میں کھڑا کر کے باز پرس کرتیں۔

''میں جاب کرنے پر اعتراض نہیں کر رہا۔ مجھے اعتراض ہے تو سکندر وقار کے پاس جاب کرنے پر۔ وہ آدمی گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے۔ اس جیسے گھٹیا انسان کے ساتھ کام کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا میں تمہیں۔'' وہ اٹل لہجے میں گویا ہوا۔

''تم سے اجازت مانگی بھی نہیں ہے میں نے۔'' وہ ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ اپنی کلائی اس کی ڈھیلی پڑتی گرفت سے نکال کر اپنے کمرے کی طرف چلی دی۔ وہ ابھی سکندر وقار سے مل کر آئی تھی۔ واثق زید کا طرز عمل منافقانہ محسوس ہو رہا تھا اور اس کی نگاہوں کی یہ نگہبانی قید محسوس ہو رہی تھی۔

❁......❁......❁......❁

''میری اجازت کے بغیر تم سکندر سے ملنے چلی گئیں، ماں کی حکم عدولی کرتے ہوئے تمہیں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی۔'' اس نے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی تھی۔ رامین کے سامنے بھی صاف مکر گئی تھی اسے بھی بس یہی بتایا تھا کہ گھر میں بیٹھے بیٹھے اکتا گئی تھی اس لیے ماہا کے گھر چلی گئی تھی۔ ماہا ان دونوں کی مشترکہ سہیلی تھی۔ واثق کی تفتیش بھی بے نتیجہ رہی تھی پھر اماں کو کیسے معلوم ہوا؟ اسے حیرت تھی۔

''اماں...... میں ماہا کے گھر......'' اس نے اپنی بات پر قائم رہنے میں ہی عافیت جانی۔

''شرم تو نہیں آتی ماں سے جھوٹ بولتی ہو۔ یہی تربیت کی ہے میں نے تمہاری۔'' سکینہ کی بلند آواز سن کر رامین اور واثق بھی آگے پیچھے سکینہ کے کمرے میں چلے آئے وہ ابھی نمرہ کے گھر سے آئی تھیں۔

''اماں خیریت آپ کیوں خفا ہو رہی ہیں اس پر؟'' ایفاء کو پورا یقین تھا یہ آگ واثق کی لگائی ہوئی ہے اور اب معصوم بن کر آ گیا تا کہ آگ پر تیل چھڑک سکے۔

''اماں...... آپ کو میری ہر بات پر اعتراض ہے اتنی بری لگتی ہوں میں آپ کو تو جانے دیا ہوتا مجھے تایا جی کے گھر کر دیتیں میری افنان سے شادی۔ کیوں میرے گلے میں اس نام نہاد نکاح کا طوق ڈالا۔ صرف اس لیے ناں کہ مجھے تایا جی کے حوالے کر کے آپ شکست سے دو چار ہوتیں آپ کی نام نہاد قربانیاں خاک میں مل جاتیں۔ لوگ تایا جی کو داد و تحسین سے نوازتے اور آپ کے سابقہ فیصلوں پر سوال اٹھاتے صرف اور صرف اپنی انا کا پرچم بلند رکھنے کے لیے آپ نے اس گھر کو میرے ارمانوں، میری خوشیوں کی قتل گاہ بنا دیا۔'' سب کا غبار وہ آج نکال دینے پر کمر بستہ تھی۔

''ایفاء ہوش میں تو ہو تم......؟'' واثق کی غضب ناک دھاڑ بھی اس کی تیز چلتی ہوئی زبان کو نہیں روک سکی۔

''ہاں نہیں ہوں میں ہوش میں۔ عمر بھر کے لامتناہی انتظار نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔ اب میری اماں میری طرف بھی دیکھیں گی، اب وہ میری طرف داری کریں گی، میرے آنسو پوچھیں گی، اب میری محرومیوں کا ازالہ کریں گی، میری رازدار بنیں گی، میری غم گسار بنیں گی مگر نہیں میری خواہش حسرت بن کر رہ گئیں کبھی وہ لمحہ نہیں آیا، میرا نمبر آتے آتے میری اماں اپنے دوسرے فرماں بردار بچوں پر محبت لٹا لٹا کر خالی ہو جاتی تھیں۔ اپنے شوہر کی ماں کی خوشنودی اور اپنے سوتیلے بچوں کی فکر میں ہلکان گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ چلنے والی میری اماں کے پاس میرے لیے کبھی وقت نہیں تھا۔ اماں میری حیثیت ہمیشہ کمتر رہی پھر بھی آپ نے مجھے اپنے ساتھ رکھنے کے لیے مجھے زبردستی ان چاہے رشتے میں باندھ دیا۔ اماں، میں نمرہ آپی کی طرح فرماں بردار اور قناعت پسند نہیں ہوں۔ ہمارے باپ کے مرتے ہی آپ نے دوسری شادی کر لی اور ہمیں ہمارے تایا کے گھر سے اٹھا کر غیروں کے در پر لا پھینکا۔''

وہ خود ترسی کا شکار اماں کے زرد پڑتے چہرے سے بے نیاز اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

"شٹ اپ ایفاء اگر ایک لفظ بھی مزید کہا تو اچھا نہیں ہوگا۔" واثق زید دھاڑا بات اب گلے شکوے سے آگے نکل گئی تھی۔

"بولنے دو واثق اسے میں بھی تو سنوں اپنی ماں کے خلاف کتنا زہر بھرا ہوا ہے اس کے دل میں۔" اماں لرزتی آواز میں بولیں۔

"اماں یہ حواسوں میں نہیں ہے اس کا دماغ ٹھکانے لگانے کی ضرورت ہے۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر کمرے سے لے جانا چاہتا تھا۔

"اماں نے یہ شادی صرف نمرہ آپی اور تمہارے بہتر مستقبل کے لیے کی تھی۔" رامین شدت غم سے نڈھال سکینہ کو تھامتے ہوئے بولی۔

"ہاں واقعی اماں نے ہر قربانی ہمارے لیے دی ہے۔ خصوصاً میرے لیے ہونہہ...... مجھ پر ہمیشہ تمہیں ترجیح دی' بیٹے کی بہت خواہش تھی اماں کو لہٰذا واثق کو نمرہ آپی کے بعد اپنی محبت کا حق دار بنا دیا۔ اماں کی کل کائنات واثق زید اور اماں کی فرماں بردار بیٹیاں ہیں۔ میں تو بس عام رعایا کی طرح ہوں۔ میرا کام بس اماں اور واثق زید کے احکامات کی پاسداری ہے۔" وہ بول نہیں رہی تھی بلکہ زہر اگل رہی تھی۔ معمولی معمولی باتیں اپنے دل سے لگا کر اس طرح اپنی محبت کرنے والی ماں سے وہ بدگمان ہو جائے گی' کون سوچ سکتا تھا بھلا۔

"تم اماں کی محبت پر شک کر رہی ہو۔ اماں نے کبھی ہمیں سوتیلا نہیں سمجھا تم تو پھر ان کی اپنی اولاد ہو۔" رامین کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔

"نہیں مجھے تو یقین ہے کہ اماں کو مجھ سے محبت ہے ہی نہیں بلکہ اماں کے لیے میں سب سے زیادہ غیر ہوں۔ ورنہ کہیں تو اماں نے میری خوشی' میری رضا کا خیال رکھا ہوتا۔ نائیں بیٹیوں کے دل کی باتیں بغیر کہے جان جاتی ہیں مگر اماں میری ہر خواہش' میرے ہر خواب سے بے خبر رہیں۔ اگر اماں کو میری خوشی کا خیال ہوتا تو واثق زید کے ساتھ میرا رشتہ نہ جوڑتیں جس سے میں اس دنیا میں سب سے زیادہ نفرت کرتی ہوں۔"

"میں نے نمرہ کے بجائے واثق کا انتخاب تمہارے لیے کیا' ہر مصلحت کو فراموش کر کے میں نے اپنی بساط اور سمجھ کے مطابق تمہارے لیے بہترین شخص کا انتخاب کیا ہے۔ تم چاہے کچھ بھی کہو' کچھ بھی سمجھو' تم میری اولاد ہو اگر تم آگ سے کھیلنے کی خواہش میں انگارہ مانگو گی تو میں اٹھا کر تمہارے ہاتھ میں انگارہ نہیں رکھوں گی۔ میں تمہیں ٹوکتی ہوں تو فقط تمہاری بہتری کے لیے۔" سکینہ بہت تحمل سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

"اماں...... میں بچی نہیں ہوں ساری عمر آپ کی انگلی پکڑ کر نہیں چل سکتی۔ اپنی مرضی سے جینا چاہتی ہوں میں۔ کھل کر سانس لینا چاہتی ہوں میں۔ اس نکاح کے بعد مجھے اپنے وجود پر ان دیکھی نگاہیں پہرہ دیتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ میری سوچیں میرے خیالات تک بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوئے محسوس ہوتے ہیں' مجھے طلاق چاہیے۔" اس نے بہت دنوں بعد اپنے دل میں مچلتی خواہش کو الفاظ دیے تھے۔

"ایفاء......!" سکینہ کی آواز غم و غصے سے پھٹ پڑی تھی۔

"اماں...... میں حتمی فیصلہ کر چکی ہوں اگر یہ مجھے طلاق نہیں دے گا تو میں عدالت کے ذریعے خلع لے لوں گی۔ اماں اس کے ساتھ ایک قدم بھی چلنا میرے لیے محال ہے کجا تمام عمر کا سفر۔"

"ایفاء......" اماں کا ہاتھ اٹھا مگر واثق زید نے بروقت اسے بازو سے تھام کر اپنے پیچھے کر لیا۔

"نہیں اب تم کیوں ڈھال بن رہے ہو' تمہاری تو دلی مراد بر آئی۔ مار لیں اماں مجھے۔ یہ کسر ہی رہ گئی تھی بس۔" وہ پھر سامنے آ گئی۔

"ایفاء چلی جاؤ یہاں سے۔" اماں زندگی میں پہلی بار بلند آواز میں بولیں اور وہ پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی تھی۔

"واثق بیٹا میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں۔" اماں اپنے بستر پر بیٹھتے ہوئے نڈھال سے انداز میں بولیں۔

"اماں...... پلیز آپ مجھے گناہ گار مت کریں۔ ایقاء سے شادی کا فیصلہ میرا تھا' اس کے اندر ابھی بچپنا ہے شاید کچھ دنوں میں خود ہی ٹھیک ہوجائے۔" واثق سکینہ کا ہاتھ تھام کر انہیں تسلی دینے کی کوشش کررہا تھا۔ ان کی اپنی بیٹی کے دیئے گئے زخموں پر نرمی سے مرہم رکھ رہا تھا۔ اس وقت وہ بے حد رنجیدہ تھیں۔

"اماں آپ جانتی تو ہیں اسے وہ کتنی جذباتی اور ناسمجھ ہے۔ بھائی آپ بھی تو اسے اپنی محبت کا یقین نہیں دلاتے' اس لیے ہی وہ آپ سے اس درجہ بدگمان اور نالہ ہے۔ آپ کا سارا غصہ اس نے اماں پر نکال دیا۔ آپ کا اس سے نکاح ہوا ہے' تھوڑا سا تو اپنی طرف سے اپنائیت کا احساس دلائیں اسے۔" رامین اماں کا دکھ کم کرنے کے لیے اسے موردِالزام ٹھہرا رہی تھی۔

"بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کا مشورہ دے رہی ہو تم مجھے...... اچھی بہن ہو۔" کوئی اور وقت ہوتا تو رامین بھائی سے اس طرح بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور واثق سے اتنے خوش گوار انداز میں جواب کی توقع بھی نہیں تھی۔

"واثق...... ہمیشہ اپنی دونوں بہنوں کا خیال رکھنا' فوزیہ اور رامین تمہاری ذمہ داری ہیں۔" سکینہ نے نقاہت زدہ انداز میں واثق کو مخاطب کیا۔

"اماں...... آپ ہیں ناں ان کا خیال رکھنے کے لیے بلکہ ہم سب کا خیال آپ ہی تو رکھتی ہیں اور صرف فوزیہ اور رامین ہی نہیں نمرہ بھی میری بہن ہے میری ذمہ داری ہے۔" وہ ان کے دائیں ہاتھ کی پشت کو لبوں سے چھو کر بے حد محبت سے گویا ہوا۔

"میں جانتی ہوں میرا بیٹا بہت سمجھدار ہے' وہ سب کچھ سنبھال لے گا۔" اماں نے بہت محبت سے اپنے خوبرو بیٹے کو دیکھا مگر وہ متفکر تھا' نگاہوں اور چہرے پر کندہ تشویش صاف پڑھی جاسکتی تھی۔

"اماں' آپ اس طرح کی باتیں کیوں کررہی ہیں۔ آپ ہیں ناں سب کچھ سنبھالنے کے لیے۔" وہ متوحش سا بولا۔

"آنے والے کل کا کیا بھروسا' آج ہوں اور کل نہ ہوں تو سب تمہیں ہی سنبھالنا پڑے گا۔"

"اماں...... اللہ نہ کرے۔ آپ کا سایہ اللہ رب العزت تاعمر ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ آپ کے بغیر تو ہم کچھ بھی نہیں۔ ہم بن ماں کے بچے تھے آپ نے ہمیں ماں کا پیار دیا' اور بابا کے بعد ہمارے لیے مضبوط سائبان بن گئیں۔ اماں آپ کی محبت کا حق تو ہم اتار ہی نہیں سکتے۔" واثق کی آنکھوں کے گوشے ضبط گریہ سے سرخ ہوگئے تھے۔

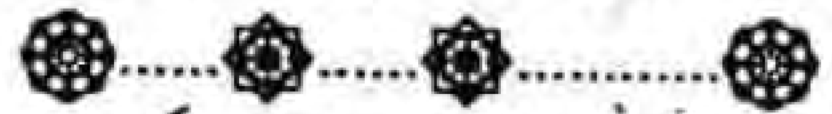
"ہاں مگر موت ایک اٹل حقیقت ہے واثق...... ایک بات کہوں مانو گے۔" سکینہ نے اس کے خوب صورت مردانہ وجاہت سے بھرپور چہرے کو بغور دیکھا جہاں اس وقت شکر گزاری کا تاثر رقم تھا۔ وہ ایسا تھا کہ اسے کوئی بھی بہت محبت کرنے والی وفا شعار اور فرماں بردار شریک حیات باآسانی مل جاتی کتنی لڑکیاں اس کی طلب گار تھیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت قابل سلیقہ شعار مگر اس نے ایقاء کا انتخاب خود کیا تھا۔ شاید ان کی محبت میں ان کی فکریں کم کرنے کے لیے۔ وہ جانتا تھا اماں ایقاء کے لیے پریشان رہتی ہیں وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی۔ خودسر خود پسند اور خود پرست' اسے اپنے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آتا تھا اور واثق اماں کی ہر پریشانی کا سدباب کردینا چاہتا تھا۔

"اماں آپ حکم کریں۔" اس کی تابعداری نے سکینہ کی آنکھیں بھگودیں اور وہ سراپا سماعت بن گیا۔

"ایقاء کی صورت بہت بڑی آزمائش سے دوچار کردیا ہے ناں میں نے تمہیں۔ یہ میری خواہش تھی' تم نے بن کہے جانے پورا کردیا لیکن اب تمہیں میری وجہ سے مزید برداشت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر ایقاء تمہیں خوشی نہیں دینا چاہتی' تمہارے ساتھ نہیں چلنا چاہتی تو تم بھی زبردستی میری خاطر اپنی خوشیوں کو داؤ پر مت لگاؤ۔ اسے چھوڑ کر

کسی بھی دوسری لڑکی سے شادی کرلو جس کے ساتھ تم خوش رہ سکو‘ جو تمہیں محبت اور سکون دے۔ میں اس گھر کو آباد دیکھنا چاہتی ہوں اور تم لوگوں کو خوش و خرم۔‘‘ سکینہ دیکھ رہی تھیں کہ ایفاء کا رویہ ہر گزرتے دن کے ساتھ ناقابل برداشت ہوتا جارہا ہے۔ وہ سمجھتی تھیں نکاح کے بعد اس کے دل میں واثق کے لیے محبت پیدا ہوجائے گی مگر فی الحال ایسا ہوتا نظر نہیں آرہا تھا‘ وہ ایفاء سے سخت مایوس ہوگئی تھیں۔

’’اماں یہ ایک بالکل مختلف نوعیت کا معاملہ ہے۔ ایفاء کی ضد‘ ہٹ دھرمی اور خود سری کے باوجود میں اسے کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اس معاملے میں‘ میں خود کو قطعی بے بس محسوس کرتا ہوں۔ اب وہ خوش رہے یا ناخوش‘ اسے رہنا اسی گھر میں پڑے گا اور وہ بھی میرے ساتھ۔‘‘ اس کا اٹل‘ صاف‘ قطعی انداز‘ اس کی روشن مسکراہٹ‘ ایفاء کے روشن مستقبل کی امید بن کر ان کی آنکھوں میں جگمگا اٹھی جب ہی انہوں نے مطمئن ہو کر آنکھیں موند لی تھیں۔



وہ اتنی بے رحم‘ سنگ دل اور بے حس ہوسکتی ہے یہ اس نے خود بھی نہیں سوچا تھا۔ اپنے وجود میں پھیلتی بے چینی اور بے اطمینانی کے باوجود وہ خود کو باور کرارہی تھی کہ اس نے جو کچھ کیا‘ جو کچھ کہا وہ اس میں حق بجانب ہے۔ ہمیشہ اس کی حق تلفی ہوئی تھی۔ ہر فیصلہ اس کی مرضی کے خلاف ہوا تھا‘ حتیٰ کہ اس کے نکاح کا فیصلہ بھی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ تھا مگر کسی نے اس کی مرضی اس کے انکار کو اہمیت نہیں دی خود کو مطمئن کرنے کے لیے وہ مسلسل تاویلیں گھڑ رہی تھی۔

اکرام الٰہی کی اچانک موت ایک بہت بڑا سانحہ تھی انہیں کاروبار میں بہت بڑا نقصان ہوا تھا۔ سارا سرمایہ ڈوب گیا تھا۔ کسی دوست‘ کسی رفیق کار نے مدد نہ کی حتیٰ کہ اپنا سگا بھائی تک کام نہ آیا‘ سکینہ اپنے میکے کی طرف ضرور دیکھتیں اگر بھائی صاحب حیثیت ہوتا۔ ان کے والد نے ترکے میں ایک مکان چھوڑا تھا اگر بھائی سے اپنا حصہ مانگتیں تو چند لاکھ ہی ہاتھ میں آتے جو اکرام الٰہی کے نقصان کا ازالہ نہیں کرسکتے تھے۔ اکرام الٰہی کے بڑے بھائی اقدام الٰہی والد کے آبائی گھر میں مقیم تھے جس کی مالیت کروڑوں کی تھی مگر وہ محل نما گھر میں سے اکرام الٰہی کو حصہ دینے سے انکاری تھے۔ اقدام الٰہی نے سرے سے اکرام الٰہی کا دعویٰ ماننے سے انکار کردیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ جائیداد میں سے وہ اکرام الٰہی کو ان کا حصہ دے چکے ہیں اور اب آبائی مکان میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

اکرام الٰہی لاکھوں روپے کے قرض دار تھے۔ انہوں نے ہر کسی کے آگے مدد کے لیے سوال کیا مگر کسی نے انہیں سہارا نہیں دیا۔ انہیں اللہ پر بھروسا تھا اور محنت پر یقین رکھتے تھے مگر بھائی کی بے حسی اور بے گانگی ان کے دل کو زخمی کرگئی تھی۔ اکرام الٰہی اپنے بڑے بھائی اقدام الٰہی سے اس شام آخری بار بات کرکے آئے تھے۔ اقدام الٰہی نے کہا تھا اگر واقعی آبائی مکان میں تمہارا حصہ ہے تو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ اگر عدالت نے تمہارے حق میں فیصلہ دیا تو بھلے ساری جائیداد تم رکھ لینا۔ ان کے انداز میں استہزاء تھا۔ اقدام الٰہی جانتے تھے اکرام الٰہی کے پاس وکیلوں کو دینے کے لیے پھوٹی کوڑی تک نہیں ہے وہ کہاں سے مقدمہ لڑیں گے۔ اپنے بھائی کی بے بسی کا مذاق اڑا کر ان کا حق غصب کرکے بھی اقدام الٰہی شرمندہ نہیں تھے۔

اکرام الٰہی خاموشی سے آگئے اور اپنی رفیق حیات کو بھائی کی بے حسی کے متعلق بتاتے ہوئے وہ پہلی بار رو پڑے تھے۔ سکینہ نے انہیں بہت حوصلہ دیا مگر وہ ٹوٹ گئے تھے۔ اس رات وہ سوئے تو اگلی صبح اٹھ نہیں سکے۔ انہیں دل کا جان لیوا دورہ پڑا تھا۔ حالانکہ وہ دل کے تو کیا کسی معمولی سے عارضے میں بھی مبتلا نہیں تھے۔ اس وقت ثمرہ پانچ سال کی اور ایفاء دو سال کی تھی۔

یہاں اکرام الٰہی کا جنازہ اٹھا اور وہاں مہر النساء بیگم نے ہاتھ پکڑ کر سکینہ کو گھر سے نکال باہر کیا۔ پانچ سال کی بچی کی انگلی تھامے دو سال کی بچی کو گود میں لیے وہ اس محل نما گھر کی دہلیز پر کھڑی تھیں جس میں ان کے شوہر کا بھی

حصہ تھا۔ اقدام الٰہی اپنی بیوی کے شانہ بشانہ کھڑے تھے ان دونوں نے سکینہ اور اس کی بچیوں کے منہ پر بڑا سا سنہرے رنگ کا آہنی دروازہ بند کردیا اور سکینہ اپنے حق کے لیے ایک لفظ بھی نہ بول سکیں۔ وہ ایک بار پھر بھائی کی دہلیز پر آ گئیں ان کے والدین حیات نہیں تھے مگر بھائی کا مان تھا' سکینہ بزدل اور کم ہمت نہیں تھیں مگر وہ اپنی بچیوں کا حصہ لینے کے لیے عدالتوں کے چکر نہیں کاٹ سکتی تھیں نہ ہی وکیلوں کو فیسیں ادا کرسکتی تھیں۔ عدت ختم ہونے کے فوراً بعد انہوں نے قریبی اسکول میں ملازمت اختیار کرلی۔ ان کے بھائی نواز احمد کے اپنے بیوی بچے تھے چھوٹی موٹی نوکری پر ان کا گزارا چل رہا تھا۔ جہاں بہتر تنخواہ ملتی وہاں چلے جاتے تھے۔ وہ خود بھی بھائی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی تھیں۔ ان کی زندگی اور خوشیوں کا محور ان کی بیٹیاں تھیں مگر پھر ان کے بھائی کی قسمت نے یاری کی اور انہیں ایک دوست کے توسط سے مسقط میں نوکری مل گئی۔ بیوی بچے بھی ساتھ جاسکتے تھے۔ وہ تنہا اپنی بیٹیوں کے سہارے رہ سکتی تھیں مگر نواز احمد اپنی جواں سال بیوہ بہن کو تن تنہا چھوڑ کر جانے کے حق میں نہیں تھے۔ وہ سکینہ کے لیے فکرمند تھے۔ ان کی تشویش دیکھتے ہوئے ان کی بیوی حنا نے اپنے ماموں زاد بھائی زید کمال کا رشتہ سکینہ کے لیے پیش کردیا تھا۔

زید کمال کی بیوی کی وفات کو اگرچہ دو سال ہوگئے تھے مگر وہ دوسری شادی کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے لیکن پھر بہن بھائیوں کے دباؤ میں آ کر انہیں لامحالہ آمادہ ہونا پڑا۔ سکینہ بھائی کے فیصلے کے سامنے بے بس ہوگئیں اور یوں سکینہ اکرام الٰہی کے انتقال کے صرف گیارہ ماہ بعد ناصرف سکینہ زید کمال بن گئیں بلکہ دو کے بجائے پانچ بچوں کی ماں بھی بن گئیں۔ فوزیہ' وامق اور رامین ان کی ممتا' ان کی محبت کے حصے دار بن گئے اور وہ تو تھیں ہی محبت کے خمیر سے گندھی' انہوں نے اپنی طرف سے سب بچوں کو برابر کا پیار دیا تھا مگر ایفا کو لگتا تھا۔ اماں وامق کو سب سے زیادہ چاہتی تھیں وہ فوزیہ سے تین سال چھوٹا تھا' وامق اور نمرہ تقریباً ہم عمر تھے اسی طرح ایفاء اور رامین کی عمروں میں بہ مشکل دو ماہ کا فرق تھا۔ رامین ایفاء سے دو ماہ چھوٹی تھی مگر سارے ہی بچے ایفاء کے مقابلے میں سمجھدار اور صابر تھے۔

وہ سب سے مقابلہ بازی کرتی۔ اسے اپنے کھلونوں سے زیادہ رامین کے کھلونے اچھے لگتے تھے جو وہ رامین سے موقع دیکھ کر چھین بھی لیتی تھی اور ایسے میں اگر وامق موجود ہوتا تو وہ رامین کی مدد کے لیے فوراً آجاتا۔ فوزیہ اور نمرہ ایک جیسی طبیعت اور مزاج کی حامل تھیں لہٰذا دونوں بہترین سہیلیاں بن گئیں اور وہ تنہا رہ گئی۔ اس نے تمام تر محبت اور توجہ کے باوجود زید کمال کو کبھی نمرہ کی طرح بابا نہیں کہا...... اس نے کبھی کوئی شرارت نہیں کی ہمیشہ عداوت کی۔ اسے کبھی کبھی نمرہ آپا سے بھی حسد محسوس ہونے لگتا تھا۔ اس کے تایا اقدام الٰہی نے کبھی بھی پلٹ کر ان کی خبر نہیں لی تھی لیکن بدقسمتی سے اس کی دوستی مہرالنساء تائی جی کی بھانجی ندرت سے ہوگئی تھی وہ اس کی کالج فیلو تھی۔

ندرت کے گھر ایفاء کے تایازاد افنان کا بہت آنا جانا تھا' یہیں افنان نے اسے پسند کیا تھا اور پسندیدگی کا اظہار کرنے پر ایفاء کے ہاتھوں خاصی عزت افزائی بھی ہوئی تھی۔ افنان جیسے خود پسند اور دل پھینک مرد اسے بالکل پسند نہیں تھے مگر افنان نے پھر بھی اس کے لیے اپنا رشتہ بھجوادیا تھا اگر وامق اس رشتے کی اور افنان کی اتنی مخالفت نہ کرتا تو وہ خود بھی اپنے تایا اور تائی کے منہ پر اس رشتے کے لیے صاف انکار کردیتی۔ افنان کا پرپوزل آنے کے بعد اماں نے اس پر ندرت کے گھر جانے پر بھی پابندی عائد کردی تھی۔ اماں اور وامق ندرت اور سفینہ سمیت اس کی ہر سہیلی کو ناپسند کرتے تھے۔ سکندر وقار نے اسے ایک دوبار کالج یا پھر سفینہ کے گھر سے ان کے گھر تک ڈراپ کیا تھا وامق نے اتنی سی بات پر ہنگامہ کھڑا کردیا تھا۔ وامق کے نزدیک وہ ناقابل اعتبار تھا اگر وہ زبان سے نہیں کہتا تھا تو کیا ہوا اس کا ہر عمل یہ بات ثابت کرتا تھا۔ اماں بھی وامق

کی ہر بات پر بلاتصدیق آنکھیں بند کرکے یقین کرلیتی تھیں۔ افنان کے رشتے سے انکار، سکندر وقار کی کمپنی میں جاب کرنے پر پابندی اور آخر میں نکاح والا معاملہ تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔ ندرت اس سے اکثر کہتی تھی تمہارا لائف اسٹائل بھی ہمارے جیسا ہوتا اگر تمہاری اماں دوسری شادی کرنے کے بجائے تمہارے تایا کے گھر میں ہی رہتیں۔ تمہارے تایا کامیاب کاروباری شخصیت ہیں اور تم لوگوں کا تو نام بھی کوئی نہیں جانتا' کون یقین کرے گا کہ تم اقدام الٰہی کی بھتیجی ہو۔ یہ سب باتیں سن سن کر اسے بھی اماں قصوروار لگنے لگی تھیں۔ ساری محرومیوں کی ذمہ دار اس کی نظر میں اماں ہی تھیں۔

''ہاں مجھے اماں سے شکایت ہے لیکن اماں کا دل دکھانے کا حق نہیں حاصل مجھے اور پھر قصوروار تو وامق زید ہے میرے خلاف اماں کے کان وہی بھرتا ہے۔ میں اماں کے دل سے فوزیہ، وامق اور رامین کی محبت نہیں نکال سکتی۔'' وہ خود کو بہت بے بس محسوس کررہی تھی۔

''کاش اماں مجھ سے بھی اپنی باقی اولادوں جتنی محبت کرتیں مگر وامق نے کبھی ایسا نہیں ہونے دیا اور نہ ہی وہ ایسا ہونے دے گا' مجھے اماں سے معافی مانگ لینی چاہیے۔'' وہ متضاد کیفیات کا شکار ہورہی تھی مگر اس آخری خیال کے آتے ہی وہ بے چین ہواٹھی تھی۔ ''اماں کو تکلیف دینے کا میں نے کیسے سوچ لیا؟'' وہ اندھا دھند اماں کے کمرے کی طرف بھاگی۔ ''میں نے زہر میں بجھے تیروں سے اماں کا سینہ چھلنی کردیا۔'' وہ خود بھی تڑپ اٹھی۔

''کہاں جارہی ہو؟ اب بھی کیا تمہارے دل کی بھڑاس نہیں نکلی۔'' وہ اماں کے کمرے کا دروازہ بند کرکے پلٹا ہی تھا کہ ایفاء اپنی جھونک میں تیزی سے آتی اس سے ٹکرائی۔

''مجھے اماں سے بات کرنی ہے۔'' فوراً سنبھل کر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے وہ حواس باختہ سے انداز میں گویا ہوئی۔

''اماں کی ابھی ابھی آنکھ لگی ہے' بہتر ہوگا مزید شکایات کا پلندہ صبح کھول لینا۔'' وہ دروازے کے سامنے ایستادہ تھا۔

''صبح تو بہت دیر میں ہوگی۔ مجھے اماں سے ابھی بات کرنی ہے۔'' وہ اس کا بازو پکڑ کر اپنے رستے سے ہٹانا چاہتی تھی مگر اسے ہلانے میں بھی ناکام رہی۔

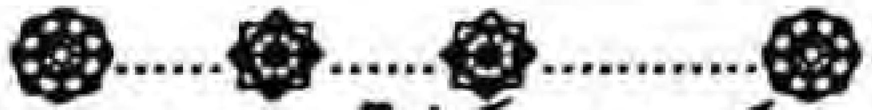
''ایفاء میں تمہیں اماں کو مزید تکلیف دینے کی اجازت نہیں دوں گا۔ ابھی اماں بہ مشکل سوئی ہیں اس سے پہلے کہ میں اپنا ضبط کھودوں تم شرافت سے چلی جاؤ۔'' وہ اس کے اصرار کو تکرار سے تعبیر کررہا تھا۔

''وامق...... آخر تم سمجھتے کیا ہو خود کو۔'' وہ جھنجلائی۔

''مجھے اماں سے بات کرنی ہے۔'' وہ بہ ضد تھی۔

''کہا ناں صبح بات کرنا۔'' وہ اسے بازو سے پکڑ کر اس کے کمرے تک لایا۔ ''یہاں آرام سے بیٹھو اماں کو تنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔'' اسے اندر کی سمت دھکیل کر دروازہ بند کردیا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ وامق کے اس جارحانہ اقدام پر مرنے مارنے پر تل جاتی مگر فی الوقت وہ بند دروازے کو خاموشی سے تکتی رہ گئی۔ کچھ ساعتیں گزرنے کے بعد اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا' ذرا سے دباؤ سے دروازہ کھل گیا۔ راہ داری بالکل خالی تھی وہ چلا گیا تھا۔ ایفاء اسی طرح بے اوسان کھڑی رہی۔

''صبح میں اماں سے ہر بات کی معافی مانگ لوں گی۔ اماں کے پاؤں پکڑ لوں گی۔ اب کبھی اماں کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔'' اس کی پوری رات خود سے عہد کرتے گزری تھی۔



اس کی آنکھ کسی آواز پر کھلی تھی۔ وہ ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں بغیر کچھ سوچے سمجھے اس جانب بھاگی جہاں سے آواز آرہی تھی۔ فجر کی اذان میں بس کچھ ہی لمحے باقی تھے۔ اماں کے کمرے کی دہلیز پر اس کے قدم ساکت رہ گئے۔ ایفاء سے بھی پہلے وامق پہنچ گیا تھا۔ رامین اماں سے لپٹ کر چیخیں مار رہی تھی اور وہ یہ منظر دیکھتی لہرا کر کمرے کی دہلیز پر گر پڑی تھی۔

❁......❁......❁......❁

"اماں......! کوئی اس طرح بھی جاتا ہے۔ وہ گھنٹوں ایک ہی جگہ بیٹھی رہتی، پہلے اماں ٹوکتی تھیں ایفاء...... وہاں کیوں بیٹھی ہو سب کے ساتھ آ کر بیٹھو۔ اس وقت چھت پر کیوں جا رہی ہو؟ سرِ شام منہ سر لپیٹے کمرے میں کیوں ہو؟" اسے یہ سب برا لگتا تھا مگر اب وہ فکر مندی اور محبت کی چاشنی سے لبریز آواز سننے کو ترس گئی تھی۔ اسے محسوس ہوتا تھا جیسے اس سے پہلے وہ کسی قلعے میں محفوظ تھی اماں کے جاتے ہی وہ قلعہ بھربھری مٹی کی مانند ڈھ گیا ہو۔ اماں کا وجود کتنی بڑی نعمت تھا اسے اب ادراک ہو رہا تھا۔ اماں اپنے دل پر اس کی ناراضی کا بوجھ لیے چلی گئی تھیں۔ یہ دکھ اسے اندر ہی اندر ادھ موا کر رہا تھا جس وقت رامین نے سفینہ کی آمد کی اطلاع دی وہ نڈھال سی بیڈ پر بیٹھی تھی۔

"مجھے بہت دکھ ہوا تمہاری اماں کا سن کر، میں ملک سے باہر گئی ہوئی تھی بھائی البتہ تمہاری اماں کے جنازے میں شریک ہوئے تھے۔" وہ خاموشی سے سفینہ کو دیکھتی رہی۔ اس کا کسی سے بات کرنے، کسی سے بھی ملنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ اماں کے انتقال کو بیس دن گزر گئے تھے اور یہ سارا وقت اس نے روتے، سسکتے اور پچھتاتے ہوئے گزارا تھا۔

"میرا خیال ہے تمہیں یہ ماحول بدلنے کی ضرورت ہے ایفاء اس طرح تو تم خود کو ختم کر لوگی۔ رامین بتا رہی تھی تم ہر وقت کمرے میں بند رہتی ہو۔" سفینہ کی کسی بات میں اسے کوئی دلچسپی نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بے تاثر چہرہ لیے سفینہ کو دیکھتی رہی تھی۔

❁......❁......❁......❁

"سکینہ کے جانے کے بعد اس گھر میں اب کوئی بزرگ نہیں ہے۔ تمہارے ماموں بھی بس بہن کے جنازے میں شریک ہوئے اور واپس چلے گئے۔ اب ہمارے علاوہ کوئی بڑا نہیں ہے کہ تم لوگوں کو صحیح غلط کے بارے میں آگاہ کرے۔ یہی مناسب ہوگا کہ تم نوکری کا خیال دل سے نکال کر گھر داری سنبھالو۔ میں تمہاری بہن نمرہ کی ساس ہی نہیں وامق کی پھوپھو بھی ہوں۔ بے شک میں نے کبھی اس گھر کے معاملات میں بے جا مداخلت نہیں کی مگر میں ہوں تو اس گھر کی بزرگ، میرا یہی خیال ہے کہ اب تمہاری رخصتی ہو جانی چاہیے، ساتھ ہی رامین کے لیے اچھا سا لڑکا دیکھ کر اس کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں تو کیا ہی اچھا ہے۔ اگرچہ سکینہ کو گئے زیادہ وقت نہیں گزرا لیکن یہ فرائض ادا کرنے بھی از حد ضروری ہیں اور اس کے اس کام کے لیے اسی مہینے کی کوئی تاریخ رکھ لیتے ہیں۔ ہمیں کون سا تام جھام و غل غپاڑہ کرنا ہے۔ سادگی سے نکاح ہوا تھا، ایسے ہی رخصتی بھی ہو جائے گی۔" رضیہ بیگم نمرہ آپی کی ساس نہ ہوتیں تو پہلو بدلتی ایفاء اب تک اپنی زبان کے جوہر دکھا گئی ہوتی اور اس کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو جاتا۔ اس نے دوسرے ہی دن سکندر وقار کی کمپنی میں ملازمت کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

صبح رامین سے اچھی خاصی بحث کے بعد وہ گھر سے نکلی تھی۔ شام کو واپسی پر وامق زید کو اپنا منتظر دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ وہ اپنی بائیک کے ساتھ آنکھوں پر گلاسز چڑھائے کھڑا تھا۔ اس کا رخ ڈوبتے سورج کی جانب تھا۔

"اونہہ...... ڈوبتے سورج کی نرم کرنیں بھی اسے چبھ رہی ہیں۔" ایفاء نے جل کر سوچا، وہ بغیر کچھ کہے بائیک پر بیٹھ گیا تو اسے بھی اس کے پیچھے بیٹھنا پڑا۔

"ذرا سی بات رامین کے پیٹ میں نہیں ٹکتی میرے آنے کا انتظار ہی کر لیتی۔ فوراً اپنے بھائی کو بتا دیا۔" وہ سارے راستے کھولتی رہی۔ گھر آتے ہی وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی آئی، آج اس نے آزادی کی طرف پہلا قدم بڑھایا تھا، اس نے اپنے وجود کے گرد لپٹی سیاہ چادر اتار کر بیڈ پر اچھالی، بالوں سے کیچر نکالا اور بیڈ پر گرنے کے انداز میں لیٹی ہی تھی کہ وہ بغیر دستک دیے دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں آیا تو وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھی۔

"میرا نہیں خیال ایفاء کہ مجھے یہ بات ہر بار باور

کرانے کی ضرورت ہے کہ تم میری پابند ہو اور تمہیں اب ہر معاملے میں مجھ سے اجازت لینی چاہیے۔" وہ تحمل سے گویا ہوا لیکن وہ تلملا اٹھی۔

"میں اگر تمہیں برداشت کررہی تھی تو صرف اماں کی وجہ سے اب اماں نہیں ہیں تو اس کاغذی رشتے کا ختم ہو جانا ہی بہتر ہے۔" وہ بھڑک کر بولی۔

"اس کا فیصلہ تم نہیں کروگی۔" وہ بھی بھڑکا۔

"ٹھیک ہے اگر تم مجھے آسانی سے طلاق نہیں دو گے تو مجھے مجبوراً قانون کا سہارا لینا پڑے گا۔" اس نے حتمی لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں کبھی طلاق نہیں دوں گا۔ چاہے تم کسی کا بھی سہارا لے لو۔" وہ قطعیت سے بولا۔

"کیا کروگے تم؟ میرے گلے میں رسی اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر کسی کھونٹے سے باندھ کر رکھو گے۔ میں کوئی عام روایتی ڈرپوک لڑکی نہیں ہوں جسے ہر قدم پر مرد کے سہارے اور اس کے نام کی ضرورت پڑے، تم جیسے حاکمیت پسند مرد کے ساتھ وابستہ رہ کر میں تمہارے فخر و غرور میں اضافے کا باعث نہیں بن سکتی۔ میں اپنی ذمہ داری خود اٹھا سکتی ہوں۔ برے سے برے حالات کا مقابلہ کرنے کی اہلیت ہے مجھ میں......" وہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ واثق نے دفعتاً اس کی بات کاٹ دی۔

"واقعی تم ایک بہادر لڑکی ہو تمہیں کسی مرد کے سہارے کی ضرورت نہیں۔" وہ اس کے بدل جانے والے تیور اور لہجے کی بالکل انجانی لے کو محسوس کرکے چونکی تب تک دیر ہو چکی تھی۔

وہ دو قدم سے بھی کم فاصلہ ایک ساعت میں طے کرکے اس کے بے حد نزدیک آ گیا۔ ایفاء کی ساری طراری بھاپ بن کر اڑ گئی۔ سدباب کے طور پر نہ کوئی تلخ جملہ یاد آیا نہ الزام...... وہ اس کے مضبوط بازوؤں کے حصار میں تھی۔ اسے بے بس کرنے کے بعد اس نے بے حد سلگتی نگاہ ایفاء پر ڈالتے ہوئے بہت کڑے لہجے اور مدھم آواز میں کہا۔

"بس اتنی ہی بہادر ہو تم۔" اس کے کان کی لو دہک اٹھی تھی دوسرے ہی لمحے وہ اس کے نازک وجود کو جھٹک کر چلا گیا۔ ایفاء کا سارا وجود اہانت اور تذلیل کے احساس سے بھانبھڑ کی طرح جل اٹھا۔ وہ غصے سے کانپ رہی تھی۔ اتنی تضحیک اس قدر ہزیمت وہ اسے اس کی فطری کمزوری کا احساس دلا کر گیا تھا۔ وہ دھان پان سی لڑکی اس جیسے لمبے چوڑے قابل رشک صحت والے کسرتی جسم کے حامل شخص کے سامنے حیثیت ہی کیا رکھتی تھی۔

"اگر میں نے بھی تمہیں بے بسی اور بے عزتی کے اس احساس کا مزہ نہیں چکھایا تو میرا نام ایفاء اکرام الٰہی نہیں۔ بہت جلد تمہیں پتا چل جائے گا کہ بے بسی کسے کہتے ہیں اور بہادری کیا ہوتی ہے۔" اس کے اندر لگی آگ لحہ بہ لحہ بھڑکتی جارہی تھی۔

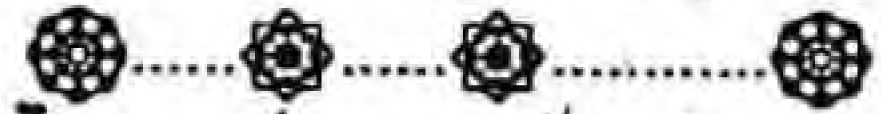


اماں کے انتقال کو پانچ ماہ ہوگئے تھے کچھ نہیں بدلا تھا نہ واثق زید کا استحقاق بھرا انداز نہ اس کی روک ٹوک اور نہ ہی ایفاء کی خودسری اور سرکشی۔

پانچ بجے آفس ٹائم ختم ہوتا تھا اور پانچ بجنے سے قبل بادل برسنا شروع ہوگئے تھے۔ وہ بے بسی سے گلاس وال کے اس پار برستی بارش کا نظارہ کررہی تھی۔ اسے یہ موسم بالکل پسند نہیں تھا بادلوں کی گرج چمک سے اس کی جان پر بن آتی تھی۔ اس وقت بھی وہ بارش رکنے کی شدت سے منتظر تھی۔ صبح رامین نے بتایا تھا واثق آج اسلام آباد جائے گا اور اسے یقین تھا وہ چلا گیا ہوگا اگر شہر میں ہوتا تو اب تک اسے لینے آ گیا ہوتا۔ واثق کی شدید مخالفت کے باوجود وہ سکندر وقار کے پاس ملازمت کررہی تھی۔ وہ واثق سے خلع لینا چاہتی تھی مگر اس کے پاس سر چھپانے کے لیے چھت تک کا آسرا نہیں تھا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصدق فی الحال اس کے پاس سکندر وقار کی کمپنی میں ملازمت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ اس کے تسلط سے آزاد ہونا چاہتی تھی اور اس کے لیے سب سے پہلے

اسے مالی طور پر مستحکم ہونے کی ضرورت تھی۔
''خیریت...... آج جانے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟''
سکندر وقار کی آواز سن کر وہ سرعت سے پلٹی۔ ''آیئے میں آپ کو ڈراپ کردوں۔'' سکندر وقار کی پیشکش پر وہ جز بز ہوئی۔
''شکریہ سر...... میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے ہموار لہجے میں پیشکش رد کی۔
''بہت بہادر ہیں آپ' باقی لڑکیوں سے بالکل مختلف۔'' سکندر وقار کی آنکھوں میں ستائش تھی۔ ایفاء نے دھیان دیے بغیر اپنا پرس اٹھایا اور باہر کی راہ لی' سکندر وقار بھی اس کے ہمراہ ہوا تھا۔
اس موسم میں ٹیکسی یا رکشہ ملنا آسان نہیں' وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی مگر پھر بھی اس کی پیشکش قبول کرنے میں متامل تھی۔ وہ برستی بارش میں سڑک کے کنارے کھڑی تھی سکندر وقار چند ساعتوں بعد پارکنگ سے اپنی گاڑی نکال کر لے آیا تھا۔
''پلیز ایفاء بیٹھ جائیں کب تک اس طرح کھڑی رہیں گی۔'' وہ مدہم اور التجائیہ انداز میں مسلسل اصرار کرتے ہوئے اسے بیٹھنے پر مجبور کررہا تھا مگر وہ ایک بار انکار کرگئی تھی اب کیسے بیٹھ جاتی۔
''پلیز ایفاء......'' الفاظ سکندر وقار کے منہ میں رہ گئے دوسری گاڑی سے اترنے والا شخص کیسے اس وقت یہاں ہوسکتا تھا' سکندر جانتا تھا وامق شہر سے باہر گیا ہوا ہے اس کی آمد ایفاء کے لیے بھی غیر متوقع تھی۔
''بیٹھو۔'' ایک لفظی حکم کی تعمیل فوراً ہوئی تھی۔ سکندر برستی بارش میں اپنی گاڑی کے ساتھ کھڑا رہ گیا تھا۔
''تم تو اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔'' چند ساعتوں کی خاموشی کے بعد ایفاء نے آخر استفسار کیا۔ وہ آگے بیٹھا تھا' ذرا سی گردن موڑ کر بائیں جانب گاڑی کے دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھی ایفاء کو استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔
''تمہیں کیا فکر میرے جانے آنے کی۔'' ایفاء نے اس پر ایک برہم نظر ڈال کر رخ کھڑکی کی جانب کرلیا اگر گاڑی میں موجود ڈرائیور کا خیال نہیں ہوتا تو وہ ضرور بات آگے بڑھاتی۔
''چلا جاتا مگر نہیں جاسکا موسم خراب ہوگیا پھر فلائیٹ کینسل ہوگئی۔'' اس نے جواب دیا' ایفاء نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔
گھر پر نمرہ آپی آئی ہوئی تھیں۔ انہیں دیکھ کر ایفاء کا ماتھا ٹھنکا۔ اس برستی بارش میں کچھ ہی دیر بعد فوزیہ آپا بھی آگئیں۔
''تمہارے گھر آؤ تو تمہارے مزاج ہی نہیں ملتے۔'' وہ نمرہ آپی سے سلام دعا کیے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی وہ خود ہی اس کے پیچھے پیچھے چلی آئیں۔ فوزیہ آپا بھی ان کے ہمراہ تھیں۔
''آپ سنائیں ایسی برستی بارش میں یوں ہی تو نہیں آئیں ہوں گی آپ دونوں؟'' اس نے بدلحاظی سے استفسار کیا۔
''تم کبھی تمیز سے بھی بات کرلیا کرو۔'' نمرہ آپی نے اسے سرزنش کی۔
''اصل میں رامین کے لیے ایک رشتا آیا ہے' ان لوگوں کو بہت جلدی ہے' لڑکا بھی دیکھا بھالا ہے وامق کا دوست ناصر۔'' فوزیہ آپا نے اس کے تیور اور بدلحاظی کو نظر انداز کرکے تحمل سے آنے کی وجہ بتائی۔
''تو آپ لوگ مجھے کیوں یہ سب بتارہے ہیں جاکر شادی کردیں۔'' وہ ناگواری سے بولی۔
''تم خود کو اس گھر کے معاملات سے الگ نہیں رکھ سکتیں۔'' نمرہ نے فہمائش کی۔
''اصل میں ایفاء رامین ہم سب سے چھوٹی ہے پھر اب اماں بھی نہیں رہیں۔ ہمارے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہورہا ہے۔ اصل میں صولت خالہ نے بھی اپنے چھوٹے بیٹے جواد کا پرپوزل دیا ہے۔ دونوں رشتے ہی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ تم رامین سے دونوں پرپوزلز کے متعلق اس کی رائے لے لو۔ تم دونوں ہم عمر ہو رامین تم سے بغیر ہچکچائے اپنی منشاء کا اظہار کردے گی۔'' فوزیہ آپا نے

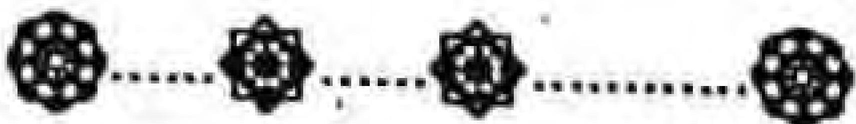
سادگی سے وضاحت کی۔
"تو آپ لوگوں کے یہاں شادی سے پہلے لڑکی کی مرضی جاننے کا رواج ہے۔ اتنی آزادی ہے کہ لڑکی کھل کر اپنی مرضی کا اظہار کرسکے۔ ہاں بھئی آپ دونوں کے معاملے میں بھی اماں نے اس رسم کو نبھایا تھا اب آپ آگئے ہیں آزادیٔ اظہار کے حامی بن کر میرے وقت میں سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔" وہ تندوتیز لہجے میں گویا ہوئی۔
"ایفاء اب تو ان باتوں پر جلنا کڑھنا چھوڑ دو۔ ہم لوگ تمہاری ہر بدتمیزی اور بدزبانی کو فقط اماں کی وجہ سے نظر انداز کرتے آئے ہیں کیونکہ تم اماں کو عزیز تھیں اور تم اس بات کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہو۔" نمرہ برہم ہوئی۔
"بہت احسان ہے آپ لوگوں کا۔ پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں آپ لوگ۔" وہ پاؤں پٹختی ہوئی اٹھ کر چلی گئی۔ فوزیہ اور نمرہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔



بساط اس طرح بھی پلٹتی ہے وہ بالکل انجان تھی۔ وہ ہار یا جیت کسی ذائقے سے بھی کلی طور پر روشناس نہیں تھی مگر شاید اب قسمت نے یاوری کی تھی۔ تایا جی شدید بیمار تھے۔ انہوں نے ایفاء اور نمرہ کو بلا کر نا صرف معافی مانگی تھی بلکہ ان کا حصہ بھی انہیں دینے کے لیے تیار تھے۔ تائی جی اگرچہ اب بھی ایسا نہیں چاہتی تھیں مگر تایا جی نے فیصلہ کرلیا تھا اور وہ جو جائیداد میں اپنا حصہ نہ ملنے کا الزام اماں پر رکھ کر اماں سے بدگمان تھی تایا جی کا فیصلہ سن کر گم صم ہوگئی تھی۔ اماں کے بغیر اب کوئی خوشی خوشی نہیں رہی تھی۔ رامین کی شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہوگئی تھیں مگر ایفاء، نمرہ آپی اور فوزیہ آپا کی طرح پُرجوش نہیں تھی۔ وہ سب سے الگ تھلگ سب کے خوشی سے جگمگاتے چہروں کو دیکھ کر کڑھتی رہتی تھی۔



اس کے لیے افنان کی آمد حیران کن تھی جبکہ رامین کے لیے ناگوار۔
"میں یہاں سے گزر رہا تھا سوچا تمہیں بابا کا پیغام دیتا جاؤں فرصت ہو تو آ کر مل لینا اب تو گھر آگئے ہیں۔" افنان مخاطب ایفاء سے تھا مگر نگاہیں رامین پر تھیں جو بلاوجہ بلکہ زبردستی ایفاء کے اشارے سے جانے کا کہنے کے باوجود ڈائننگ روم میں جمی بیٹھی تھی۔ وجہ افنان جیسے دل پھینک بندے پر ایفاء کے لیے بے اعتباری تھی۔ مقصود افنان کی نگرانی اور ایفاء کی نگہبانی تھا۔
"نمرہ آپی کو وقت ملے گا تو پھر ان کے ساتھ آؤں گی۔" وہ لاپروائی سے بولی۔
"لگتا ہے تم پر خاصے پہرے بٹھائے ہوئے ہیں وامق زید نے پہلے تم سے ملنے والے سے تفتیش ہوتی ہے پھر نگرانی بھی۔" وہ صاف رامین پر طنز کررہا تھا۔ جس کا ارادہ افنان کو دروازے سے ہی لوٹا دینے کا تھا مگر عین وقت پر ایفاء اپنے کمرے سے باہر آ گئی اور آوازیں سن کر بیرونی دروازے پر آ کر رامین کے ارادے کو خاک میں ملادیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی رامین کو باہر جانا پڑا تھا۔
"تمہاری کزن بہت خوب صورت ہے۔" افنان کا لب ولہجہ فسوں خیز تھا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ایفاء نے اسے گھور کر دیکھا۔
"مطلب یہ کہ میرا دھیان پہلے کبھی اس پر نہیں گیا ورنہ وامق زید کا غرور دومنٹ میں خاک میں مل جاتا۔" افنان آج تک اپنا رشتہ ٹھکرائے جانے کی وجہ سے ان دیکھی آگ میں جل رہا تھا۔ ایفاء کو دیکھ کر ہر بار شکست کا احساس شدید تر ہوجاتا وہ اب وامق کی منکوحہ تھی اس کا حصول افنان کے لیے ناممکن ہوگیا تھا۔
"تمہاری اماں اور وامق مجھے دل پھینک اور بدکردار سمجھتے تھے بدکردار انسان کیسا ہوتا ہے یہ میں انہیں رامین کے ذریعے بتا سکتا تھا۔" ایفاء کی خاموشی افنان کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ وہ پھر زیادہ دیر نہیں بیٹھا مگر ایفاء پر سوچ کا نیا در وا کر گیا تھا۔



"افنان یہاں کیوں آیا تھا؟" وہ آندھی طوفان کی

طرح آیا۔ رامین نے یقیناً اسے افنان کی آمد سے مطلع کیا تھا۔ وہ صدا کی بدگمان تھی۔ واثق زید نے گاڑی میں بیٹھے افنان کی ایک جھلک دیکھی تھی وہ آ رہا تھا اور افنان کی گاڑی مخالف سمت رواں دواں تھی اپنے گھر کی ملحقہ سڑک پر افنان کی گاڑی دیکھ کر وہ آگ بگولہ ہوگیا تھا۔

''کزن ہے وہ میرا مجھ سے ملنے آیا تھا۔ تمہیں اگر میرے رشتے داروں کا آنا اتنا ہی برا لگتا ہے تو آزاد کردو مجھے۔'' وہ تڑک کر بولی۔

''تم یہاں کون سا قید ہو اپنی مرضی کی زندگی گزار رہی ہو مگر میں مزید تمہاری من مانیاں برداشت نہیں کرسکتا۔ اس گھر میں میری بہن رہتی ہے اور تمہارا وہ بے کردار آوارہ کزن یہاں آئے مجھے گوارا نہیں ہے۔'' وہ پھنکارا۔

''میرا کزن بے کردار اور آوارہ' میں بھی ناقابل اعتبار اس پوری دنیا میں صرف تم اور تمہاری بہن پارسا اور باکردار ہیں۔'' وہ غرائی۔ رامین افتاں خیزاں ان کی آوازیں سن کر آگئی تھی۔

''میں کہہ چکا ہوں وہ مجھے یہاں آئندہ نہ نظر آئے اور نہ ہی تم اس کے گھر جاؤ گی۔'' وہ قطعیت سے بولا۔

''میں جاؤں گی وہاں اور وہ بھی یہاں آئے گا اگر تم چاہتے ہو وہ نہ آئے تو مجھے طلاق دے دو۔'' وہ ہر صورت اس رشتے سے چھٹکارا چاہتی تھی مگر واثق زید کے تیور بتا رہے تھے کہ ایفاء کا مطالبہ اس کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

''طلاق تو میں تمہیں زندگی بھر نہیں دوں گا۔'' وہ اٹل فیصلہ سنا کر چلا گیا پیچھے سے ایفاء چیختی رہی۔

''مجھے طلاق چاہیے واثق زید میں نہیں رہ سکتی تمہارے ساتھ۔ مجھے طلاق چاہیے۔'' رامین کے لیے اسے چپ کرانا مشکل ہوگیا تھا۔ واثق پر اس کی بلند ہوتی آواز اور ایک ہی تکرار کا مطلق اثر نہیں ہوا وہ اطمینان سے ٹی وی کی آواز بلند کرکے کوئی سیاسی ٹاک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔

❁............❁............❁............❁

وہ گلاس ٹیبل کے دوسری طرف بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ آنکھوں میں سوچوں کا گہرا عکس ہلکورے لے رہا تھا۔ گہری سیاہ آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرتکز سامنے بیٹھے شخص سے بالکل لاتعلق تھیں جیسے وہ اس منظر میں موجود ہی نہ ہو اور وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا جیسے کسی مصور کا حسین ترین شاہکار اس کے سامنے رکھا ہو۔ ادھ کھلے گلابی ہونٹ' پیشانی کا بوسہ لیتی سیاہ لٹ' سر پر جما دوپٹہ اور گلابی نرم ملائم چہرے پر موجود بے پناہ معصومیت۔ اس کا دل آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔ مقابل بیٹھے شخص کی پُرشوق' بے باک نگاہوں کی حدت تھی یا کچھ اور اس کی پلکیں اٹھی تھیں' سکندر وقار کو اپنے سامنے بیٹھا دیکھ کر پہلے اس کے چہرے پر حیرت کا عکس جھلملایا پھر ناگواری کا۔ سکندر وقار کی نگاہوں کا ارتکاز اسے برا لگا تھا۔

''سر آپ یہاں...... کوئی کام تھا؟'' اپنے کیبن میں سکندر وقار کو دیکھ کر اس کا ردعمل ایسا تھا جیسے وہ اس کے گھر میں بلااجازت چلا آیا ہو کم از کم اس وقت سکندر وقار کو ایسا ہی محسوس ہوا تھا' وہ کھل کر مسکرایا۔

''لگتا ہے آپ کی سوچوں میں مخل ہوگیا ہوں۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ نگاہیں ہنوز اس پر مرتکز تھیں۔ ''کیا کوئی پریشانی ہے؟'' فوراً ہی اپنا لہجہ بدل کر اس نے سوال بھی کردیا۔

''جی نہیں۔'' وہ یوں ہی میز پر رکھا لیپ ٹاپ آن کرکے بیٹھ گئی۔ جیسے اچانک بہت مصروف ہوگئی ہو۔

''ایفاء آپ مجھ سے اپنی ہر پریشانی شیئر کرسکتی ہیں یقین کریں آپ کے ماتھے پر آئی ہلکی سی شکن مجھے بے چین کردیتی ہے۔ آپ میرے لیے کتنی خاص ہوگئی ہیں یہ میں آپ کو لفظوں میں نہیں بتاسکتا۔ آپ کی معصومیت' آپ کی پاکیزگی' آپ کی انفرادیت ہے' میں نے آپ جیسی لڑکی اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔''

''سر...... مجھے کچھ نہیں آرہا آخر آپ یہ سب کیوں کہہ رہے ہیں؟'' وہ خاموش ہونے کے لیے تیار نہیں تھا ایفاء نے اس کی بات قطع کرکے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا' شاید سکندر وقار کی آنکھوں اور لہجے کے بدلتے رنگ اسے

چونکنے پر مجبور کر گئے تھے۔

"کیونکہ آپ قابل تعریف ہیں اس لیے میں یہ سب کہہ رہا ہوں۔ میں ایسی لڑکیوں کی ہمت کی قدر کرتا ہوں جو گھٹے ہوئے ماحول اور پابندیوں کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھتی ہیں' جو کسی ذہنی بیمار و حاکمیت پسند شخص کی غلامی قبول نہیں کرتیں۔ تمہیں جب بھی اس ماحول سے نکلنے کے لیے میری مدد کی ضرورت پڑے مجھے بتانا میں ہر صورت تمہاری مدد کروں گا۔" سکندر وقار کے الفاظ ہمیشہ کی طرح متاثر کن تھے۔

"شکریہ سر...... مگر مجھے آپ کی کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اسے ہمدردی' ترس' ترحم جیسے احساسات سے سخت چڑتی تھی اپنے لیے وہ کسی شخص کی نگاہوں میں یہ تاثرات کبھی برداشت نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی اسے سکندر وقار سے کسی قسم کی مدد درکار تھی۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں وامق زید کس قسم کا انسان ہے۔ عورتوں کی آزادی اور خود مختاری کے خلاف ہے وہ۔ اس نے یقیناً تمہاری زندگی بھی دشوار کر رکھی ہوگی۔" سکندر وقار راکھ میں سے چنگاری تلاش کر کے ہوا دے رہا تھا مگر وہ ایفاء اکرام الٰہی سے پوری طرح واقف نہیں تھا جس کی شفاف روشن پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

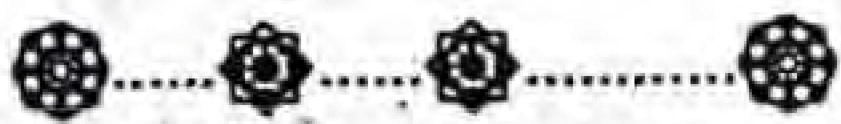
"آپ سے کس نے کہا یہ سب؟" اس کے لہجے سے ناگواری عیاں تھی۔ سکندر وقار فوراً سنبھلا۔

"سفینہ نے...... شاید تم نے اس سے یہ سب شیئر کیا ہوگا۔" اس نے بے حد عام سے لہجے میں وضاحت کی جبکہ ایفاء کی ناگواری اور استفسار دونوں اس کے لیے غیر متوقع تھے۔ اس نے تو اپنے خیال میں لوہا گرم دیکھ کر چوٹ ماری تھی۔ ایفاء کی کچھ دیر پہلے ہی سفینہ سے بات ہوئی تھی کل افنان کے آنے کی وجہ سے وامق زید نے جو کچھ کہا تھا ایفاء نے ایک ایک بات اپنی ہمراز و دم ساز سفینہ کو بتادی تھی۔ جس نے وامق کی کئی ایک برائیاں کرنے کے بعد ایفاء کی آزادی کا واحد ذریعہ اس ملازمت اور اپنے بھائی کو گردنا تھا اس وقت ایفاء خاموش ہوگئی تھی اور اب وہی بات سکندر وقار کر رہا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ سفینہ آپ سے میری ذاتی باتیں بھی کرتی ہے۔ خیر کچھ بھی ہو وامق زید کے متعلق مجھے کسی سے بات کرنا پسند نہیں' یہ میرا گھریلو معاملہ ہے۔" اماں کی تربیت بولی تھی۔ وہ کیسے اماں کے بتائے ہوئے راستے سے منہ موڑ سکتی تھی۔

"مگر تم آزادی چاہتی ہو' خلع کے لیے عدالتوں کے چکر لگانے پڑیں گے۔ تمہارے پیچھے کون ہے جو تمہارا ساتھ دے گا۔ میں یہ کام آسانی سے کرادوں گا اور......" وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا۔

"پلیز سر میں نے کہا ناں یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔" وہ سختی سے گویا ہوئی۔ سکندر وقار لب بھینچ کر رہ گیا۔ وہ واقعی دوسری لڑکیوں سے مختلف تھی' وہ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ ایفاء سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اب اسے سفینہ پر شدید غصہ آرہا تھا جس نے سکندر وقار کے سامنے اس کی بے چارگی کا اشتہار لگا دیا تھا۔ سکندر وقار کی مدد کرنے کی پیشکش سے وہ کچھ بھی اخذ نہیں کر سکی تھی سوائے اس کے کہ اسے سفینہ نے ہی ایسا کہنے کے لیے کہا ہوگا۔ میری فکر جو ہے سفینہ کو' وہ مطمئن تھی۔



"ایک بار پھر میں اس سے وہ سب نہیں کہہ سکا جو کہنا چاہتا تھا۔" سکندر وقار اپنی نشست پر بیٹھا مسلسل سگریٹ پھونک رہا تھا۔ ایفا اکرام الٰہی ہر گزرتے دن کے ساتھ سکندر وقار کی ضد بنتی جا رہی تھی۔ اسے جیت کم وہ وامق زید کو ہرانا تھا اور یہ جیت بہت آسان ہوتی اگر ایفا آسان حدف ہوتی وامق زید اور سکندر وقار ہمیشہ سے ایک دوسرے کے حریف تھے۔ اسکول' کالج اور پھر یونیورسٹی تعلیم کا میدان ہو یا اسکول کالج اور یونیورسٹی کی دوسری سرگرمیاں دونوں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوشاں رہتے تھے اور عموماً کامیابی وامق زید کے حصے میں آتی تھی۔ صرف ایک جگہ وامق زید سکندر وقار کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اور وہ تھی سکندر وقار کی دولت جس کی چمک دمک

سے دوسرے مرعوب ہوجاتے تھے مگر وامق زید نہیں ہاں وامق زید لڑکیوں میں اتنا ہی مقبول تھا جتنا سکندر وقار مگر سکندر وقار کی طرح اس کی کوئی گرل فرینڈ نہیں تھی یہ بات سکندر وقار کے فخر وغرور اور انبساط میں مزید اضافے کا باعث تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد سکندر وقار نے اپنے والد کی ایڈورٹائزنگ کمپنی اور پروڈکشن ہاؤس سنبھال لیا اور وامق زید بھی اسی شعبے سے منسلک ہوکر سکندر وقار کے لیے چیلنج بن گیا تھا۔ وامق زید کی کمپنی بہت تیزی سے ترقی کے مراحل طے کررہی تھی۔ وہ دونوں عملی زندگی میں بھی ایک دوسرے کے حریف تھے مگر رقیب سکندر وقار کی ضد کی وجہ سے بنے تھے۔ ایفاء وامق زید کی سوتیلی ماں کی بیٹی تھی اسے یہ بات اس کی بہن نے بتائی تھی۔ وہ وامق زید کو پسند نہیں کرتی، اصل میں وامق زید کو لڑکیوں کی آزادی پسند نہیں تھی، سفینہ نے اسے ایفاء کے متعلق پہلے ہی بہت کچھ بتا رکھا تھا۔ سکندر وقار سفینہ کو لینے آیا تھا اور یہاں اس نے ایفاء کو پہلی بار دیکھا۔ کالج یونیفارم میں ملبوس ایفاء جتنی خوب صورت لگ رہی تھی اتنی ہی مغرور اور بے نیاز بھی۔ (ایسا ہی غرور اور بے نیازی وامق زید میں بھی تھی) سکندر وقار کے ذہن میں اسے دیکھ کر پہلا خیال یہی آیا تھا۔ سفینہ نے دونوں کا تعارف کرایا مگر ایفاء نے نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ لڑکیاں اسے دیکھتے ہی اس سے متاثر ہوجاتی تھیں، بات کرنے کے بہانے ڈھونڈنے لگتی تھیں۔ اپنا نمبر دے کر پھر ملنے اور بات کرنے کے لیے اصرار کرتیں مگر وہ بے نیاز بنی کھڑی تھی۔

"چلو ہم تمہاری دوست کو بھی اس کے گھر ڈراپ کردیتے ہیں۔" آخر کار سکندر وقار نے ہی بات کرنے کی ابتدا کی۔

"ہاں ایفاء یار آجاؤ ہم تمہیں بھی ڈراپ کردیں، آج تمہاری بہن بھی نہیں آئی۔" سفینہ نے اصرار کیا اور وہ شاید بیٹھ بھی جاتی گاڑی میں مگر وامق زید چلا آیا تھا۔ سکندر وقار کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ناگواری کا تاثر عود کر آیا۔ ساتھ ہی استفسار بھی۔

"میں اپنی بہن کو لینے آیا تھا مگر یہاں پتا چلا ہماری بہنیں آپس میں سہیلیاں ہیں۔" سکندر وقار اس طرح بات کررہا تھا جیسے ان دونوں کے درمیان بہت ہی دوستانہ تعلقات ہوں۔ وامق نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔

"کون رامین؟" وہ سمجھا نہیں تھا۔

"نہیں میں اور ایفاء۔" سفینہ نے جلدی سے تصحیح کی۔

"ایفاء میری بہن نہیں ہے۔" وامق نے سکندر کو جتایا۔

"ہاں یہ تمہاری سگی بہن نہیں ہے جانتا ہوں میں مگر بہن ہی ہوئی ناں ایک طرح سے۔ آخر تمہاری اسٹیپ مدر کی بیٹی ہے۔" سکندر وقار مصر تھا وہ اسے بہن مان لے۔

"کسی بھی طرح سے یہ میری بہن نہیں ہے۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔

"چلیں اب یا یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے۔" وامق کے احساس دلانے پر وہ اس کے پیچھے اس کی بائیک پر بیٹھ گئی۔ وامق زید نے سکندر وقار پر ایک سلگتی نگاہ ڈال کر بائیک اسٹارٹ کی اور دھول اڑاتا نظروں سے اوجھل ہوگیا مگر اس ملاقات کے بعد سکندر وقار نے مصمم ارادہ کرلیا تھا ایفاء اکرام الٰہی کو حاصل کرکے رہے گا۔ وامق زید کی نگاہوں میں وہ ایفاء اکرام الٰہی کے لیے بالکل الگ تاثر دیکھ لیا تھا کوئی بھی لڑکی وامق زید کے لیے اتنی اہم نہیں تھی کم از کم سکندر وقار نے تو اس کے ساتھ کسی بھی لڑکی کو نہیں دیکھا تھا۔

سفینہ نے سکندر کو بتایا تھا کہ ایفاء وامق کو بالکل پسند نہیں کرتی سفینہ سے ہی اسے وقتاً فوقتاً ان کے گھریلو حالات اور ایفاء کے مزاج اور سرکش فطرت کے بارے میں پتا چلتا رہتا تھا۔ اپنے بھائی کے کہنے پر سفینہ ہر گزرتے دن کی ساتھ ایفاء کی قریب ہوتی چلی گئی۔ سکندر کے کہنے پر ہی اس نے ایفاء کو سکندر کی کمپنی میں کام کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا۔ سکندر کا خیال تھا کہ اس طرح وہ ایفاء کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوجائے گا مگر فی الحال ایسا ہوتا نظر نہیں آرہا تھا مگر وہ شکست تسلیم نہیں کرسکتا تھا اگر

ایفاء کو اس میں دلچسپی نہیں تو کیا ہوا' وہ واثق سے ایک بار طلاق لے لے پھر اسے میرے پاس آنا پڑے گا میں اسے محبت کرنے کے لیے مجبور کردوں گا۔ وہ میرے لیے بنی ہے سکندر وقار سب کچھ سوچ چکا تھا۔



''تم یہاں......!'' سکندر وقار کو سامنے دیکھ کر اسے تعجب ہوا۔ یہ پہلی بار تھا کہ سکندر وقار اس کے آفس آیا تھا۔

''کام تھا تم سے۔'' سکندر وقار میں مزید انتظار کی سولی پر لٹکنے کی سکت نہیں تھی۔

''کیا کام تھا؟'' واثق نے لٹھ مار انداز میں استفسار کیا۔

''ایفاء کے متعلق بات کرنی ہے۔'' سکندر وقار ابھی تک کھڑا ہوا تھا۔ واثق زید ایفاء کا نام سن کر اپنی کرسی سے کھڑا ہوگیا۔

''ایفاء کے متعلق تمہیں مجھ سے بات کرنی ہے؟ مگر میں اپنی بیوی کے متعلق تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ چبا چبا کر بولا۔

''وہ تمہاری منکوحہ ہے جو تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو کیا مناسب نہیں کہ تم اسے اس رشتے سے آزاد......''

''تم ہوتے کون ہو مجھے یہ آ کر بتانے والے۔'' وہ دھاڑا۔ ''تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ نہیں تو میں دھکے دے کر نکال دوں گا۔'' واثق زید سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ ایسا کر گزرتا۔ سکندر وقار بس کو چنگاری دکھا آیا تھا' بس سلگنے کا انتظار تھا پھر آگ کو ہوا بھی وہ خود دیتا۔ اسے یقین تھا واثق ایفاء سے باز پرس کرے گا۔ اس کلاس کے مرد ایسے ہی ہوتے ہیں' شقی القلب تنگ نظر اور تسلط پسند واثق کی باز پرس ایفاء کو اس سے مزید متنفر کردے گی اور اس کا کام اور آسان ہوجائے گا۔ وہ مطمئن تھا۔



واثق زید نے اس کی جو تذلیل کی تھی وہ بھولی نہیں تھی۔ اسے واثق زید کو ذلت کے اسی احساس سے روشناس کرانا تھا جو اس روز اس کے بازوؤں کے حصار سے آزاد ہوتے ہوئے خود ایفاء نے محسوس کیا تھا۔ وہ صوفے پر نیم دراز ٹی وی کی اسکرین پر نگاہ جمائے ہوئے تھی مگر ذہن گزشتہ روز واثق سے ہونے والی جھڑپ میں ہی الجھا ہوا تھا' رامین کچن میں تھی اور واثق ابھی تک آفس سے نہیں آیا تھا۔ اس کے قریب ہی موبائل کی وائبریشن ہونے کا احساس ہونے پر اس نے اردگرد دیکھا کچھ دیر پہلے رامین بھی لاؤنج میں اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھی اور موبائل رامین کا ہی تھا۔ اس نے پہلے موبائل یوں ہی واپس رکھا پھر کچھ سوچ کر اٹھالیا۔

''شاید واثق کا میسج ہو۔'' شام ہوچکی تھی اور وہ اب تک نہیں آیا تھا۔

''بارش شروع ہوگئی ہے میں ٹریفک جام میں پھنسا ہوں شاید کچھ دیر ہوجائے۔'' اس کی توقع کے عین مطابق میسج واثق کا ہی تھا۔ اس نے بے دلی سے دیکھا۔ کچھ سینڈنگ میسج بھی تھے۔ انصر کا نام دیکھ کر اس نے کھول لیے۔

''رامین کیسی ہو...... کیا کررہی ہو؟ ہزار بار میسج کروں تو ایک میسج کا ریپلائی کرتی ہو۔'' مختصر مگر بہت سارے میسج تھے اور ایفاء کی رگوں میں خون تیزی سے گردش کرنے لگا۔ تھی تو غیر اخلاقی حرکت مگر اس نے جلدی جلدی سارے میسج پڑھ ڈالے۔

''رامین تم مجھے ہمیشہ سے پسند تھیں شکر ہے تم نے میرے رشتے کو شرف قبولیت بخشا۔'' اس نے رامین کا موبائل پھینکنے کے انداز میں واپس صوفے پر رکھا۔

''تو یہ چکر چل رہا تھا۔ واہ ایفاء اکرام الٰہی تم تو بہت بے خبر نکلیں اور واثق زید کیا کہنے تمہاری غیرت اور حمیت کے تمہارا دوست تمہاری بہن کے عشق میں مبتلا ہے اور تم ان کا رشتہ کروا رہے ہو ساری پابندیاں میرے لیے' میں کسی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ کسی کی طرف دیکھ نہیں سکتی' کسی سے محبت نہیں کرسکتی...... تم نے میری تذلیل کی تھی' آج تمہیں اس ذلت کا ذائقہ چکھنا پڑے

گا۔“ اس نے رامین کا موبائل اٹھایا ایک میسج ٹائپ کیا اور ریپلائی کا انتظار کرنے لگی۔ چند سیکنڈ میں حسب توقع ریپلائی آ گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ آ ٹھہری۔ اپنے کمرے میں جا کر اپنا بیگ اٹھایا' رامین کا موبائل اپنے بیگ میں ڈالا اور باہر آ گئی۔

”رامین میں ذرا قریبی مارکیٹ تک جا رہی ہوں۔“ وہ عجلت میں تھی۔

”دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا' بارش شروع ہوگئی ہے اور بھائی بس آنے ہی والے ہوں گے آ کر پتا نہیں کتنا خفا ہوں گے تم پر۔“ وہ متفکر سی بولی۔

”کچھ نہیں ہوتا میں بس ابھی آتی ہوں۔“ وہ مزید کچھ بھی کہے بغیر تیزی سے بیرونی دروازہ عبور کر گئی۔ رامین اس کے پیچھے آئی بھی مگر وہ رکنے کے لیے آمادہ نہیں تھی۔

❁......❁......❁......❁

بارش پورے زور و شور سے ہو رہی تھی۔ اس نے گھر سے بہت دور جا کر آسمان کی جانب سر اٹھایا اس کے قدم اب بھی برق رفتاری سے نامعلوم سمت رواں دواں تھے۔

”میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں اس وقت گھر پر کوئی نہیں ہے' کیا آپ آ سکتے ہیں۔“ ایک میسج رامین کے نمبر سے افنان کو سینڈ کیا تھا اس نے۔

”زہے نصیب میری جان' بس چند منٹ کے بعد تم مجھے اپنے سامنے دیکھو گی۔“ افنان کا جواب حسب توقع تھا۔ اس نے کئی دنوں سے اپنے اندر گھٹی سانس کو خارج کر کے اندر کی گھٹن نکالنا چاہی۔ افنان کتنا باکردار ہے وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

”آج واثق زید تم منہ کے بل گرو گے۔ مجھ پر پابندیاں عائد کرتے تھے' تم سمجھتے تھے گھر کی چار دیواری میں رہ کر میں پارسا اور باکردار کہلاؤں گی ورنہ بے کردار آج تمہاری بہن گھر کی چار دیواری میں ہوتے ہوئے بھی کسی کو منہ دکھانے' کسی سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہے گی اور تم سر اٹھانے کے۔ ایسا گرو گے تم کہ پھر کبھی اٹھ نہیں سکو گے۔“ اس نے خوشی محسوس کرنا چاہی۔

”اس نے ہمیشہ میری تذلیل کی ہے' مجھ پر کبھی اعتبار نہیں کیا اور...... اور مجھے بے بس کر کے میری کمزوری کا احساس دلا کر میرا مذاق اڑایا۔ میری عزت نفس' میرے وقار اور انا کا خون کیا۔ وہ مجھے کمزور ثابت کر کے ہمیشہ اپنا دست نگر' اپنا محتاج بنا کر رکھنا چاہتا ہے۔“ الزامات کی فہرست قلیل ہوئی اور واپسی کا راستہ طویل۔

”مگر میں ایفاء اکرام الٰہی ہوں...... میں' میں ایفاء واثق زید ہوں۔ میں کیسے ایسا کر سکتی ہوں۔ میں اتنی پستی میں کیسے گر سکتی ہوں۔“ وہ رکی پلٹی اور پھر دوڑنے لگی۔ چند منٹوں کا سفر طویل مسافت میں بدل گیا' وہ واپسی کے رستے پر دوڑ رہی تھی۔

❁......❁......❁......❁

اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ مانوس سیاہ آہنی دروازے کے سامنے پہنچتے ہی اس نے پوری قوت سے بے دریغ دروازہ پیٹ ڈالا۔ بیس سیکنڈ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔

”یا اللہ پاک' مجھے معاف کر دے' یا اللہ رامین محفوظ ہو۔“ وہ گڑگڑا رہی تھی۔

”کون ہے؟“ دروازے کے اس پار رامین نے استفسار کیا۔

”رامین دروازہ کھولو۔“ وہ چیخ اٹھی اس کی آواز سن کر۔

”تم اتنی جلدی واپس آ گئیں؟“ رامین حیران ہوئی۔

”رامین...... رامین مجھے معاف کر دو میں بہت بری ہوں' میں نے بہت غلط سوچا تمہارے بارے میں' میں تو اماں کی بیٹی تھی ناں' میں نے ایسا کیوں سوچا' اماں نے تو میری ایسی تربیت نہیں کی تھی۔ میں نے تمہارا برا چاہا۔“ وہ یک دم رامین کے گلے لگ کر سسک اٹھی۔ رامین حیران پریشان کھڑی رہی۔ دونوں بارش میں بھیگ رہی تھیں۔

”مجھے معاف کر دو اگر مجھے تاخیر ہو جاتی......“ وہ اپنے مزموم عزائم کے متعلق رامین کو بتاتی اس سے پہلے افنان چلا آیا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور ایفاء کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔

"تم نے تو کہا تھا گھر پر کوئی نہیں ہے۔" اس نے تعجب سے استفسار کیا۔ رامین بے خبر تھی لہٰذا خاموشی سے اس کی سمت دیکھتی رہی اس کا خیال تھا یہ استفسار ایفاء سے کیا گیا ہے۔

"میں نے کیا تھا وہ میسج غلطی سے دوسرے نمبر سے کردیا۔ تایا جی کی طبیعت پوچھنے کے لیے تمہارے ساتھ جانا چاہتی تھی مگر اب میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔" وہ سختی سی بولی۔

"مگر میں نے ارادہ نہیں بدلا۔ تم مجھے ایک بار رامین سے بات کرنے دو۔" وہ ڈھیٹ بنا کھڑا تھا۔

"رامین تم اندر جاؤ۔" وہ اندر سے خوف زدہ تھی مگر بظاہر بہت نڈر اگر وامق آ گیا پہلی بار وہ یہ سوچ کر پریشان ہوئی۔

"مگر ایفاء......" رامین ہچکچائی۔

"تم جاؤ یہاں سے۔" اس نے تیز آواز میں کہا۔

"ایفاء تم ان لوگوں کا ساتھ دے رہی ہو۔" افنان بگڑ کر بولا اور رامین چند قدم پیچھے ہٹی مگر اندر نہیں گئی۔

"وامق آتا ہی ہوگا اور تمہیں پتا ہے وہ تمہارا کیا حشر کرے گا تمہیں یہاں دیکھ کے۔" وہ غرائی۔

"تم ایک بار ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچو پھر ایسا موقع نہیں ملے گا اس کی شادی میں صرف پندرہ دن ہیں۔"

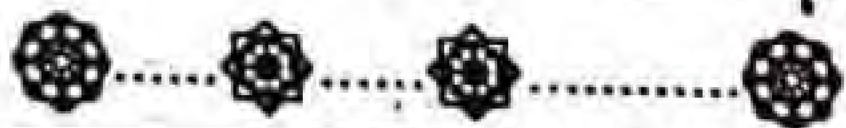
"افنان تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ وامق کے آنے سے پہلے میں پولیس کو بلالوں گی۔" اس کی دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ وہ رامین پر ایک بے باک نظر ڈال کر پلٹ گیا۔ ایفاء نے فوراً دروازہ بند کیا اور رامین کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے آئی۔

"ایفاء...... یہ کیوں آیا تھا یہاں؟" رامین نے ڈرتے ڈرتے دریافت کیا' کیا پتا وہ سوال پوچھنے پر پھر بگڑ جائے۔

"پتا نہیں مگر وامق ٹھیک کہتا ہے یہ اعتبار کے لائق نہیں اور میں بھی اعتبار کے لائق نہیں۔ رامین میں بہت بری ہوں۔" رامین بے چاری ہر بات سے بے خبر اسے دلاسے اور تسلیاں دیتی رہی اور وہ دیر تک روتی رہی۔

اسے اپنی سوچوں کی بدصورتی کا احساس ہوگیا تھا' کسی سے بدگمان ہوکر اس کے لیے اتنی بڑی سزا کا تعین کرنا سراسر ناانصافی تھی۔ قصوروار وامق زید تھا' اس نے میری تذلیل کی تھی۔ رامین کا کیا قصور اور میں وامق سے بدلہ لیتے لیتے اپنا چہرہ مسخ کربیٹھی۔ اب تو خود سے نظر ملانا محال ہے۔ میں اس وامق کی عزت کو مٹی میں رولنے چلی تھی جو اماں کی آنکھ کا تارا تھا۔ کچھ بھی ہوا اماں نے تو اس پر ہمیشہ محبت کے خزانے لٹائے اور میں اس سے نفرت کرتے کرتے اماں کی تربیت کو فراموش کرگئی۔ میں اسے بے بسی کا مزہ چکھانا چاہتی تھی اور خود بے حسی کی انتہا کردی میں نے۔

رامین اس سی کچھ فاصلے پر بے خبر سو رہی تھی اس کے مسلسل روتے رہنے کی وجہ سے پریشان ہوکر وہ آج اس کے پاس ہی رک گئی تھی۔ وامق دیر سے آیا تھا اور اس نے رامین کو سختی سے منع کردیا تھا کہ وہ وامق کو اس کی شکستہ حالت اور افنان کی آمد کی بابت نہ بتائے۔ وامق کے آنے کے بعد اس نے کمرے سے باہر نکلنے کی غلطی نہیں کی ورنہ وہ اس کے چہرے سے کچھ نہ کچھ ضرور اخذ کرلیتا اور پھر اس کی تفتیش شروع ہوجاتی۔ جس سے وہ بے زار رہتی تھی مگر اس وقت تو وہ خوف زدہ تھی اگر اسے اس کے چہرے سے اس کی سوچ کے گدلے پن اور اس کے خوفناک عزائم کا پتا چل گیا تو...... وہ اس وقت اپنا سامنا کرنے سے گریزاں تھی کجا کے اس کے سامنے جاتی جس کی آنکھیں اس کے اندر بھی پہرہ دیتی تھیں۔ وہ آنکھیں جو اسے اپنے دل ودماغ پر بھی قابض لگتی تھیں اور اس بات سے وہ جھنجلا جاتی تھی۔ وہ ان نگاہوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے خود کو کن اندھیروں میں دھکیل رہی تھی۔ اب بچ کر آ گئی تھی تو بھی ان روشن ذہین آنکھوں کا سامنا کرنا مشکل لگ رہا تھا۔



رامین کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ وہ اندر سے شکستہ بظاہر ہر چیز میں دلچسپی کا اظہار کررہی تھی سب کے لیے اس کا یہ روپ بہت نیا اور حیران کن تھا مگر کسی نے اسے ٹوکا نہیں۔ اسے اپنی سوچوں پر ندامت سہی مگر ایک اطمینان بھی تھا کہ اس نے کسی پاک باز لڑکی کے دامن کو داغ دار نہیں کیا' وہ اس دن کے بعد سے آفس بھی نہیں گئی تھی۔ سفینہ کتنی بار پوچھ چکی تھی۔ سکندر سے اس نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنالیا تھا مگر سکندر اس بہانے سے مطمئن نہیں ہوا تھا' اس کا خیال تھا وامق زید نے اسے جاب کرنے سے منع کردیا ہے۔ اسے واثق یقین تھا وامق زید نے ضرور اس کے حوالے سے ایفاء سے باز پرس کی ہوگی اور اب اس پر سختی بھی کررہا ہوگا' وہ بے خبر تھا کہ ایفاء کے فرشتوں کو بھی ان دونوں کی اس روز کی ملاقات کی خبر نہیں تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

"ایفاء اب اس نوکری کو چھوڑو اور آرام سے اپنی گھر گرہستی سنبھالو رامین رخصت ہوگئی ہے' یہ تمہارا گھر ہے اس کے سیاہ وسفید کی تم مالک ومختار ہو وامق کا مجھے پتا ہے وہ تم سے کچھ نہیں کہے گا' تمہاری من مانیاں وہ یوں بھی خاموشی سے برداشت کررہا ہے مگر آخر کب تک ہے تو مرد ہی اگر غصے میں آ کر اس نے واقعی کوئی انتہائی فیصلہ کرلیا تو بعد میں تم بھی پچھتاؤ گی۔" نمرہ آپی نے رامین کی رخصتی کے دوسری دن اسے سنجیدگی سے نصیحت کی اور یہ پہلی بار ہوا تھا کہ وہ بغیر بحث کیے سر جھکائے سنتی رہی تھی۔ آہستہ آہستہ سب چلے گئے تھے۔ گھر میں خاموشی چھا گئی تھی۔ سب کا خیال تھا وہ رامین کی شادی کی وجہ سے آفس نہیں جارہی' سکندر بھی صبر سے رامین کی شادی ہونے کا انتظار کررہا تھا مگر رامین کی شادی کو ایک ہفتہ ہوچکا تھا اور وہ آفس نہیں آئی تھی۔ سکندر نے آخر خود کال کرکے اسے آفس آنے کے لیے کہا تو وہ بھی آمادہ ہوگئی۔

"میں آج آفس جاؤں گی۔" وامق کے سامنے ناشتے کی ٹرے رکھتے ہوئے اس نے اسے آگاہ کیا۔ اس کی تمام تر توجہ کا مرکز اس کا موبائل تھا۔

"اگر اجازت کی ضرورت نہیں تو بتانے کی بھی کیا ضرورت ہے۔" وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا اور ناشتے کے لوازمات سے بھری ٹرے یوں ہی چھوڑ کر اٹھ گیا۔ وہ اس کی بے رخی پر کھول کر رہ گئی۔

"اسی شخص کی وجہ سے میں رامین کو اندھے کنوئیں میں دھکیلنے والی تھی حالانکہ مجھے اس کنوئیں میں اسے دھکیلنا چاہیے تھا۔" اس نے سلگ کر سوچا۔

❁ ❁ ❁ ❁

"یہ میرا استعفیٰ ہے۔" سکندر وقار اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ ہمیشہ کی طرح دھلے دھلائے صاف وشفاف چہرے کے ساتھ آئی تھی۔ اس کی اردگرد لپٹی سیاہ چادر جس نے اس کے گلابی چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا اسے کتنا منفرد ومختلف بنادیا تھا۔ سکندر وقار کی نگاہیں خیرہ ہوگئی تھیں۔

"وامق زید نے تم پر نوکری چھوڑنے کے لیے دباؤ ڈالا ہے کیا؟" اس کا یقین پختہ ہوگیا تھا۔ پورے تیقن سے اس نے استفسار کیا۔

"نہیں میں خود چھوڑ رہی ہوں رامین کی شادی ہوگئی ہے اور اب ظاہر ہے مجھے ہی گھر سنبھالنا ہے۔" اس نے سادگی سے جواب دیا۔ سکندر وقار نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔

"اور وہ تمہارے عزائم' تم تو اپنے پیروں پر کھڑی ہونا چاہتی تھیں۔ وامق سے خلع کا فیصلہ کرچکی تھیں پھر اب کیسے وہ فیصلہ بدل لیا؟" وہ ششدر رہ گیا۔

"سر میں آپ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔" اس نے برہمی سے ایک جملے میں اسے لاجواب کیا اور اٹھ کر چلی گئی اور وہ بے بسی کی انتہا پر پیچ وتاب کھاتا رہا تھا۔

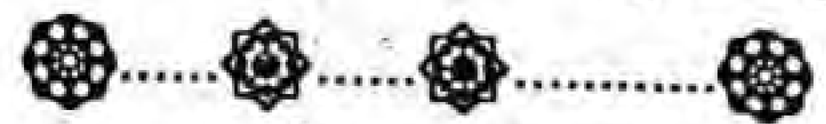
"بھائی وہ ایک مڈل کلاس گھرانے کی مشرقی لڑکی ہے آپ نہیں جانتے اس کی اماں نے اس کی تربیت کن خطوط پر کی ہے۔ وہ تو تعلیم کے حصول کے علاوہ بلاضرورت لڑکیوں کا تنہا باہر نکلنا بھی معیوب سمجھتی تھیں۔ شوقیہ جاب

کرنا تو ان کے نزدیک سرکشی اور خودسری کے زمرے میں آتا تھا۔ ایفاء کو وہ اجازت ہی کب دے رہی تھیں نوکری کرنے کی وہ تو ان کے انتقال کے بعد اس نے من مانی کی اور وامق زید جیسے تنگ نظر انسان کو شکست دینے کی خواہش میں یہ نوکری کی۔ اب یقیناً اس کی بہن اور وامق نے ہی اس پر دباؤ ڈال کر اس سے یہ فیصلہ کروایا ہے۔" سفینہ کی بات سے اسے بھی اتفاق تھا مگر سکندر یہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھا۔

"تم ایفاء سے بات کرو۔ اسے وامق سے خلع لینے کے لیے آمادہ کرو۔" وہ سخت مضطرب تھا۔

"وہ اب مجھ سے کچھ شیئر نہیں کرتی جب سے اسے پتا چلا ہے کہ میں اس کے متعلق آپ سے ہر بات کرتی ہوں' اس نے اپنی باتیں مجھ سے چھپانا شروع کردی ہیں۔" سفینہ نے صاف جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تو اب میں خود بات کروں گا ایفاء سے وہ بھی براہ راست اور صاف صاف۔" وہ کار کی چابی اٹھا کر آناً فاناً وہاں سے چلا گیا۔ سفینہ اس کی عجلت دیکھ کر کچھ بھی نہیں کہہ سکی۔ سکندر کی طرح اسے بھی اعتماد تھا اس بات کا کہ ایفاء کبھی بھی سکندر وقار کے مقابلے میں وامق زید کا انتخاب نہیں کرے گی۔



دوپہر سے ہی موسم ابر آلود تھا شام ہوتے ہی بارش شروع ہوگئی تھی۔ وسط جولائی کی یہ بارشیں ایفاء کو ناگوار گزر رہی تھیں۔ دو دن سے وقتاً فوقتاً کبھی ہلکی کبھی تیز بارش ہورہی تھی۔ پہلے رامین تھی تو وقت گزر جاتا تھا اب تو موسم کے ساتھ ساتھ تنہائی کا عذاب بھی جھیلنا پڑ رہا تھا۔ وامق صبح اس سے مخاطب ہوئے بغیر خاموشی سے ناشتہ کرکے جاتا اور شام ڈھلے اس کی واپسی ہوتی۔ واپس آکر بھی وہ ہوتا اور اس کا موبائل یا لیپ ٹاپ یا پھر ٹی وی۔ ایفاء جیسے اس گھر میں سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ وہ اس کی طرف ایک نگاہ غلط ڈالنے کا بھی روادار نہیں تھا' ایفاء اس کے رویے پر جلتی سلگتی رہتی۔ ان دونوں کے درمیان کون سا ایسے خوشگوار تعلقات تھے کبھی جو ایک دوسرے سے شکوے شکایت کرتے مگر سارے دن کی ہولناک خاموشی کے بعد اس کی آمد ایفاء کے لیے غنیمت ہوتی تھی۔ کم از کم گھر میں موجود خاموشی تو ٹوٹ جاتی تھی۔ کبھی ٹی وی کی بلند آواز' کبھی اس کے قدموں کی چاپ' کبھی اس کے موبائل پر آنے والی کالز۔

"اماں ٹھیک کہتی تھیں گھر کی ساری رونق وامق کے دم سے ہے۔" وہ سرشام گھر آیا تو بارش نے بھی زور پکڑ لیا تھا۔ ایفاء نے جہاں اسے دیکھ کر سکون کا سانس لیا تھا وہیں اماں کی بات یاد آنے پہ سر جھٹکتے ہوئے خود کو لعنت ملامت بھی کی تھی۔

"اونہہ یہی وہ شخص ہے جس کی وجہ سے اماں مجھ سے ناراض رہتی تھیں' آج میں اس کی موجودگی پر سکون محسوس کررہی ہوں۔ یہی تو چاہتا تھا وہ مجھے اپنا پابند بنا کر ساری دنیا سے الگ کردے اور میں نے بھی کس خاموشی سے ہار مان لی۔" اس نے جل کر سوچا۔

"اب اسے کون بتائے کہ میں ہار جیت کے مقابلے سے باہر آگئی ہوں۔ جب ساتھ رہنا ہی ہے تو پہل وہ خود کردے۔" وہ اپنے کمرے میں بیٹھی خود سے ہی الجھ رہی تھی۔ دروازے پر ہونے والی دستک سن کر وہ چونک اٹھی۔

"اس وقت کون ہوگا؟" وہ باہر آئی مگر اس سے پہلے وامق دروازہ کھول چکا تھا۔ سکندر وقار کو دیکھ کر وہ متعجب ہوئی تھی اور وامق زید برہم۔

"مجھے ایفاء سے بات کرنی ہے۔" وہ بلاتمہید بولا۔

"کیا بات کرنی ہے؟" اس کے تیور بگڑے۔

"جو بھی بات کرنی ہے ایفاء سے کرنی ہے تم سے نہیں۔" سکندر تڑخ کر بولا۔

"مگر اسے تم سے کوئی بات نہیں کرنی اور نہ ہی اب وہ تمہارے پاس ملازمت کرے گی۔ جاسکتے ہو تم یہاں سے۔" وامق کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ اس شخص کی دیدہ دلیری تھی کہ وہ اس کی دہلیز پر کھڑا ہو کر اس کی بیوی سے بات کرنے کے لیے اصرار کررہا تھا۔

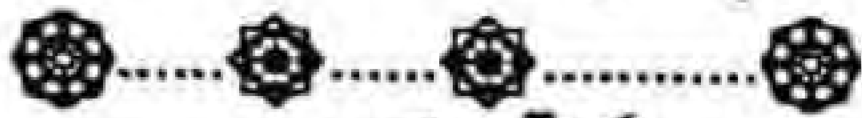
''مجھے پورا یقین تھا ایفاء نے تمہارے ہی دباؤ میں آ کر استعفیٰ دیا ہوگا اور یہ میں نے دیکھ بھی لیا۔'' سکندر وقار کے الفاظ پر وامق نے حیران ہوکر کچھ فاصلے پر کھڑی ایفاء کو دیکھا جو بارش کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان ہونے والی بات چیت الفاظ بہ مشکل سن پا رہی تھی۔ وہ اس انکشاف پر حیران رہ گیا تھا۔

''تم اسے اس کی مرضی کے خلاف اپنے ساتھ باندھ کر نہیں رکھ سکتے۔ بہتر ہوگا اسے آزاد کردو۔'' سکندر وقار کی بلند ہوتی آواز ایفاء نے باآسانی سنی تھی۔ وہ بے یقینی سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ آخر وہ کیونکر اس کا اتنا ہمدرد بن رہا تھا۔

''تم سے زیادہ اس کی خوشی کی فکر ہے مجھے۔ اس کی خوشی کس میں ہے اچھی طرح جانتا ہوں میں، تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب جاسکتے ہو تم۔'' وامق نے بدلحاظی سے جواب دے کر اسے جانے کے لیے کہا مگر سکندر وقار اتنی آرام سے پلٹنے والا نہیں تھا۔ اسے ایفاء کی خاموشی اور لاتعلقی بھی گراں گزر رہی تھی۔ وہ دور کھڑی صرف تماشا دیکھ رہی تھی۔ جیسے اپنے متعلق ہر فیصلے کا اختیار وامق زید کو دے چکی ہو اور یہی خیال سکندر وقار کے لیے ناقابل برداشت تھا کہ کوئی اس کی ذات پر کسی اور کو ترجیح دے۔

''تمہیں کیا لگتا ہے ایفاء خاموش ہے تو وہ مجھ سے متفق نہیں، اتنا تو تم بھی سمجھ سکتے ہو کہ کوئی غیر مرد یوں ہی کسی لڑکی کے شوہر سے اتنی بڑی بات بغیر کسی حوصلہ افزائی کے نہیں کہہ سکتا۔'' بارش یک دم تھم گئی۔ اس کے ہونٹوں سے لفظ نہیں سنگ برسے تھے جو وامق کی مردانگی اور انا کو لہولہان کر گئے تھے۔ سکندر وقار کے لبوں پر فاتحانہ تبسم آ ٹھہرا۔ مغرورانہ اعتماد میں اضافہ ہوا۔ کوئی اور مرد ہوتا تو ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اسے بھی کٹہرے میں کھڑا کردیتا وہ جو بے یقینی سے سر اٹھائے سکندر وقار جیسے سحر انگیز شخصیت کے مالک زہریلے سانپ کو دیکھ رہی تھی جو اس کے پاکیزہ کردار کو ہی نہیں اس کی شادی شدہ زندگی کو بھی ڈس لینا چاہتا تھا۔ وہ منتظر تھی وامق زید کا رخ اس کی جانب ہوگا اس کی نگاہوں میں شک اور لبوں پر سوال دیکھ کر وہ شاید اپنے قدموں پر کھڑی نہ رہ سکے۔ یہ رشتہ سانس لینے سے پہلے ہی اپنی موت مر جانے والا تھا مگر اس کے سارے اندیشے ریت کی بھربھری دیوار ثابت ہوئے وامق زید کا بھاری مردانہ ہاتھ اٹھا اور سکندر وقار کے چہرے پر پوری طاقت سے نشان ثبت کر گیا۔

''میں نے اپنی برداشت کو آخری حد تک آزمایا مگر تم نے ہر حد پار کرلی آئندہ تم کسی پاک دامن، باکردار اور باحیا لڑکی کا نام اپنی زبان پر تو کیا اپنے ذہن میں بھی لاؤ گے تو یہ تھپڑ یقیناً تمہیں یاد آجائے گا۔ اس سے پہلے کہ میں اپنی پاک دامن بیوی پر لگائے گئے اس گھٹیا الزام کی پاداش میں تمہیں قتل کردوں دفع ہوجاؤ یہاں سے۔'' وہ دھاڑا تو ایفاء بھی کانپ اٹھی۔ سکندر وقار اپنی اس تذلیل پر لب بھینچ کر خاموشی سے پلٹ گیا تھا۔



وہ روتے روتے سوگئی تھی۔ کتنے آنسو بہائے تھے اس نے مگر کوئی حساب رکھنے والا تھا نہ ہی دلاسا اور تسلی دینے والا۔ سر درد سے پھٹنے لگا تھا۔ آنکھیں تھک کر خود ہی بند ہوگئیں۔ گلابی نرم رخسار پر بہتے آنسو خود ہی خشک ہوگئے تھے۔ دکھ تو اس بات کا تھا کہ وامق زید نے اسے صفائی دینے کا بھی موقع نہیں دیا تھا۔ اس نے اس کی طرف دیکھنا تو پتا نہیں کب سے چھوڑ رکھا تھا مگر آج اس کے نظر انداز کرنے پر ایفاء کو شدید تکلیف پہنچی تھی۔ وہ شخص جو اس کے چہرے پر لکھا کرب نہیں پڑھنا چاہتا تھا وہ پچھلی بدگمانیوں کو بھول کر نئے سرے سے شروعات کرے گا یہ خیال اسے خوش فہم لگ رہا تھا۔ سکندر وقار نے اس پر بے حد رکیک الزام لگایا تھا۔ اس نے شک کا کنکر پھینک دیا تھا۔ اندر ہی اندر سمندر کی تہہ کے بالکل نیچے طوفان شاید بننے لگا تھا۔

''میں سکندر وقار کی نیت کیوں نہ پرکھ پائی۔ وامق کی کوئی بات کیوں نہیں مانی میں نے؟'' وہ زندگی میں پہلی

بار پوچھتا رہی تھی مگر اس بات کا جواب بھی وہ جانتی تھی۔ واثق زید سے وہ حسد کرتی تھی اور کچھ سالوں پہلے واثق زید کے کیے گئے انکار نے اسے اس سے بدگمان کردیا تھا۔ اس نے نکاح سے انکار کیا تھا اماں نے بھی اس وقت منع کردیا تھا' مگر یہ بات اس کے دل میں گڑ کر رہ گئی تھی مگر اب واثق زید کے دل میں بھی ایک بات گڑ گئی تھی اور پتا نہیں کیوں ایفاء کو یہ بات تکلیف دے رہی تھی۔ شاید اس لیے کیونکہ اس نے اب ہر پچھلی بات بھول کر آگے بڑھنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"مگر واثق شاید اب ایسا نہیں چاہے گا۔" وہ آج بھی اس سے بدگمان تھی۔ کمرے میں تاریک اندھیرے کا راج تھا' غالباً لائٹ چلی گئی تھی۔ اس نے کروٹ بدل کر دوبارہ سونا چاہا لیکن اسے پچھلی باتیں یاد آنے لگی۔ سکندر وقار کے جانے کے بعد وہ اپنی بائیک کی چابی اٹھا کر باہر چلا گیا تھا اور وہ کسی بے جان مورت کی طرح تنہا کھڑی رہ گئی تھی۔ آنسو ایک بار پھر اپنی ناقدری پہ پلکوں کی باڑھ پھلانگنے لگے تھے۔

"اماں ہوتیں تو کیا وہ ایسا سلوک کرتا میرے ساتھ؟" دروازے پر ہونے والی موہوم سی دستک کو ایفاء نے اپنا وہم گردانا۔ وہ اب تک نہیں آیا تھا۔ "یہ احساس تک نہیں اسے کہ میں اس طوفانی بارش' اندھیرے اور ویران گھر میں تنہا ہوں۔" اسے اور شدت سے رونا آیا۔ دروازے پر دوسری پھر تیسری بار لگاتار دستک ہوئی۔ ایفاء کو بستر چھوڑنا پڑا۔ اندھیرے میں دوپٹا ٹٹولا مگر ناپید' وہ دونوں ہاتھوں سے بھیگے رخسار خشک کرتی دروازے تک آئی۔ ایک بار پھر آنکھوں کو رگڑا اور کمرے کا دروازہ کھولا۔

"باہر آکر بات سنو میری۔" اس کے دروازہ کھولتے ہی واثق زید کا برف لہجہ اس کے کانوں سے ٹکرایا۔ وہ خاموشی سے کھلے بالوں کو لپیٹتی اس کی تقلید میں بھیگے ہوئے صحن میں آگئی۔ بارش رک گئی تھی۔ ہر طرف ہولناک تاریکی کا بسیرا تھا۔ آسمان پر گہرے بادلوں کا ڈیرا تھا کبھی کبھی بجلی چمکتی تو پورا صحن ایک ساعت کے لیے روشن ہوجاتا۔ شاید آدھی رات گزر گئی تھی۔

"میں چاہتا ہوں' اب ہم اس رشتے کے حوالے سے کوئی حتمی اور قطعی فیصلہ کرلیں۔" وہ اس کے مقابل کھڑا بلا تمہید بولا۔ ایفاء کے خدشات بالکل درست ثابت ہوئے تھے۔ اسے رونا نہیں آیا ایسا ہی تو وہ چاہتی تھی مگر اب سے کچھ دن پہلے تک۔

"میں غلط تھا' زبردستی تمہیں خود سے باندھ کر رکھنا چاہتا تھا۔ اب سمجھ گیا ہوں رشتے ایسے نہیں نبھائے جاتے۔ محبت تو ہرگز خود غرض نہیں ہوتی۔ تم جیسا چاہتی ہو اب ویسا ہی ہوگا۔" وہ اس سے دستبردار ہونے کے لیے تیار تھا۔ ایفاء نے خالی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اب جب لوگ آکر مجھے کہنے لگے ہیں' بار بار باور کرارہے ہیں کہ اپنے ساتھ رکھ کر میں تم پر ظلم کررہا ہوں تو میں نے سوچا تمہیں اس قید و بند سے نجات دے دوں۔" اس کا لہجہ ٹھنڈا تھا۔

"تو تم لوگوں کی وجہ سے مجھے چھوڑنے پر آمادہ ہوگئے؟" اس کی آواز کسی کنوئیں سے آئی۔

"کیا فرق پڑتا ہے اس بات سے۔ یہی تو چاہتی تھیں ناں تم بھی؟" وہ اب بھی اس کی طرف دیکھنے سے گریزاں تھا۔

"اور تم نے لوگوں کے کہنے پر مجھے کٹہرے میں کھڑا کرکے فرد جرم عائد کردی مجھ پر۔ تم ہمیشہ مجھے بے کردار' بے اعتبار لڑکی سمجھتے رہے' خودسر اور سرکش' اس لیے تم نے فوراً فیصلہ سنادیا' مجھے خود سے الگ کرکے کھڑا کردیا۔" وہ اس زبردستی کے تعلق سے بھی نالاں تھی اب وہ الگ ہونے کی بات کررہا تھا تو بھی ناخوش۔

"میں نے کبھی تمہیں بے کردار اور بے اعتبار نہیں سمجھا ہاں خودسر اور سرکش تو تم ہو۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"تم کبھی اس تعلق سے خوش نہیں تھے۔ تم نے مجھ سے نکاح کرنے سے انکار کردیا تھا' زید انکل کی کتنی خواہش تھی مگر تم نہیں مانے اور پھر تم اچانک اماں کے تابعدار بن گئے اور اس ان چاہے رشتے کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔

مجھ سے ہمیشہ بدگمان رہے' اماں کو میرے خلاف کردیا۔ انہیں بتایا کہ میں سکندر وقار سے ملنے گئی تھی اور پھر اماں سے مجھے معافی بھی نہیں مانگنے دی اور آج تم نے اس سکندر وقار کی بات کا اعتبار کرکے مجھے چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ مجھ سے وضاحت مانگی نہ ہی صفائی دینے کا موقع دیا' اتنا ہی وہ قابل اعتبار ہے تمہارے نزدیک اور میرا کردار مشکوک۔" وہ خاموشی سے سن رہا تھا اور اس کی خاموشی ایفاء کے یقین پر مہر ثبت کررہی تھی۔ پچھلا ہر گمان سچ ثابت ہورہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ زبردستی کے رشتے میں جڑی تھی۔

"ایفاء ڈیئر...... میں مانتا ہوں ہمارے درمیان ذہنی ہم آہنگی کا فقدان ہے لیکن میں اس قدر پست ذہنیت کا مرد نہیں کہ اپنی بیوی کے بجائے کسی غیر مرد کی بات کا یقین کروں گا۔ تم سے اس کی کہی گئی بات کی وضاحت طلب کروں گا یا پھر تمہیں کٹہرے میں کھڑا کرکے خود منصف کی کرسی پر بیٹھ جاؤں گا۔ اگر میں شقی القلب' کند ذہن اور سطحی ذہنیت رکھنے والا تنگ نظر مرد ہوتا تو شاید ایسا ہی کرتا اور اگر تمہارے بجائے سکندر وقار کسی اور عورت کے متعلق ایسی بات کہتا تو شاید میں یقین بھی کرلیتا مگر تم میری بیوی ہو اور مجھ سے بہتر تمہیں کوئی اور نہ جانتا اور نہ سمجھ سکتا ہے' اور میں بھی کسی اور عورت کو جاننے کا دعویٰ نہیں کرسکتا' تم چاہے مجھ سے صدیوں کے فاصلے پر کھڑی ہو یا ہاتھ بھر کے مجھ سے زیادہ کوئی اور تمہارے قریب نہیں۔ تمہارا شوہر ہوں میں۔ تمہاری آنکھوں میں سرکشی اور خودسری بے حد قریب سے دیکھی ہے میں نے' اتنے قریب سے شاید تم نے خود کبھی اپنی آنکھیں آئینے میں نہیں دیکھی ہوں گی جتنے نزدیک سے میں نے ان میں اپنا عکس دیکھا ہے مگر کبھی ان آنکھوں میں بے باکی نہیں دیکھی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کتنی بہادر ہو۔" وہ بے حد سنجیدہ تھا مگر اس کی آواز بے حد دھیمی ہوتی جارہی تھی اور لہجہ خواب ناک۔ وہ آخری جملے پر بہت کچھ یاد کرکے محجوب ہوئی۔ کبھی وہ لمحات یاد کرکے وہ سلگ اٹھتی تھی مگر آج اس سے نگاہ نہیں اٹھائی جارہی تھی۔

"اگر تم مجھے اتنا ہی جانتے ہو تو پھر چھوڑ کیوں رہے ہو؟" چند ساعت کی خاموشی کے بعد وہ گویا ہوئی۔

"میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں' چھوڑنے کا فیصلہ نہیں کیا' فیصلے کا اختیار دیا ہے۔ تم چاہو گی تو ہم ساتھ رہیں گے اور اگر تم ایسا نہیں چاہو گی تو میں تم پر اپنی مرضی مسلط نہیں کروں گا۔" وہ متانت سے بولا۔

"یہ اختیار مجھے نکاح کے وقت دیتے تو اچھا تھا۔" وہ تڑخ کر بولی تو وہ بے ساختہ ہنس دیا۔

"غلطی ہوگئی تھی اسی کی تلافی کررہا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا۔

"تمہاری مرضی بھی تو نہیں تھی' اماں کے حکم پر تم نے سر جھکا دیا تھا۔" وہ تلخی سے بولی۔ واثق نے اس بار اسے زبردست گھوری سے نوازا۔

"جن کی مرضی نہیں ہوتی وہ رشتہ ختم کرنے کی بات کرتے ہیں اور جو میری طرح سر پھرے ہوتے ہیں وہ اپنی خوشی کی خاطر کسی کو زبردستی خود سے باندھ کر بھی رکھتے ہیں۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں اتنا ہی تابعدار ہوں ہرگز نہیں' چاہتا تو میں بھی تھا کہ بابا کے فیصلے کو فوراً قبول کرلوں آخر میری دلی مراد جو بر آئی تھی مگر میں نے اس وقت انکار کردیا۔ بابا ناراض ہوئے مگر اماں نے انہیں سمجھالیا۔ وہ جانتی تھیں میں تم سے ہی شادی کروں گا۔ آخر میں نے بابا کی خواہش کو خود رد کیا تھا۔ اماں اور بابا چاہتے تھے کہ میں نمرہ سے شادی کروں مگر میں نے اماں کو اپنی محبت کے بارے میں بتادیا تھا اور اماں نے بابا سے اپنا نام لے کر کہہ دیا کہ انہیں میں نمرہ کے لیے مناسب نہیں لگتا اور وہ میری شادی تم سے کرنا چاہتی ہیں۔ ایفاء تم اس وقت بھی ایسی ہی تھیں بدگمان سب سے نالہ اور خصوصاً مجھ سے ناراض رہنے والی۔ کم عمر تھیں اگر میں اس وقت تم سے نکاح کرلیتا تو پتا نہیں کتنے اور کس کس نوعیت کے الزام تم مجھ پر عائد کر جاتیں۔ اس وقت بھی تم مجھے خود پسند اور حاکمیت پسند اور تنگ نظر ہونے کا طعنہ دیتی تھیں۔ مزید تم سے نکاح

کر کے معصوم بچی کے ارمانوں کا خون میں اپنے سر نہیں لینا چاہتا تھا۔ اب بھی میں تم کو زبردستی اپنا پابند بنانے کا سزا وار تو ہوں۔" ایفاء نے برہمی سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم سر پھرے نہیں خود غرض ہو' کبھی ایک جملہ نہیں کہا تم نے محبت کا' ڈھنگ سے بات تک نہیں کی' بس وابستگی کو ہی سب کچھ سمجھ لیا' میں بدگمان تھی تو غلط تو نہیں تھا۔ یک طرفہ سارے فیصلے کر لیے محبت بھی اور نکاح بھی۔ ہونہہ اگر ایسی ہی محبت تھی اور اتنا ہی یقین تھا مجھ پر پھر اماں کو کیوں میرے خلاف ورغلایا؟ اس دن اگر تم اماں کو نہ بتاتے کہ میں سکندر وقار سے ملنے گئی تھی تو مجھے اتنا شدید غصہ نہیں آتا اور میرے الفاظ اماں کا کلیجہ چھلنی نہیں کرتے۔ میں اماں کے جانے کا سبب بنی مجھے یہ دکھ کبھی سکون نہیں لینے دے گا۔" وہ آبدیدہ ہوگئی۔

"ایفاء بعض اوقات کاغذ کا خنجر کسی نیزے سے بھی زیادہ تیز دھار اور بااثر ثابت ہوتا ہے۔ انسان کو اندر تک اتر کر گھائل کر دیتا ہے اور دوسرے اسے بے ضرر بے اثر سمجھتے رہ جاتے ہیں۔ تمہارے شکوے گلے' گستاخانہ لہجہ معمول کی بات تھی۔ اماں تم پر خفا ہوتیں' ناراض ہوتیں مگر اس طرح دل پر نہیں لیتی۔ اصل میں ایفاء اماں پہلے سے پریشان تھیں اور یہ بات مجھے بھی بعد میں پتا چلی۔ اماں نے بتایا نہ ہی فوزیہ آپا اور نمرہ نے۔ فوزیہ آپا کے شوہر ساجد بھائی نے دوسری شادی کر لی ہے۔ دوسری بیوی سے بھی ان کے دو بچے ہیں۔ اماں فوزیہ آپا کی دگرگوں حالت دیکھ کر آئی تھیں۔ وہ نمرہ کے شوہر شاہ زیب کے ساتھ فوزیہ آپا کے گھر گئی تھیں' وہاں شاہ زیب اور ساجد بھائی کے درمیان تلخ کلامی بھی ہوئی تھی۔ اماں فوزیہ آپا کے گھر ٹوٹنے کے اندیشوں سے نڈھال تھیں۔ صبح شاہ زیب نے خود تمہیں سکندر وقار کے آفس کی عمارت کے باہر کھڑے دیکھا تھا اور یہی بات اس نے اماں کو بتا دی تھی بہت سارے اسباب تھے یا کوئی ایک سبب مگر شاید اماں کو اسی طرح جانا تھا۔ اماں کو فوزیہ آپا کی جانب سے خدشے لاحق تھے اس کے مقابلے میں خلع کا مطالبہ اتنا تکلیف دہ نہیں ہوسکتا تھا' تم اماں کی بیٹی تھیں وہ تمہیں پیار سے ڈانٹ ڈپٹ کر چپ کرا ہی دیتیں مگر ظاہر ہے آپا کے معاملے میں وہ بے بس تھیں اور یہی بے بسی انہیں نگل گئی۔" وہ دم سادھے سن رہی تھی' وہ خاموش ہوگیا۔

"اور مجھے کسی نے کچھ بھی بتانا گوارا نہیں کیا' میں آج تک بے خبر ہوں۔ فوزیہ آپا کا گھر طوفانوں کی زد پر تھا' اس گھر کے مکینوں پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے' میں ہی پرائی تھی باقی سب ایک دوسرے کے غم گسار وہ مراز و دم ساز......" وہ بگڑ کر بولی۔

"میں بتا تو رہا ہوں کہ میں بھی بے خبر تھا اماں کے انتقال کے بعد نمرہ اور شاہ زیب نے سارے معاملے کی بابت بتایا مجھے۔ میں تو فوزیہ آپا کو فوراً گھر لانا چاہتا تھا مگر وہ آمادہ نہیں ہوئیں اپنے شوہر کے گھر کو چھوڑ کر آنے پر' ساجد بھائی کی دوسری بیوی بھی ان کی پہلی شادی سے بے خبر تھی۔ فوزیہ آپا نے سمجھوتہ کر لیا مجھے بھی آخر کار خاموش ہونا پڑا۔ میرا اشتعال فوزیہ آپا کی زندگی میں بے سکونی کا باعث بنتا۔ فوزیہ آپا اپنے تین بچوں کی وجہ سے سمجھوتے کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔" وہ ندامت کے گہرے سمندر میں اترتی چلی گئی۔ اپنی بدگمانیوں اور بے خبری پہ اسے شدت سے افسوس ہوا۔ وہ سمجھتی تھی ایک وہی سب سے زیادہ تکلیف میں ہے' اماں کو اپنے سارے بچوں کی فکر ہے اس کی نہیں اور اگر واقعی ایسا ہوتا تو آج وہ اپنے گھر میں دنیا کی نظروں سے محفوظ و مامون نہ کھڑی ہوتی۔ اماں کو سب کی فکر تھی' بجلی بہت زور سے کڑکی تھی۔

"واثق بارش شروع ہونے والی ہے پھر سے۔" وہ کہہ کر اندر جانے لگی مگر واثق نے اس کی کلائی تھام کر اس کی پیش قدمی روک دی۔

"ایفاء...... تم نے بتایا نہیں' اس ناپسندیدہ' ان چاہے رشتے کی ڈور کو تھام کر زندگی بھر میرے ساتھ چلو گی یا اسے توڑ دو گی۔" وہ اس کے فیصلے کا منتظر تھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے نظر جھکا کر استفسار کیا۔

"تمہاری خوشی۔" اس نے دو لفظوں میں جواب دے

کراس کے لیے مشکل کھڑی کردی۔ ہمیشہ کی طرح روشن ذہین' استحقاق سے بھرپور نگاہیں اس کے سراپے پر کئی دنوں بعد پہرہ دے رہی تھیں۔ پہلی بار اسے خود پہ نگہبان نگاہوں کا استحقاق ان نگاہوں میں امنڈتے جذبے کچھ گراں نہیں گزرے تھے اتنے دنوں کی اس کی بیگانگی نے ایفاء پر یہ بات تو واضح کردی تھی اگر وہ نہ دیکھے تو اسے اپنا وجود ہی بے معنی لگنے لگتا ہے۔ پہلی بار اس کی نگاہوں سے خائف ہونے کے بجائے محجوب ہورہی تھی۔

''وامق اندر چلیں۔'' اس نے گھبرا کر کہا۔

''تم تو بہت بہادر ہو' ہر بات منہ پر کہہ دیتی ہو اب کیا ہوا ڈر کیوں رہی ہو؟'' وہ ہنوز سنجیدہ تھا مگر اس کی آنکھوں کی چمک حد سے سوا تھی۔ اتنی کہ ایفاء کے چہرے کی شفاف ملائم جلد کے نیچے ان گنت دیے روشن ہوگئے اور اس کے رخسار دھک اٹھے تھے۔

''میں ڈر نہیں رہی۔'' اس نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر کہا اور فوراً نظر جھکا بھی لی وامق بے اختیار ہنس دیا۔

''تو پھر کیا شرما رہی ہو؟'' اس کا شوخ انداز وہ خجل سی ہوگئی۔

''نہیں......'' اس کی آواز کی لرزش وامق کو شرارت پہ مائل کررہی تھی۔

''تو پھر جواب دو۔'' وہ اصرار کررہا تھا ایفاء کے لیے اس کے سامنے اعتماد سے کھڑے رہنا مشکل ہوگیا تھا۔

''میں نے تو صرف ساتھ رہنے کا فیصلہ سنانے کے لیے کہا ہے' اظہار محبت کرنے کے لیے نہیں جو اتنا گھبرا رہی ہو'' جواب دینا اتنا مشکل نہیں تھا جتنا سامنے کھڑا شخص اسے دشوار بنارہا تھا۔ وہ جز بز ہوئی۔

''تم جیسی بااعتماد اور خودسر لڑکی بھی اس مرحلے پہ آکر اس طرح شرما سکتی ہے بہت نیا اور خوب صورت منظر ہے یہ میرے لیے۔ یقین کرو بے حد حسین لگ رہی ہو اس طرح شرماتے ہوئے۔'' وہ اسے زچ کرنے پہ آمادہ تھا' ایفاء نے خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''تم ہمیشہ ہی مجھے بے بس کرکے محظوظ ہوتے ہو یہ کوئی پہلی بار نہیں ہوا۔ بہت برے ہو تم۔'' وہ جھنجلا کر بولی۔

''پہلے کب......'' وہ جان کر انجان بنا تھا پھر بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

''ہرگز نہیں اس وقت تو میں خود بے بس ہوگیا تھا اور اپنی بے بسی پہ شدید غصہ بھی آیا تھا۔ تم میرے اتنے قریب تھیں اور میں نے تمہیں ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں تھا۔'' وہ کہہ کر پچھتائی اس کا لہجہ ہی نہیں ہر انداز بدلا ہوا تھا۔ یک دم بادل بہت زور سے گرجے اور وہ اندر جانے کے بجائے گھبرا کر اس کے قریب چلی آئی۔ دو قدم کا فاصلہ ایک ساعت میں طے ہوگیا۔

''ایفاء...... مجھے صرف تمہاری خوشی چاہیے۔'' وامق نے اپنے بازو اس کے گرد پھیلا کر اسے اپنے حصار میں مقید کرلیا۔

''میں خوش ہوں کیونکہ تم مجھ پر اعتبار کرتے ہو۔ میں تم سے بدگمان تھی کیونکہ تم نے کبھی اپنی محبت کا مجھے احساس نہیں دلایا تھا لیکن مجھے اب کوئی شکایت نہیں' تمہاری خوشی اور تمہارے ساتھ سے بڑھ کر میرے لیے بھی کچھ نہیں ہے۔'' وہ بہت آہستہ آہستہ اس کی سماعتوں کو سیراب کر گئی۔ وہ اب اس کے خوب صورت حصار سے کبھی آزاد نہیں ہونا چاہتی تھی۔ ایفاء کو لگ رہا تھا آج اماں بھی خوش ہوں گی۔ وامق کا اعتماد و اعتبار اس کی ذات کو معتبر کرگیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان اب کوئی بدگمانی نہیں تھی۔ فقط محبت تھی اور محبت کی اوک سے قطرہ قطرہ گرتیں خوشیاں ان دونوں کو سیراب کررہی تھیں۔ وامق کے سینے پر سر ٹکائے اس نے آنکھیں موند لیں پہلی بار اسے بارش میں بھیگنا اچھا لگ رہا تھا اور وامق کا ساتھ بھی۔



زندگی کے رنگ

ندا حسنین

اب میرے اشک محبت بھی نہیں آپ کو یاد
اب تو اپنے ہی دامن کی تمنی بھول گئے
اب مجھے کوئی دلائے نہ محبت کا یقین
جو مجھے بھول نہ سکتے تھے وہی بھول گئے

اچھی بھلی زندگی گزر رہی تھی۔ مینا بہت خوش اور مطمئن تھی۔ ہر موسم کا رنگ شامل تھا اس کی زندگی میں۔ سرد جاڑے کی ٹھنڈی میٹھی دوپہروں جیسا بابا کا پیار' موسم گرما کی گرمائش جیسا ماں کا آنچل' بہاروں جیسے شوخ وشنگ' نٹ کھٹ بہن بھائی...... غرض خزاں جیسی اداسی کا ذکر اس کی زندگی میں کہیں بھی نہیں تھا۔ تب ہی ایک دن اماں ابا کو نہ جانے کیا سوجھی کہ اچانک بند کمرے میں دونوں کے درمیان اجلاس ہوا۔ خوب ساز باز ہوئی اور طے شدہ معاہدے کے تحت آنے والے چند دنوں میں اجلاس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خبر کو گھر گھر تک پہنچادیا گیا تھا۔

''مینا کی شادی کے لیے نسیم بھائی اور امینہ بھابی کسی اچھے رشتے کی تلاش میں ہیں۔'' رفتہ رفتہ یہ خبر خاندان بھر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

پتا پتا بوٹا بوٹا' حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے' باغ تو سارا جانے ہے

غرض مینا کا حال بھی میر تقی میر کے شعر جیسا تھا۔ پورا خاندان مینا کے رشتے کے سلسلے میں اوتاؤلا ہوا جارہا تھا اور بے چاری مینا کو خبر ہی نہیں تھی۔ ویسے اتاؤلا ہوتا بھی کیوں نہیں...... نسیم میاں کا اچھا بھلا کاروبار تھا۔ جائیداد کے نام پر بہترین جگہوں پر کچھ دکانیں بھی موجود تھیں۔ دو فلیٹ بھی' بنگلے کے علاوہ تھے۔ مینا سب سے بڑی بیٹی تھی۔ اس کے بعد تھا شاہد اور پھر حنا اور ناہید' بڑی بیٹی ہونے کے ناطے غالب امکان تھا کہ جہیز کے سات ساتھ نسیم میاں بیٹی کے نام اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ تو ضرور کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ خاندان والے اپنے اپنے صاحب زادوں کے رشتے' نسیم میاں کے گھر لے کر آنے کے لیے پر تول رہے تھے مگر سب نے دیر کردی اور رابعہ خاتون سبقت لے گئیں۔ محترمہ' نسیم میاں سے کافی دور پرے کی رشتہ داری نکلتی تھیں۔ ملاقات کا حال کچھ یوں تھا کہ شادی بیاہ میں ہی ملنا جلنا ممکن ہوجاتا تھا اور ملاقات کوئی ایسی یادگار بھی نہ ہوتی کہ مدتوں ذہن پر طاری رہتی۔ ایسی میں ان تک خبر کا پہنچ جانا اور فوری طور پر منجھلے بیٹے کے رشتے کا ٹوکرا اٹھائے چلے آنا نسیم اور امینہ دونوں کے لیے ہی حیرت کا باعث تھا۔

''ارے بھائی صاحب۔ عاصم کے بارے میں کیا کہوں' کیا تعریف کروں' یوں سمجھ لیں ہیرا ہے میرا بیٹا۔ نہایت سیدھا اور شریف' پانچ وقت کا نمازی اور نہایت ایمان دار' اپنا کاروبار بڑی دلجمعی سے چلا رہا ہے۔'' رابعہ خاتون نسیم میاں کی بیٹھک میں براجمان اپنے صاحب

زادے کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔
"بہن جی۔ پھر تو آپ اپنے صاحب زادے کے ہمراہ جلد ہمارے غریب خانے میں تشریف آوری فرمائیں۔" اردو کے دلدادہ نسیم میاں نے خوش اخلاقی کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے دعوت دی۔ امینہ بھی میاں جی کی دعوت پر جوش وخروش کے عالم میں سر ہلانے لگیں۔
"ضرور ضرور...... کیوں نہیں لیکن پہلے آپ اپنی صاحب زادی سے تو ملوائیے۔" محترمہ پُر جوش سی بولیں۔
"جی جی باجی...... بس آ رہی ہے مینا۔" امینہ مسکراتے ہوئے کہنے لگیں۔
"لگتا ہے بیٹی کی پیدائش کا آپ کو بے حد ارمان تھا۔ تب ہی اپنے نام سے ملتا جلتا نام رکھا آپ نے۔" رابعہ خاتون پھر سے چہکتے ہوئے بولیں۔
"جی جی بہن۔ بالکل ایسا ہی ہے۔ مینا تو ہمیں بے حد عزیز ہے۔ ہمارے گھر کی رونق ہے ہماری بیٹی۔" امینہ مسکراتے ہوئے اعتراف کر رہی تھیں۔ اسی اثناء میں مینا ناشتے سے سجی ٹرالی گھسیٹتی ہوئی بیٹھک کے اندر داخل ہوئی۔ اسے رات ہی امینہ نے بتایا تھا کہ اس کے رشتے کے سلسلے میں اسے دیکھنے کوئی آ رہا ہے۔ تب سے وہ خوابوں کی دنیا میں رہنے والی لڑکی خیالوں میں کھوئے کھوئے نت نئے خواب بننے لگی تھی۔
رابعہ خاتون کو مینا پہلی نگاہ میں پسند آ گئی۔ کم عمر، معصوم سی تیکھے نقوش والی مینا، عاصم کے لیے انہیں بہترین انتخاب لگی اور پھر نسیم اور امینہ کو شریف النفس عاصم بھی پسند آ گیا۔ یوں خاندان والے منہ تکتے رہ گئے اور رابعہ خاتون سونے کی چڑیا لے اڑیں۔ چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا۔ کچھ ہی دنوں میں مینا کو پھولوں کی سیج پر بٹھا کر خوب ابٹن لگایا گیا۔ خاندان بھر کی لڑکیوں نے محلے کی کڑیوں کے ہمراہ خوب ڈھول تاشے پیٹے، گانے گائے اور گانے بھی وہ گائے کہ لڑکی اڑن کھٹولے میں بیٹھی سہانے خواب دیکھنے لگی تھی۔

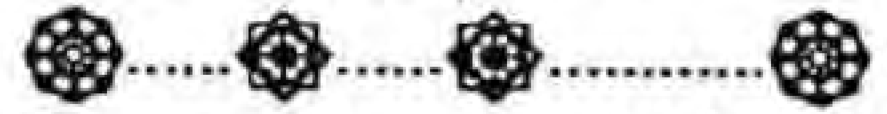
❁ ❁ ❁ ❁

مہندی کی رسم مکمل ہوئی تو اگلے ہی دن مینا کو سفید و سرخ غرارہ پہنا کر تیار کر کے بٹھا دیا گیا۔ نکاح خواں



آئے۔ عاصم میاں کی زوجیت میں دینے کے بعد چھوہارے بٹے مگر قسمت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ بے چاری مینا کو اس کے نکاح کے چھوہارے بھی نہ ملے مگر چھوہارے ملنے کا توفی الوقت اسے غم بھی نہ تھا۔ مینا نے آج پہلی بار عاصم کو دیکھا تھا۔اس سے قبل فقط عاصم کی تصویر دکھا کرا کتفا کروالیا گیا تھا۔ اونچے قد کاٹھ اور کسرتی جسامت کا مالک عاصم مینا کے دل کو بے حد بھایا تھا۔ سانولے رنگ اور تیکھے نین نقش میں کشش بھی بے حد تھی۔ ویسے بھی مثل مشہور ہے کہ نکاح کے دو بول میں بڑی طاقت ہوتی ہے تو کیا خبر اس غیر مرئی طاقت نے اس نئے نویلے جوڑے کے دل میں بھی چاہتوں کے پھول یک دم کھلا دیے ہوں۔ کیونکہ عاصم میاں نے بھی چوری چھپے بارہاں کئی بار شرمیلی سی بیگم صاحبہ کو دیکھا اور پھر زیر لب مسکراہٹ بھی نمودار ہوئی تھی۔

نکاح کا مقدس فریضہ پایہ تکمیل کو پہنچا تو رخصتی سر پر آ کھڑی ہوئی اور اپنے گھر والوں کو روتا چھوڑ کر خود بھی سوں سوں کرتی ناک رگڑتی عاصم میاں کے گھر آ گئی۔



ہائے......وہ بھی کیا دن تھے۔ محبت پھولوں کی مانند ان کے کمرے میں چہار سو مہکتی تھی۔ عاصم میاں کی دیوانگی تو عروج پر تھیں۔ پیار کا یہ عالم تھا کہ عاصم ان دنوں غسل خانے میں بھی جاتے تو مینا کو اطلاع دے کر جاتے۔ رابعہ خاتون بیٹے بہو کی یہ دیوانگی میٹھی میٹھی نظروں سے ملاحظہ فرمارہی تھیں۔ خیر سے بہو کے چاؤ چونچلے تو وہ بھی خوب اٹھارہی تھیں۔ بہو گھر بھر کر جہیز اپنے ہمراہ لائی تھی۔ سونے پر سہاگہ کہ مزاج کی سیدھی تھی۔ اپنے لائے ہوئے جہیز پر غرور نہ تکبر...... ہر چیز ساسو ماں کے حوالے کردی مگر بس ایک کسر رہ گئی تھی۔ نسیم میاں نے کوئی جائیداد فی الحال مینا کے نام نہیں کی تھی مگر خیر ہے...... آج نہیں تو کل سہی۔ رابعہ خاتون دانش مندی سے سوچتیں بہو سے خوب میل ملاپ بڑھانے لگی تھیں۔

مگر ساس بہو میں بڑھتا میل ملاپ گھر کے بڑے بیٹے اور بہو سے بالکل برداشت نہ ہورہا تھا۔ عاکفہ کی طبیعت پر تو کسی ناگہانی آفت کی طرح گراں گزر رہا تھا۔ عاکفہ اور بشیر دونوں میاں بیوی میں بنتی کم تھی بگڑتی زیادہ تھی۔ ایک سیر تھا تو دوسرا سواسیر۔ مزے کی بات تو یہ تھی کہ دونوں کی پسند کی شادی تھی مگر بدقسمتی سے ان دونوں نے شادی کے حوالے سے ایک دوسرے کے متعلق جو خواب دیکھے وہ پورے نہ ہوسکے۔ اس میں کچھ ہاتھ ان دونوں کے مزاج کا بھی تھا اور کچھ رابعہ خاتون کا بھی۔ ایک دوسرے سے توقعات پورے نہ ہونے کی بنا پر ان دونوں کے بیچ آئے دن جھگڑا رہتا تھا۔ جس کا فائدہ رابعہ خاتون اٹھاتی تھیں۔ عاکفہ بشیر کا خیال نہ رکھتی۔ نہ کھانے پینے کا نہ سونے جاگنے کا۔ رابعہ نے برخوردار کی ساری ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی۔ صبح کا ناشتہ دن کا کھانا یا پھر رات کا کھانا بشیر کو وہ ہی دیتیں۔ بشیر کو کوئی فرمائش کرنی ہوتی تو اماں سے ہی کرتا یوں بشیر بھی عاکفہ سے کھنچا کھنچا رہتا تھا۔ عاکفہ فطرتاً کام چور اور ڈھیٹ بھی واقع ہوئی تھی۔ اضافی خوبی منہ پھٹ اور بدتمیز ہونا بھی تھا۔ میاں کے کھنچاؤ پر اسے رتی بھر بھی پروانہ تھی کیونکہ اس کی سات سالہ بیٹی گھر بھر کی جان جو تھی۔ ماں بننے کے بعد سسرال میں بہو کی جگہ ویسے ہی مضبوط ہوجاتی ہے۔

قصہ مختصر کچھ یوں تھا کہ بشیر اور عاکفہ کی دوستی موبائل کے ذریعے ہوئی تھی۔ عموماً ایسی دوستوں کا اختتام دکھ بھرا ہوتا ہے مگر شومئی قسمت کہ ان دونوں کی پہلے دوستی اور پھر پیار کا انجام شادی پر ٹھہرا تھا۔ رابعہ اس شادی کے لیے راضی نہ تھیں مگر بیٹے کی بے حد ضد پر مجبور ہوکر عاکفہ کو بہو بنا کر گھر لے ہی آئیں مگر دل سے کبھی عاکفہ کو بہو تسلیم نہ کرسکیں۔ سو بیٹے کو ورغلانے بہکانے اور باغی بنانے کے جرم میں رابعہ نے بحیثیت گھر کی ملکہ عاکفہ بی بی سے پورا پورا بدلہ لیا۔ عاکفہ بھی خیر سے کوئی کم نہ تھی۔ وہ تو جو خواب آنکھوں میں بسا کر بشیر کی زندگی میں داخل ہوئی تھی۔ ان خوابوں کی بھنک اگر بشیر کو ہوجاتی تو محبت پر ماتم کناں ہوتے۔ دراصل عاکفہ اپنے گھر کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔ اس سے چھوٹی مزید دو بیٹیاں تھیں۔ والد کا انتقال

ہو چکا تھا۔ والدہ حیات تھیں۔
بشیر سے دوستی ہوئی تو علم ہوا کہ موصوف ایک بہترین ملٹی نیشنل کمپنی میں ملازمت کرتے ہیں۔ پُرکشش تنخواہ کے بارے میں جانتے ہی بشیر عاکفہ کے دل میں گھر کر گیا۔ عاکفہ نے محبت کا پانسا پھینکا اور بشیر دوڑا دوڑا اس کی محبت کے جال میں پھنستا چلا گیا۔ بات شادی تک پہنچی تو بشیر عاکفہ کے لیے ماں کی سامنے ڈٹ گیا۔ عاکفہ جان گئی تھی کہ بشیر محبت کی اس انتہا پر جا پہنچا ہے جہاں عاکفہ کے اشاروں پر اندھی تقلید کرے گا مگر یہیں مات ہوئی تھی عاکفہ کو۔

ہمارے معاشرے کے مردوں کا یہی دستور ہے یا تو وہ محبت کے لیے والدین سے ٹکرانے کی ہمت نہیں کرتے اور اگر ہمت کر بھی لیں تو ان کی ساری طاقت والدین کو منانے میں صرف ہو جاتی ہے۔ سمجھ دار والدین بیٹے کی یہ ایک خواہش پوری کر کے دانش مندی کا ثبوت دیتے ہیں۔ کیونکہ اس ایک خواہش کی تکمیل کے بعد بیٹا دراصل جذباتی طور پر والدین کے آگے خود کو سرنگوں ہو جاتا ہے اور یہی کچھ وہ اپنی عزیز از جان بیوی سے بھی چاہتا ہے۔ مگر وہ لڑکی جو بڑے مان سے فتح کا پرچم لیے گھر میں داخل ہوتی ہے۔ سرنگوں ہونے سے یکسر انکاری ہو جاتی ہے اور پھر فاتح اور مفتوح کی جنگ ایک طویل عرصے تک جاری رہتی ہے۔ جس میں یقینی طور پر دونوں جانب سے پستا بے چارا مرد ہی ہے۔ سو یہاں بھی یہی سلسلہ چل نکلا تھا۔ رابعہ خاتون اور عاکفہ میں جنگ چھڑ گئی تھی۔ آئے دن جھڑپ ہوئی اور ایسے ہی حالات میں عاکفہ ماں کے مرتبے کو بھی جا پہنچی۔ گھر میں مقام بیٹی کی پیدائش کے بعد کچھ مستحکم ہوا مگر رابعہ نے نیا کھڑاک کھڑا کر دیا تھا۔

"عاکفہ بچی کی مناسب پرورش نہیں کرتی۔ نہ اسے روتی بلکتی بچی کو سنبھالنا آتا ہے۔ اس کی بھوک کا بھی خیال نہیں رکھتی' اپنا دودھ تو دیتی نہیں اسے ہونہہ...... بچی کی کیا خاک صحت بنے گی۔" ایک دن غصے میں آ کر رابعہ خوب بھڑکیں۔ ہوا کچھ یوں تھا کہ عاکفہ غسل میں مصروف تھی اور اس کے پیچھے بچی بھوک سے کرلاتی رو رو کر نڈھال ہو رہی تھی' کمرے کا دروازہ بھی بند کر رکھا تھا۔ جس پر رابعہ خاتون کو مزید طیش آ گیا۔ سو بشیر میاں کو خوب سنایا۔

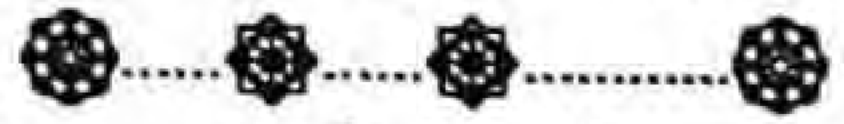
"اماں جی...... ایسا کریں میری بیٹی کی ذمہ داری بھی آپ ہی لے لیں۔ اس کی ویسی تربیت کریں جیسی آپ چاہتی ہیں۔" بشیر میاں منمناتے ہوئے بولے اور رابعہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ بہو کو ماں بننے کا زعم تھا۔ اب اس نے اولاد کے سارے حقوق اپنے نام کروالیے۔ اس سے بہتر تو کوئی انتقام ہو نہیں سکتا۔ رابعہ سوچ کر مسکرادیں مگر جلد ہی ان کی مسکراہٹ معدوم ہوتی چلی گئی۔ بہو بیگم تو تڑپنے بلکنے کے بجائے بچی کی ذمہ داری سے جان بچنے پر شکر ادا کر رہی تھیں۔

اب ہوتا یوں کہ عاکفہ بڑے مزے سے رابعہ کی حوالے بچی کو کر کے جم چلی جاتی۔ موبائل پر گھنٹوں اپنے رشتے داروں سے بات کرتی۔ رابعہ کلس کر رہ جاتیں۔ بیٹے سے بھی اب کچھ کہہ نہ پاتیں کہ کلہاڑی بالآخر خود انہوں نے اپنے پیروں پر ماری تھی۔ ساس بہو کی یہ جھڑپ جاری و ساری تھی۔ تب ہی گھر میں نئی بہو کا اضافہ ہو گیا اور مینا کی آمد ہوئی۔ مینا اور عاصم کے درمیان پنپتی محبت عاکفہ کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ سونے پہ سہاگہ رابعہ خاتون کا نئی بہو پر صدقے واری جانا' عاکفہ کے سینے پر تو سانپ لوٹنے لگے تھے۔ بظاہر میٹھی بنی رہتی مگر اندر ہی اندر مینا کا پتا صاف کرنے کی دماغ میں تراکیبیں لڑایا کرتی۔ دوسری جانب رابعہ بھی کچھ کم ہوشیار نہ تھیں۔ انہیں اندیشہ تھا کہ سادہ مزاج مینا' عیار مکار عاکفہ کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آ جائے۔ لہٰذا وہ موقع تلاش کر کے مینا کے ذہن میں عاکفہ کی حوالے سے منفی باتیں ڈالنے لگی تھیں۔

"اس سے دور رہنا بہو' عاکفہ میٹھی چھری ہے۔ ایسا وار کرے گی تم پر کہ تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔ پھر میں بھی تمہیں بچا نہ سکوں گی۔" عاصم کے آفس جانے کے بعد ساری کام نبٹا کر جب مینا اپنے کمرے میں جاتی تو رابعہ اس کے پیچھے پیچھے چلی آتیں۔

"عاکفہ تمہیں بالکل پسند نہیں کرتی۔ اس کا بس چلے تو تمہیں گھر سے نکال باہر کرے۔ محتاط رہنا اس سے۔" مینا بے چاری بڑی غور سے اپنی ہمدرد ساس کی باتیں سنتی اور پھر ذہنی طور پر الجھتی رہتی۔

رابعہ مینا کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر مطمئن ہو جاتیں۔ تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا۔ مینا کو انہوں نے اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے شیشے میں اتار لیا تھا۔



مینا نے جب سسرال میں قدم رکھا تو محبت نے اس کا استقبال کیا۔ شوہر کی محبت تو ہر قدم پر اس کے ساتھ تھی مگر ساس، سسر، نند دیور بھی اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ وہ بے انتہا خوش تھی۔ ملنے جلنے والے لوگ سسرال کی بابت دریافت کرتے تو وہ فخر سے سسرال کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتی۔ حتیٰ کہ امینہ بھی اس سے کئی بار شکوہ کر چکی تھیں۔

"مینا، تم تو سسرال جا کر ماں باپ کو تو بالکل ہی بھول گئی ہو۔ میکے کی یاد نہیں آتی کیا؟"

"اماں یہاں سب بہت اچھے ہیں۔ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ بہت چاہتے ہیں۔ ایسا لگتا ہی نہیں کہ میں سسرال میں ہوں...... میری قسمت بہت اچھی ہے اماں جو اتنے اچھے قدر دان لوگ ملے ہیں مجھے۔" وہ امینہ کے شکوے پر مسکراتی ہوئی کہتی اور امینہ رب کا شکر ادا کرتیں مطمئن ہو جاتیں۔

"بھولی لڑکی......" قسمت دور سے کھڑی مینا کی معصومیت پر ہنستی۔

مینا زیادہ تر وقت بیٹھک میں سب گھر والوں کے بیچ گزرتی۔ اس کی نندیں، دیور اسے خاندان کے دلچسپ قصے سناتے۔ جٹھانی عاکفہ کافی باتونی تھیں۔ بولنا شروع ہوتی تو خاموش ہونے کا نام نہ لیتیں۔ مینا نے غور کیا کہ عاکفہ باتوں باتوں میں گھر کے لوگوں کو بھی سناتی تھی اور وہ لوگ اس کے طنز کو جانتے بوجھتے نظر انداز کر جاتے تھے۔ مینا کو عاکفہ کا یہ انداز ناگوار گزرتا پھر عاکفہ نے نئی حرکت شروع کردی۔ مقابلے بازی۔ اس کی نند سدرہ دو دن کے لیے اپنی خالہ کے گھر جا رہی تھی۔ جاتے ہوئے وہ مینا سے گلے مل کر گئی۔ اس پر عاکفہ نے خوب ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔

"مجھ سے تو کبھی گلے مل کر نہ گئی سدرہ...... نئی بھاوج سے خوب محبتیں نبھائی جا رہی ہیں، ہونہہ۔" مینا کو عاکفہ کا یوں بولنا ناگوار گزرا مگر درگزر سے کام لیا۔ اس نے سردیوں میں سب گھر والوں کے لیے کافی بنائی تو عاکفہ ناک بھوں چڑھاتے ہوئے بولی۔

"میں نے جب کافی ان سب کے لیے بنائی تھی پہلی بار تو ان سب نے میری کافی کا بڑا مذاق بنایا تھا۔ آپ کی تو بھئی بڑی تعریفیں ہو رہی ہیں۔" جلتا کڑھتا انداز، عاکفہ کی ضد، مینا کے دل سے اس کی باتوں کی وجہ سے کم ہوتی چلی گئی اور پھر ساس نے آ کر نہایت راز داری سے مینا کو ہوشیار کر دیا۔

"عاکفہ سے ہوشیار رہنا۔" اور مینا اس سے محتاط ہوگئی۔ اب جب عاصم گھر لوٹتا تو اس کے سامنے اتنے دنوں کی الجھن بیان کر بیٹھی۔ عاصم غور سے اس کی ہر بات سنتا رہا پھر آخر میں وہ بھی ماں کی بات پر تائیدی انداز میں بولا۔

"اماں صحیح کہتی ہیں۔ بھابی میٹھی چھری ہیں۔ ان سے محتاط رہنا۔" مینا نے اثبات میں سر ہلا کر اس کے شانوں پر سر ٹکا دیا۔ عاصم محبت سے اس کے بالوں کو سہلانے لگا۔

"تم بہت اچھی ہو مینا۔ ہمیشہ ایسی ہی رہنا۔ میں ان گھریلو جھگڑوں سے بہت دور بھاگتا ہوں۔ تم کبھی مجھ سے نہ ہی میرے گھر والوں سے لڑنا۔" عاصم اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھتا اپنی خواہش کا اظہار کر رہا تھا اور وہ عاصم کی خواہش پر سچے دل سے ہاں کہہ گئی۔ اس کے لئے تو عاصم کی خوشی میں راضی رہنا ہی زندگی کا مقصد بن گیا تھا...... مینا کے لیے عاصم اس کے خوابوں کا شہزادہ ہی ثابت ہوا تھا۔ بے حد چاہنے والا مخلص اور سچا انسان، زندگی اتنی خوب صورت ہوگی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

زندگی خوب صورت ضرور ہے مگر اس کی راہ گزر کبھی

کبھار اتنی کٹھن ہوجاتی ہے کہ خوب صورتی کو مات دے دیتی ہے۔ پر اس کے باوجود زندگی خوب صورت ہے۔



عاکفہ نے سوچا تھا شکووں کی تیاری کھول کردہ دیورانی کو اپنا ہم نوا بنالے گی اور پھر سیدھی سادھی مینا کی آڑ میں گھر پر حکمرانی کرے گی۔ ساس کو ناکوں چنے چبوائے گی۔ منصوبہ سازی تو اچھی کی تھی مگر طریقہ کار غلط تھا۔ رابعہ عاکفہ کے ارادے بھانپتے ہی مینا کو اس سے دور کرگئی تھیں۔ عاکفہ نے بھی پینترا بدلا اور دو ماہ کی مدت میں وہ اتنا تو سمجھ گئی تھی کہ رابعہ مینا کے لائے گئے جہیز کے رعب میں مبتلا ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی ساس خوش حالی ہر روپ میں پسند کرتی ہیں پھر وہ بہو کے ذریعے کیوں نہ آئے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ گھر کی ذمہ داری شبیر اور عاصم کے کاندھوں پر ہی تھی کچھ بھی ہوجائے ساس بیٹیوں سے بگاڑ پیدا کرنے والی نہیں۔ مینا اور عاصم کے درمیان موجود الفت مینا کے مقام کو مزید بلند کردے گی اور اس کے اور بشیر کے جھگڑے اس کا قد اس گھر میں پست کردے گا۔

''غلطی کرتی آئی ہوں...... شبیر کو تو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہیے تھا۔ بنا کر رکھنا چاہیے تھا۔ بگاڑ کر رکھنا تو مجھے ہی گھاٹے کا سودا پڑ گیا۔'' اس دن کافی دیر تک وہ اپنی چھوٹی بہن سے فون پر مشورے لیتی رہی۔ چھوٹی بہن بھی بس نام کی ہی چھوٹی تھی۔ گھریلو سیاست میں اس کا دماغ بہت چلتا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر وہ خود سے عہد کرتی پُرعزم انداز میں اٹھی۔ عاکفہ نے دھیرے دھیرے شبیر سے تعلقات بہتر کرنا شروع کیے۔

''دیکھ رہے ہیں آپ آپ کی اماں عاصم کی بیوی کی کس قدر چاؤ چونچلے اٹھا رہی ہیں۔ میں تو جب سے آئی ہوں اس گھر میں اپنے خلاف محاذ ہی کھلا دیکھا ہے۔'' تعلقات کچھ خوشگوار ہوئے تو عاکفہ نے بشیر کو ماں اور دیورانی کے خلاف بھڑکانا شروع کردیا۔

''مجھ سے بھی سب اتنی محبت سے پیش آتے تو کیا میں انہیں اپنا نہ سمجھتی۔ مجھے تو اول دن سے ہی سب نے دشمن گردانا۔'' عاکفہ شوں شوں کرتی آنسوؤں کے بہاؤ میں جذبات کی کشتی تیراتی اور شبیر خاموشی سے سنتے چلے جاتے۔

''اپنی پسند کی بہو لائی ہیں تو صدقے واری جارہی ہیں۔ میں آپ کی پسند سے آئی تو مجھے کوئی عزت نہ دی۔ یعنی آپ کی بھی کوئی عزت نہیں ہوتی۔'' ایک اور تیر کمان سے چھوٹا اور جاکر شبیر کے دل میں پیوست ہوگیا۔

''میں ٹرک بھر کر جہیز نہ لائی تو میری قدر نہیں۔ عاصم کی بیوی جہیز کیا لے آئی سارا گھر اس کے گن گانے لگا۔ یعنی جس کی جیب بھاری اسی کی دنیا ساری آپ کی اماں بھی اسی کی اماں ہوتیں۔ بولیں کیا غلط کہہ رہی ہوں میں۔'' عاکفہ کا یہ والا وار زیادہ کاری گیا اور شبیر پہلو بدل کر رہ گیا۔

بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

پروین شاکر بھی کیا خوب شعر کہہ گئیں۔ ہر موقع پر مناسب بیٹھ جاتا۔ جو بھی تھا عاکفہ کی باتوں میں کچھ سچائی تو موجود تھی۔ رائی ہوتی ہے تو پہاڑ بنتا ہے ناں۔ بہرحال شبیر کو عاکفہ کی باتیں خوب سمجھ میں آنے لگیں۔ ماں کا جھکاؤ مینا کی جانب بڑھتا دیکھ کر وہ بھی خفگی میں مبتلا ہوتا چلا گیا۔

''آپ نے بھی بڑی ناانصافی کی۔ مجھ سے محبت تو کی۔ مگر نباہ نہ سکے۔ گھر تو لے آئے مگر عزت و وقار نہ دے سکے۔'' عاکفہ شبیر کے سر پر تیل مالش کرتے ہوئے نروٹھے پن سے بولی۔

''تم بھی تو شادی کے بعد مجھ سے محبت کرنا بھول گئی تھیں۔ ہر وقت بیوہ عورتوں کی طرح سر جھاڑ منہ پھاڑ گھوما کرتی تھیں کوئی بات کرو تو کاٹ کھانے کو دوڑتی تھیں۔'' شکوہ جواب شکوہ کا سلسلہ چل رہا تھا۔

''ہاں تو دل بھی تو اتنا برا کیا تھا آپ نے میرا...... میری نہ سنتے تھے نہ مانتے تھے۔ ہر وقت خفا خفا پھرتے تھے۔'' عاکفہ مالش سے فارغ ہوکر شبیر کے بالوں کو پیار سے سہلاتے ہوئے بولی۔

''بس اس وقت اماں ابا دونوں ہی مجھ سے اکھڑے

اکھڑے رہتے تھے۔ ان کی خیر خیریت بھی اکثر تم پر غصہ بن کر نکل جاتی تھی۔" شبیر دکھ سے بولا۔

"ہماری تو شادی کے قیمتی اوائل دن ان جھگڑوں کے نذر ہوگئے۔ خوشی تو دیکھی نہیں میں نے شادی کے بعد اور تو اور بڑی ناانصافی بھی کی آپ نے میرے ساتھ۔" عاکفہ نے لہجہ پُرنم کرتے ہوئے کہا۔

"کیسی ناانصافی؟" شبیر بری طرح چونکا۔

"میری بیٹی بھی اپنی اماں کو سونپ دی مجھ سے ماں ہونے کا حق بھی چھین لیا۔ میں نے تو آپ سے فقط شادی کی تھی۔ چھین تو نہیں لیا تھا آپ کو آپ کی ماں سے۔ پھر آپ نے یہ زیادتی کیوں ہونے دی۔" عاکفہ پھپھک کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور شبیر اس کے آنسوؤں کے سمندر میں شرم کے مارے غوطہ زن ہوا جارہا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں نے بڑی زیادتی کی تمہارے ساتھ۔ مجھے معاف کردو میری جان۔" شبیر نے شرمندگی سے چُور لہجے میں کہا۔

"اور میرا ظرف دیکھیں۔ میں نے اف بھی نہ کیا مگر یہ بھی تو دیکھیں ہماری بچی نہ ادھر کی رہی نہ ادھر کی۔ نہ تربیت اچھی ہوسکی نہ تعلیم پر توجہ دی۔ آپ کی اماں نے میری بھڑاس انتقاماً میری بچی پر نکالی۔"

"صحیح کہہ رہی ہو ایسا ہی ہے۔ میں سخت شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کردو عاکفہ۔" شبیر پھر سے گڑگڑائے۔

"معافی کیوں مانگ رہے ہیں۔ آپ بس اب مجھ سے لڑنا چھوڑ دیں۔ میرا ساتھ دیں۔ دنیا چاہے مجھے برا کہے مگر آپ میرے ساتھ کھڑے رہیں۔" عاکفہ نے محبت سے چُور لہجے میں شبیر کے سینے سے لگتے ہوئے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا۔ اب کچھ بھی ہو میں تمہارے ساتھ کھڑا ہوں۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے عاکفہ۔" شبیر نے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے عہد کیا۔ عاکفہ مسکراتے ہوئے دل ہی دل میں خود کو شاباشی دیتے ہوئے بڑبڑائی۔

"چلو جی...... ایک معرکہ تو سر ہوا اب کل سے اگلے معرکے کی تیاری۔ ساسو ماں بیچاری مینا کو مہرہ بنا کر اپنے ساتھ ساتھ اس کے لیے بھی اچھا نہ کیا۔" دل ہی دل میں وہ رابعہ سے مخاطب تھی۔ ایک فاتحانہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر چپک گئی تھی۔



سسرال میں مینا کی اصل زندگی کی شروعات ہوچکی تھی۔ دن کا کھانا پکانے کی ذمہ داری ساس نے مینا کو ہی سونپی تھی۔ مینا نے بڑے دل سے سب کے لیے کھانا پکانا شروع کیا۔ اس کے ہاتھ میں ذائقہ بھی تھا۔ سو خوب واہ واہ بھی ہوئی۔ اس دن کچن کے کام سے فارغ ہوکر وہ اپنے کمرے میں آئی تو پیچھے پیچھے عاکفہ بھی اس کے کمرے میں چلی آئی۔

"میں نے سوچا آج اپنی دیورانی سے کچھ گپ شپ کرلوں۔ اتنے دن ہوگئے ہمارے درمیان سے تکلف کی چادر نہ ہٹ سکی۔" عاکفہ آلتی پالتی مار کر مینا کے بستر پر براجمان ہوئی۔ مجبوراً مینا کو بھی جیٹھانی کو مسکرا کر خوش آمدید کہنا پڑا۔ اس دن کافی دیر تک عاکفہ مینا سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ باتوں باتوں میں وہ شادی کے بعد اوائل دنوں کے حالت بھی گوش گزار کرتی چلی گئی اور ظاہر ہے اس ذکر میں رابعہ کے لیے کوئی تعریف وتوصیفی کے الفاظ شامل تو ہونے سے رہے۔

رابعہ جلے پیر کی بلی بنیں مینا کے کمرے کے چکر کاٹتی رہیں۔ کمرے سے آتی کھسر پھسر کی آواز ان کی قوت سماعت پر دستک دے رہی تھیں۔ عاکفہ سے زیادہ غصہ انہیں مینا پر تھا جو ان کے سمجھانے کے باوجود عاکفہ سے بے تکلف ہورہی تھی۔ اس دن پہلی بار وہ مینا سے خفا ہیں اور پھر عاکفہ کسی نہ کسی طرح مینا کے کترانے کے باوجود اس کے کمرے میں آ بیٹھتی۔ مینا کچن میں کام کرتی تو وہاں کسی نہ کسی بہانے سے آ کھڑی ہوتی اور پھر وہی ادھر ادھر کی باتیں جن میں شر پسندی کا عنصر بھی شامل ہوتا۔

"تمہیں تو بڑا الفت کراتی ہے سدرہ۔ میں جب شادی کرکے آئی تھی تو سدرہ کی گز بھر لمبی زبان نے تو میرا کمرے سے نکلنا ہی بند کردیا تھا۔ بھئی تم تو بڑی خوش قسمت نکلیں۔

ایک ہی سسرال میں تمہارے نصیب کھلے ہوئے اور میرے مرجھائے ہوئے۔" بظاہر ہنستے ہوئے مگر بڑی تیکھی بات کہہ رہی تھی عاکفہ۔ مینا بس سنتی رہ گئی۔ اس بات سے انجان کے یہ زہر خند باتیں رفتہ رفتہ اس کی زندگی میں بھی زہر گھولنے والی ہیں۔ کن سوئیاں لیتی سدرہ عاکفہ کی ساری باتیں سن چکی تھی اور اب جا کر رابعہ کو نمک مرچ لگا کر سنا رہی تھی۔

"آپ کی دونوں بہوئیں کچن میں میرے خلاف بیٹھ کر باتیں کر رہی ہیں عاکفہ بھابی کا تو پتا تھا مگر مینا بھابی ان کے بھی خوب پر نکل آئے ہیں۔" سدرہ کی باتیں سن کر رابعہ کو بھی غصہ آ گیا۔

"ہونہہ دیکھ رہی ہوں میں دیورانی' جٹھانی میں خوب میل جول بڑھ رہا ہے۔ مینا کو سمجھایا تھا میں نے کہ اس عورت سے دور رہے مگر مینا بی بی بھی اب من مانی پر اتر آئی ہیں۔ لگتا ہے عاکفہ کے ساتھ ساتھ اب مینا کا بھی دماغ درست کرنا پڑے گا۔" رابعہ غصہ سے بولیں۔

رات جب شبیر اور عاصم گھر لوٹے تو کھانے کے بعد رابعہ نے دونوں بیٹوں کو باری باری اکیلے میں اپنے پاس بلایا۔ شبیر کی کلاس لینی چاہی مگر اس بار شبیر عاکفہ کو برا بھلا کہنے سے انکاری تھا۔ رابعہ دنگ رہ گئیں شبیر کے جانے کے بعد جب عاصم ان کے پاس آیا تو عاکفہ اور شبیر کا غصہ بھی اسی پر اترا۔ وہ بات جو اتنی بڑی نہیں تھی اسے خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔

"میں تو مینا کو بڑے مان سے بہو بنا کر لائی تھی۔ میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ عاکفہ بد بخت کے ساتھ مل کر میرے خلاف سازش کرے گی۔" رابعہ نے آخری جملہ بڑے دلدوز انداز میں ادا کیا۔ عاصم کا پارہ چڑھ گیا۔

"تمہیں امی نے سمجھایا' میں نے سمجھایا مگر تم باز نہ آئیں۔ تم عاکفہ بھابی کے ساتھ مل کر میرے گھر والوں کے خلاف سازشیں کر رہی ہو" عاصم کمرے میں آتے ہی اس پر برس پڑا۔

"نہیں عاصم...... میں کوئی سازشیں نہیں کر رہی' میں کیوں کروں گی ایسی غلط حرکت۔ آپ کو کس نے کہا یہ سب کچھ۔" عاصم کے اس اچانک بدلتے رویے پر حیران و پریشان سی کہنے لگی۔

"مجھے کس نے کہا؟ مجھ اماں نے کہا ہے کہ تم کچن میں عاکفہ بھابی کے ساتھ مل کر سدرہ اور ان کے خلاف سازشیں کر رہی تھیں۔" عاصم آگ بگولہ ہوا۔

"نہیں یہ غلط ہے...... میں کوئی سازش نہیں کر رہی تھی۔ میں تو بس......" مینا کو لمحوں میں ساری بات سمجھ میں آ گئی۔ یقیناً یہ آگ عاکفہ بھابی کی وجہ سے لگی ہے۔ وہ وضاحت دینا چاہ رہی تھی مگر عاصم نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم تو بس کیا ہاں...... سدرہ نے خود تمہیں اپنے خلاف باتیں کرتے سنا ہے۔ تم میری بہن' میری ماں کو جھٹلاؤ گی اب۔ بولو...... انہیں جھٹلاؤ گی کیا؟" عاصم کا غصہ کسی صورت کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

"یہ سب آپ سے سدرہ نے کہا ہے؟" مینا بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ عاکفہ بھابی کی بات پر اس نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا۔ پھر سدرہ نے کیوں کہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

"ہاں سدرہ اور اماں نے کہا ہے اور اب بند کرو یہ رونا دھونا اور جا کر معافی مانگو ان دونوں سے۔" عاصم سخت لہجے میں اسے اپنا حکم سنا رہا تھا۔ بناء اس سے سچ جانے وہ اسے قصوروار ٹھہرا رہا تھا۔

"میں آپ کی اماں اور بہن کے پاس ضرور جاؤں گی مگر معافی مانگنے نہیں۔ حقیقت بتانے۔ میں ان دونوں کے خلاف کوئی سازش نہیں کر رہی' ان کی بدگمانی دور کرنے ضرور جاؤں گی۔" مینا نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔ لمحے بھر کے لیے تو عاصم بھی اس کے لہجے کی مضبوطی دیکھ کر چونکا۔

"اگر وہ مجرم ہے تو یہ انداز بیان تو نہیں ہونا چاہیے اس کا۔" وہ سوچ کر رہ گیا۔

''ٹھیک ہے چلو۔'' عاصم اسے لیے اماں کے کمرے میں داخل ہوا۔ ان دونوں کے اندر داخل ہوتے ہی رابعہ نے 'ہونہہ' کہہ کر منہ موڑ لیا۔ مینا نے آزردگی سے اپنی ساس کو دیکھا۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ اس سے اجنبیت برت رہی تھیں اور ان کا یہ انداز اسے دکھ پہنچا رہا تھا۔

''اماں، عاصم نے مجھے ابھی ساری بات بتائی ہے۔ آپ یقین کریں میں تو کچن میں اس وقت صرف برتن دھو رہی تھی۔ میں نے عاکفہ بھابی سے نہ کچھ پوچھا تھا، نہ ہی کوئی بات چھیڑی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح خود ہی شروع ہو گئی تھیں۔ میں بھلا کیوں آپ لوگوں کے خلاف سازش کروں گی۔ آپ لوگوں کو تو میں نے دل سے اپنا کہا ہے۔'' مینا ساس کی سرد مہری کے باوجود ان کا ہاتھ تھامتی نرمی سے کہہ رہی تھی۔

''دیکھو بہو...... میں تو تمہیں بیٹی بنا کر گھر لائی ہوں اب تمہاری مرضی تم بہو بن کر رہو یا بیٹی بن کر۔ میں تمہیں پہلے بھی محتاط کر چکی ہوں کہ عاکفہ سے دور رہو مگر تم نے میری بات کو مکھی کی طرح ناک سے اڑا دیا۔'' مینا کی نرمی پر رابعہ سختی سے بولیں۔

''اماں میں......!'' مینا نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ خاموش بیٹھے عاصم نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''سدرہ...... تم بتاؤ...... عاکفہ نے کیا کہا تھا۔'' عاصم نے پُر رعب انداز میں اچانک سدرہ سے سوال کیا۔ سدرہ فرفر وہ تمام باتیں بتاتی چلی گئی۔ رابعہ اور مینا بھی سدرہ کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

''ہونہہ...... اچھا ان سب باتوں کے جواب میں مینا نے کیا کہا تھا۔'' اگلا سوال عاصم نے نہایت سوچ سمجھ کر سدرہ کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے کیا۔

''بھائی...... مینا بھابی کی مجھے آواز نہیں آئی۔'' سدرہ گڑبڑاتے ہوئے بولی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ مینا نے عاکفہ کی کسی بات کا کوئی جواب ہی نہیں دیا تھا۔

''ایسا کیسے ممکن ہے کہ ایک جگہ کھڑے دو لوگوں میں سے ایک کی آواز تم تک باآسانی پہنچے اور دوسرے کی آواز نہ آئے۔'' عاصم نے آنکھیں سکیڑ کر سدرہ سے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔ سدرہ نے بوکھلا کر رابعہ کو دیکھا۔ رابعہ بیٹے کی نگاہیں خود پر مرکوز پا کر نگاہ پھیر گئیں۔

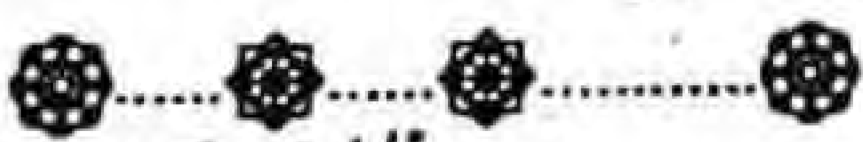
''بھائی مینا بھابی نے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔'' بالآخر سدرہ کو بے بس ہو کر حقیقت بتانی پڑی۔

''جب مینا نے کچھ کہا ہی نہیں تھا تو آپ لوگوں نے اس کے خلاف اتنا واویلا کیوں مچایا؟'' عاصم کو اب نئے سرے سے غصہ آیا۔ مینا نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کے شوہر کو اس کی سچائی سمجھ میں آ گئی۔

''بھائی کو تو عادت ہی ہے ہر ایک کے سامنے بولنے کی۔ وہ تو گھر کی ملازمہ سے بھی ادھر ادھر کی باتیں کرنا شروع ہو جاتی ہیں، کوئی پڑوس سے آئے تو باتوں باتوں میں اس سے بھی گھر کی باتیں چھیڑ بیٹھتی ہیں۔ یہ تو ان کی فطرت بن گئی ہے۔ اب ان کی فطرت سے کیسے بچا جائے۔'' حقیقت جب عاصم کے سامنے کھلی تو وہ کہے بنا نہ رہ سکا۔

رابعہ اور سدرہ فی الوقت تو خاموش رہیں مگر عاصم کا یوں بیوی کے سامنے اس کے ہی حق میں بولنا انہیں بے حد ناگوار گزرا۔ آج کے دن ان کے دونوں بیٹوں نے انہیں شرمندہ کر دیا تھا۔ عاکفہ تو پہلے ہی ناپسند تھی مگر اب مینا بھی انہیں بری لگنے لگی۔ عاصم اور مینا کے کمرے سے جانے کے بعد سدرہ افسوس سے سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''کتنے بدل گئے ہیں عاصم بھائی...... بیوی کو کچھ نہ کہا بس ہمیں ہی غلط ٹھہرا دیا۔'' اس کی بات پر رابعہ ناگواری سے پہلو بدل کر رہ گئیں۔



''میں جانتا ہوں مینا تمہاری غلطی نہیں مگر تم محتاط رہو۔ بھابی تمہیں برا بنانا چاہتی ہیں۔ وہ تم سے کسی طرح کی بھی بات کریں تم بہانہ بنا کر وہاں سے ہٹ جاؤ۔ ورنہ یقین کرو اس گھر میں تمہارے لیے بے حد مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔'' کمرے میں آ کر عاصم دیر تک مینا کو پیار سے سمجھاتا

رہا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے عاصم مگر آپ کسی سے بھی کچھ بھی سن کر ان کی بات کا یقین کرنے کے بجائے پہلے میری بھی سن لیا کریں۔" مینا نے خفگی سے کہا۔

"میں مانتا ہوں میری غلطی ہے۔ مجھے تم سے اس لہجے میں بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔ معاف کر دو ناں یار۔" اس نے شرمندگی سے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"جائیں معاف کیا...... مگر آئندہ اس طرح نہ کیجئے گا۔" مینا روٹھے پن سے کہتی اس کے سینے سے لگ گئی۔

مینا تو مطمئن ہو گئی مگر عاصم گہری سوچ میں گم ہو گیا تھا۔

وہ بھابی کی فطرت سے بھی بخوبی واقف تھا اور مینا کو بھی ان چند ماہ میں اچھی طرح جان گیا تھا۔ عاکفہ اور مینا میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ عاکفہ آگ تھی اور مینا شبنم اور یہ آگ کی فطرت ہے خود جلتی ہے تو اپنے ساتھ سب کو جلا دیتی ہے۔ عاکفہ اتنے عرصے کی جلن، حسد، نفرت مینا پر نکال رہی تھی۔ وہ اپنی ماں کے دل کو بھی جانتا تھا۔ ایک بار ان کا دل اگر کسی سے خراب ہو جاتا تو پھر اس انسان سے کبھی ان کے تعلقات اچھے نہیں ہو پاتے۔ اسے مینا کو عاکفہ کے شر سے بچانا تھا...... وہ مینا کو گھر کے حالات کے حوالے سے سمجھاتا رہے گا۔ اس کا بھرپور ساتھ دے گا۔ اس کی ہمت بنے گا۔ وہ اچھے شوہر کی طرح ایک سمجھدار بیٹے کی طرح گھر کی فلاح کے بارے میں سوچ رہا تھا۔



عاکفہ خوش تھی۔ جو چال اس نے چلی تھی وہ کامیاب رہی تھی۔ مینا سے اس کی ساس اور نند کھنچے کھنچے رہنے لگے تھے۔ اب وقت تھا اگلا پانسا پھینکنے کا۔ عاکفہ کا اخلاق ہی گھر والوں سے بہترین نوعیت کا ہو گیا۔ وہ اب کچن میں کام کرنے لگی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہنگامہ برپا نہیں کرتی۔ اب آہستہ آہستہ اس نے ساس کے کان بھرنے شروع کر دیے۔

"اماں جی ایک بات کہوں۔ مینا جہیز تو اچھا خاصا لائی ہے مگر انتہائی خراب قسم کا ہے اور خود مینا بہت پھوہڑ...... فرنیچر کا دیکھیں خیال بھی نہیں رکھتی۔ آپ دیکھیں کمرے میں دھول مٹی کتنی جمی ہوئی ہے اور عاصم کو دیکھیں کتنا بدل گیا ہے۔ پہلے تو ذرا سی دھول دیکھ کر سدرہ کے کان پکڑ لیتا تھا اور اب بیوی کو کہنا تو گناہ عظیم ہو جیسے۔" وہ زہر افشانی کرتے کرتے ساس اور نند کے تاثرات بھی جانچ رہی تھی۔ اپنی بات کا خاص اثر نہ ہوتا دیکھ کر سدرہ کو بھی اس قصے میں گھسیٹ لائی۔ جذباتی سدرہ فوراً بھڑک اٹھی۔ رابعہ بھی لاکھ ہوشیار باش صحیح مگر تھیں وہ کان کی کچی، عاکفہ ان سات سالوں میں ساس کی کمزوری خوب بھانپ گئی تھی۔ لہٰذا اب وہ ساس کو مہرہ بنا کر مینا کے خلاف چال چلنے والی تھی۔

"اماں جی معلوم بھی ہے۔ مینا کو اپنے جہیز پر گھمنڈ بھی بہت ہے۔ ایک دن تو کہہ رہی تھی کہ یہ خالی خولی گھر تو بھرا ہی میرے جہیز کے سامان سے ہے۔ یہ زیادہ جہیز لانے والی لڑکیاں اسی زعم میں مبتلا رہتی ہیں کہ سسرال کو جہیز کے نام پر دبا دیں گی اور حقیقت اتنا جہیز لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جھٹ سسرال سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ کچھ سمجھ رہی ہیں آپ میری بات۔" عاکفہ کے زبان کا جادو چل گیا تھا۔ رابعہ کو اس کی باتیں کچھ زیادہ ہی سمجھ میں آنے لگی تھیں بلکہ اب تو وہ عاکفہ سے پوچھ پوچھ کر گھر کے فیصلے کرتیں۔ عاکفہ مزے میں تھی۔ اس کے حصے کا کام بھی اب مینا کے سپرد کر دیا گیا تھا اور گھر میں اس کی اہمیت کا گراف بتدریج نیچے آتا جا رہا تھا۔

مینا سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھی کہ گھر کی فضاء اچانک اتنی تبدیل کیوں ہو گئی۔ وہ رابعہ یا سدرہ سے بات کرتی تو وہ دونوں اس کی تضحیک کرتیں۔ صبح سے شام تک کے برتن دھونا اس کی ذمہ داری بن گئی۔ اسے دن کا کھانا پکانا ہوتا تو اس میں بھی رابعہ دس کیڑے نکالتیں۔ عاکفہ مسکرا کر باتیں کرتی اور سدرہ ناک چڑھا کر۔ اس سے ایسی کیا غلطی ہو گئی تھی جو یہ سلوک روا رکھا جا رہا تھا اس کے ساتھ۔ وہ روز رات کو عاصم سے اس سب کی شکایتیں کرتی دل دکھا تھا کسی سے تو غم دل کہنے کا حق رکھتی تھی۔ بہرحال عاصم

نے اسے اپنے گھر والوں سے ان تمام حالات کا تذکرہ نہ کرنے کی ہدایت کی اور وہ عاصم کی ہر بات مانتی تھی۔ عاصم اسے کبھی سمجھاتا تھا۔ کبھی حوصلہ دیتا تھا اور کبھی روز کی چخ چخ سے بھڑک اٹھتا۔ یونہی سال گزر گیا اور عاکفہ پھر سے امید سے ہوگئی۔ اس دوران سدرہ کا رشتہ بھی آ گیا۔ رشتہ لانے کا کریڈٹ بھی عاکفہ کو ہی جاتا تھا۔ اب تو عاکفہ گھر بھر کی سب سے پاورفل عورت بن گئی تھی اور مینا کمزور ترین۔ مینا ہر وقت ذہنی تفکرات کا شکار رہتی۔ عاصم کا بھی یہی حال تھا۔ گھر کا بدلتا منظر نامہ اس سے چھپا تو ہرگز نہیں تھا۔

گھر میں ایک نیا کھیل رائج ہوگیا تھا۔ عاکفہ امید سے ہے۔ تو اس کی بچی کی ذمہ داری بھی اب مینا پر آ پڑی تھی۔ ساس اور نند تو شادی کی تیاری میں مصروف ہوگئی تھیں۔ سو انہیں تو اب وقت نہ ملتا مگر مینا تو فارغ ہے اس کے کون سے بال بچے ہیں۔ سو ایک بچی کو تو سنبھال ہی سکتی ہے۔ مینا نے اس کا تذکرہ عاصم سے کیا تو عاصم کے جواب نے حیرت کا شدید جھٹکا دیا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ بالکل صحیح فیصلہ کیا اماں جی نے ویسے بھی ہمارے بچے نہیں ہیں تو تم ایسا کرو بھابی کی بیٹی کو ہی اپنی بچی سمجھ کر سنبھالو۔" عاصم تو یہ کہہ کر جان چھڑا بیٹھا مگر مینا شدید رنج میں مبتلا ہوگئی۔ یہ انجانے میں ہی سہی مگر اسے اولاد نہ ہونے کا طعنہ ملا تھا۔ اولاد نہ ہونا اس کا قصور تو نہیں تھا۔ وہ اپنے سارے ٹیسٹ کروا چکی تھی سب کچھ ٹھیک تھا پھر بھی شاید رب کی رضا نہ تھی۔

پھر عاکفہ کے گھر ایک اور بیٹی کی آمد ہوئی۔ ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ توقع بیٹے کی تھی۔ خیر خوشی پھر بھی منائی گئی۔ عاصم تو کچھ زیادہ ہی دیوانہ ہوگیا تھا۔ سارا دن اس ننھی بچی کے ساتھ لگا رہتا۔ عاکفہ کے ہاتھ تو نئی چال لگ گئی تھی۔ وہ عاصم کی کمزوری جان گئی تھی۔ وہ جیسے ہی گھر لوٹتا، بچی کے ساتھ کھیلنے لگ جاتا۔ عاکفہ اس کی فیڈر بوتل وغیرہ بھی اس کے حوالے کردیتی۔ یعنی اب فیڈر وغیرہ کی ذمہ داری بھی اس پر آن پڑی تھی۔ عاصم رات گئے تک اس بچی کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ وہ وقت جوان دونوں میاں بیوی کا ہوتا تھا۔ وہ اس بچی کے نذر ہوتا چلا گیا۔ مینا اور عاصم میں روز جھگڑا ہونے لگا...... عاصم کو وہ بچی سے ایک حد تک پیار کرنے کی تاکید کرتی تو عاصم اس کو کم ظرف ٹھہراتا۔ وہ لمحے جو ایک دوسرے کی قربت میں بسر ہوتے تھے اب ناراضی میں بسر ہوتے۔

اس بار جب وہ اپنے گھر گئی تو بجھی بجھی سی تھی۔ امینہ اور نسیم تو پہلے ہی اس کے چہرے کی بے رونقی دیکھ کر فکر مند رہتے مگر اس بار تو آنکھوں میں جلتے جوت بھی بجھ چکے تھے۔ سب بدل جاتے مگر عاصم نہ بدلتا۔ عاصم کا بھائی کی اولاد کو لے کر اسے یکسر نظر انداز کرنا مینا کو اندر ہی اندر کھائے جارہا تھا۔

"مینا بیٹا یہ میری دو دکانوں کی فائل ہے۔ جو میں نے بہت پہلے تمہارے نام کروادی تھیں مگر تمہارے حوالے اب کررہا ہوں۔" نسیم میاں بے حد سمجھ دار تھے۔ بیٹی کے حالات کی بناء پردہ پوشی کیے مدد کرنا چاہ رہے تھے۔

"تم لوگ چاہو تو کاروباری مقاصد کے لیے بھی استعمال کرسکتے ہو یا انہیں بیچ کر گھر بھی لے سکتے ہو اپنا۔" وہ اسے اشارہ کنائیوں میں سمجھا گئے تھے۔ وہ تو مینا کے نام پر فلیٹ بھی کرنا چاہ رہے تھے مگر عاصم نے انہیں کافی پہلے ہی انکار کردیا تھا۔

مینا گھر لوٹی تو دکانوں کی فائل عاصم کو تھماتے ہوئے اسے اپنے علیحدہ گھر کے حوالے سے بھی سمجھانے لگی۔ مگر عاصم بپھر گیا۔ خوب بگڑا۔ کوئی جسمانی تشدد تو نہ کیا مگر ذہنی تشدد اب تک قانونی طور پر جرم نہ ٹھہرا تھا۔ سو اسے کرنے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔ اپنی باتوں سے عاصم نے مینا کو وہ کچوکے لگائے کہ ساری رات وہ روتی رہی۔

سدرہ کی شادی ہوگئی۔ وہ اپنے گھر کی ہوگئی۔ گھر میں کچھ سکون ہوا مگر مینا کی زندگی سے سکون غارت ہوگیا تھا۔ عاصم بچی کے ساتھ بے حد مصروف رہنے لگا تھا۔ چھٹی والے دن وہ سارا وقت بچی کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ رابعہ نے بیٹے کا روپ فوراً تاڑ لیا تھا۔ اب کی بار وہ بھی ہوشیاری سے بیٹے کو گھیرنے لگیں۔ اس کے کھانے پینے کا خوب خیال

رکھتیں۔اس کے سامنے مینا سے اچھا رویہ اپناتیں۔گھر کا ماحول پُرسکون بناتیں اور چچا بھتیجی کے تعلق کو خوب سراہتیں اور اس کے پیچھے مینا کی بات بات پر بے عزتی کرتیں اسے طعنوں سے نوازتیں اور گھر کے کام کاج کی ذمہ داری کے علاوہ وہ دونوں بچیوں کی ذمہ داری بھی اس پر ڈال دیتیں۔ حتیٰ کہ اب دن میں کھانے کے بعد آرام کا شغل بھی مینا کے کمرے میں فرماتیں اور اس وقت سے لے کر عاصم کے آجانے تک وہ مینا کے کمرے میں ٹی وی دیکھتی رہتیں۔مینا اپنے گھر والوں سے بات کرنا چاہتی تو وہ بھی نہ کرپاتی...... وہ گھٹ گھٹ کر جینے لگی آنکھیں ہر لحظہ نم رہتی۔پہلے شوہر کا سہارا تھا مگر اب شوہر بھی اسے بے سہارا کرگیا تھا۔وہ اندر ہی اندر ٹوٹنے لگی اور ایسے میں قدرت کو اس پر رحم آگیا۔اس بار وہ امید سے تھی۔عاصم کو بتایا تو وہ بھی بے حد خوش ہوا...... مینا کا خیال رکھنے لگا۔اسے وقت دینے لگا۔ مینا کو عاصم کے بدلتے مثبت رویے پر خوشی ہوئی۔وہ کچھ مطمئن ہوئی......شوہر کا ساتھ ہی عورت کی سب سے بڑی طاقت ہوتی ہے۔مینا بھی رفتہ رفتہ اپنے اندر توانائی محسوس کرنے لگی تھی۔

عاصم خوش تھا......اسے بچے بے حد عزیز تھے۔کب سے اس کے دل میں اپنی اولاد کی خواہش جڑ پکڑے ہوئے تھی۔اس خواہش کو وہ بشیر کے بچوں کو پیار کرکے پورا کررہا تھا مگر اب اس کے ہاں نئے مہمان کی نوید نے اسے ایک بار پھر مینا کی جانب متوجہ کردیا تھا۔اس دن مینا کی طبیعت کچھ بہتر نہیں تھی۔وہ بے حد تھکاوٹ محسوس کررہی تھی۔لہٰذا جلدی سوگئی۔آنکھ تو عاصم کی بھی لگ گئی تھی مگر پھر پیاس کی شدید طلب نے جگادیا۔وہ کمرے سے نکل کر جگ میں پانی بھرنے لاؤنج میں آیا تو رابعہ کے کمرے کی بتی روشن دیکھ کر چونک گیا۔

”خیریت تو ہے؟ اماں جی رات کے اس پہر جاگ رہی ہیں۔“ وہ فکر مندی سے بڑبڑاتا ہوا دروازے تک پہنچا۔قبل اس کے وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا‘ اندر سے آتی آواز پر ٹھٹک گیا۔وہ آواز اماں جی اور اس کے چھوٹے بھائی سراج کی تھی۔

”اوہو اماں جی......عاکفہ بھابی سے بنا کر رکھنے میں زیادہ فائدہ ہے۔مجھے پتا چلا ہے کہ شبیر بھائی بہت جلد کسی کاروبار کا آغاز کرنے والے ہیں۔آپ شبیر بھائی کو اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ان کے خوب نخرے اٹھائیں۔ان کی بیگم کو مہارانی کی طرح رکھیں‘ چاؤ چونچلے اٹھائیں اور بس پھر کسی طرح سے شبیر بھائی کو اس بات کے لیے رضامند کرلیں کہ اپنے کاروبار میں مجھے بھی شامل کرلیں۔سمجھ رہی ہیں ناں آپ؟“ سراج ماں کو رازداری سے سمجھا رہا تھا۔

”اور یہ عاصم اور مینا کا کیا کرنا ہے؟“ اماں جی نے کسی فرماں بردار شاگرد کی طرح اس سے اگلا سوال کیا۔

”ارے بھئی آپ ہی تو کہتی ہیں کہ مینا بھابی اللہ میاں کی گائے ہیں تو اس گائے سے خوب فائدہ اٹھایئے۔ عاکفہ بھابی کے حصے کا کام بھی ان سے کروایئے اور ہاں عاصم بھائی کو بھی اپنے ہاتھ میں رکھیں۔مجھے معلوم ہوا ہے کہ نسیم انکل نے اپنی دکانیں مینا بھابی کے نام کردی ہیں۔ بھائی جیسے ہی یہ خبر آپ تک پہنچائیں انہیں کسی طرح راضی کرلیں کہ وہ دکان مجھے کرائے پر دیدیں۔ میں اس پر جنرل اسٹور کا سامان ڈال کر چلا لوں گا اور سنیے یہ بھی کہیے گا عاصم بھائی سے کہ شروع کے چھ ماہ کا کرایہ معاف کردیں۔ ایسا ہوجائے تو کیا ہی بات ہے۔وارے نیارے ہوجائیں گے ہمارے......آپ بس دیکھتی رہیے گا کہ میں پھر کیسے کاروبار چمکاتا چلا جاؤں گا......بس اپنے دونوں بیٹوں کو ہاتھ میں رکھیں اور ان کا بہترین استعمال کریں۔“ سراج ساری منصوبہ بندی کیے بیٹھا تھا۔اس کا چھوٹا بھائی اندر سے اس قدر شاطر ہے یہ عاصم کو آج پتا چلا تھا مگر دکھ بھائی کی مکاری پر نہ تھا بلکہ ماں پر تھا جنہوں نے اولاد کو مہرہ سمجھ لیا تھا اور گھر میں شطرنج کی بساط بچھا کر بیٹھ گئی تھیں۔وہ دھندلائی ہوئی آنکھوں سے کمرے میں واپس لوٹ آیا اور ساری رات سوچتے ہوئے گزر دی تھی۔

”مینا ٹھیک کہتی تھی۔“ اندر سے کسی نے دھیرے سے کہا تھا۔اس نے پہلو میں سوئی مینا کو دیکھا۔معصومیت اس

کے چہرے کا حسن تھی مگر وہ کملا کر رہ گئی تھی۔ اسے مینا سے ہمدردی محسوس ہوئی۔ اس کی وجہ سے وہ بھی کتنا کچھ سہہ رہی تھی۔

سراج ان کا چھوٹا بھائی تھا۔ اپنے کام سے کام رکھنے والا خاموش طبع۔ یہ تو آج اسے پتا چلا کہ وہ کتنا خودغرض واقع ہوا تھا اور اماں جی...... اماں جی نے اولاد میں تفریق کردی تھی۔ اسے دکھ ہوا تھا بے حد مگر اب انہیں فیصلہ کرنا تھا۔ یا تو ساری زندگی وہ مہرہ بن کر اپنی بیوی سے زیادتی کرتے رہیں یا پھر وہ اس شاطرانہ کھیل سے الگ ہوجاتا۔ اللہ کے کرم سے اب وہ خود صاحب اولاد ہونے جارہا تھا۔ اپنی اولاد کو وہ ایک مہرہ نما سائبان نہیں دینا چاہتا تھا۔ شطرنج کا ایک ایسا پیادہ جو دونوں جانب سے پٹتا چلا جاتا وہ نہ خود اس کھیل کا مزید حصہ بنے گا نہ اپنے بیوی بچوں کو بننے دے گا۔ عاصم نے فیصلہ کرلیا تھا۔

پچھلے کچھ دنوں وہ بے حد مصروف رہا تھا...... آج اس کی مصروفیات کچھ کم ہوئی تھیں۔ سال کا آخری دن تھا اور اس کے لیے بے حد اہم بھی کیونکہ آج اس کی شادی کی دوسری سالگرہ تھی۔ وہ خوش خوش مسکراتا ہوا آفس سے نکلا تھا۔ راستے سے اس نے مٹھائی بھی خرید لی تھی۔ گھر پہنچا تو سیدھا کمرے میں داخل ہوا۔ مینا کی تلاش میں نظریں دوڑائیں وہ کچن میں مصروف نظر آئی۔ اماں جان اس کی آمد سے بے خبر مینا کو جھڑکیاں پلانے میں مشغول تھیں۔ مینا کا اترا چہرہ اسے بھی مغموم کرگیا۔ اسے اپنے فیصلے کی درستگی کا یک دم خیال آیا اور وہ زیرلب مسکرادیا۔

"مینا ذرا کمرے میں آؤ۔" وہ عقب سے آواز لگا کر چلا گیا۔ رابعہ بیٹے کی موجودگی سے ناواقفیت پر بوکھلا کر رہ گئیں۔ مینا ہاتھ جھاڑتی کمرے میں داخل ہوئی تو عاصم نے جھٹ کمرے کا دروازہ بند کردیا۔

"ارے...... یہ کیا کررہے ہیں آپ؟" مینا بری طرح بوکھلا کر رہ گئی۔

"اوہو پریشان ہونا چھوڑ دو اور ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو۔ تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے اپنے ساتھ بستر پر بٹھاتا ہوا بولا۔ مینا اس کی ہمراہی میں اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"شادی کی دوسری سالگرہ بے حد مبارک ہو اور یہ رہا تمہارا تحفہ۔" وہ اسے سینے سے لگاتا ہوا بولا اور ساتھ ہی ایک فائل اس کے حوالے کردی۔

"یہ......! یہ کیسی فائل ہے عاصم؟" مینا فائل کھول کر صفحات الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"تمہارے گھر کے۔" عاصم نے اس کی سماعت پر بم پھوڑا تو وہ بھونچکی رہ گئی۔

"ہمارا گھر......!" مینا کے لہجے میں بے یقینی کے رنگ کھلے ہوئے تھے۔

"ہاں ہمارا گھر...... میں نے تمہارے بابا کی دی ہوئی دونوں دکانوں کو بیچ کر ہمارے لیے ایک بہترین گھر خرید لیا ہے۔ جہاں ہم جلد منتقل ہوجائیں گے۔ ہماری زندگی میں آنے والا مہمان ہمارے اپنے نئے گھر میں آنکھیں کھولے گا۔" اس نے مسرور سے انداز میں کہا۔ مارے خوشی کے مینا بہت دیر تک عاصم کے سینے سے لگی رہی۔ خوشی کے ان گنت آنسو اس کے رخسار سے بہہ کر عاصم کی قمیص میں جذب ہوتے رہے۔

"اب ایک کام کرو...... یہ مٹھائی لو اور سب گھر والوں کو ہمارے نئے گھر کی خوشی میں کھلاآؤ۔" مینا خوشی خوشی مٹھائی لیے کمرے سے باہر نکل گئی۔ عاصم اس کی معصومیت پر مسکرا دیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس خبر کو سننے کے بعد اس کے اپنے اس سے ضرور اس حوالے سے باز پرس کریں گے اور وہ اپنے خونی رشتوں کو پیغام دینا چاہتا تھا خاص طور پر رابعہ خاتون کو۔

"بیٹے مہرے نہیں ہوتے۔"



حصہ 14

عشق دی ماری من چلی

صائمہ قریشی

روز مل کر بھی کم نہیں ہوتا
دل میں وہ فاصلہ ہے برسوں سے
کس پتے پر اسے تلاش کروں
شخص اک کھو گیا ہے برسوں سے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

عبدالمعید شفیق کے ساتھ پاکستان روانہ ہو جاتے ہیں۔ ان کا ارادہ وجاہت کے گھر والوں سے ملنے کا ہوتا ہے۔ وجاہت پہلے ہی سکندر کو عبدالمعید کے آنے کے بارے میں بتا دیتا ہے۔ سکندر اس بات کو لے کر الجھ جاتے ہیں کہ اگر ہاجرہ نے وجاہت اور سکینزہ کے رشتے کے لیے انکار کر دیا تو پھر ان کو کیا کرنا ہوگا۔ سکندر ہاجرہ کو مہمانوں کے آمد کا بتا کر خاطر داری کا بھی کہتے ہیں۔ سکینزہ عبدالمعید کے جانے کے بعد اداس ہو جاتی ہے۔ وجاہت سے بھی اس کا کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔ وہ اس کو رابطہ کرنے کا سوچتی ہے کہ اس کا میسج آ جاتا ہے۔ عبدالمعید سکندر ہاؤس پہنچ جاتے ہیں اور وہیل چیئر پر رضا کو بیٹھا دیکھ کر چونکتے ہیں جبکہ حسن کو اپنے سامنے دیکھ کر ہاجرہ بھی الجھ جاتی ہے۔ وجاہت کے دن بہت مصروف گزر رہے ہوتے ہیں تب روا کا پیغام ملتا ہے اور روا اسے عبدالمعید کی آمد کے ساتھ سکینزہ سے نئے تعلق کا بتا کر حیران کر دیتی ہے۔ وجاہت اس سے ہر پل کی خبر سے آگاہ کرنے کا کہتا ہے۔ ہاجرہ رضا کو سکندر ہاؤس اپنے حصے میں روک لیتی ہیں وہ نہیں چاہتی کہ عبدالمعید پر اس گھر کا کوئی راز کھلے۔ عبدالمعید اپنے بھائی جمشید سے ملنے آغا حویلی جاتا ہے اور وہاں حکیم اللہ کو بستر پر چت لیٹا دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ وہ شمع سے اس بابت دریافت کرتا ہے۔ حکیم اللہ فالج زدہ ہو جاتے ہیں اور ان کو دیکھ کر جمشید بھی سنبھل جاتا ہے جبکہ ہاجرہ حویلی نہیں آتی۔ عبدالمعید واپس چلے جاتے ہیں۔ وجاہت سے وہ نئے رشتے سے ملتے ہیں تو سکینزہ حیران رہ جاتی ہے۔ وجاہت اور سکینزہ فرسٹ کزن ہیں یہ بات سکینزہ کو جب پتا چلتی ہے تو وہ حیران رہ جاتی۔ ہاجرہ رضا سے وجاہت اور سکینزہ کے رشتے کی بات کر کے انہیں حیران کر دیتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁......❁

بات ہی ایسی تھی انہوں نے خواہش ہی ایسی ظاہر کی تھی کہ ان کا چونک جانا ایک لازمی امر تھا۔ کتنی دیر تک وہ انہیں دیکھتے رہے۔

"میں ایک دو دن تک حسن سے بات کروں گی۔" وہ مزید گویا ہوئیں۔

"یہ کیسے ممکن ہے۔ میرا مطلب ہے کہ حسن کیا مان جائے گا اور وجاہت؟ کیا وہ..... میرا مطلب ہے کیا اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟" رضا حقیقتاً حیران رہ گئے۔

"وجاہت وہی کرے گا جو میں چاہوں گی۔" ضدی انداز پر رضا نے بغور ہاجرہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس فیصلے پر انہیں ہاجرہ کے چہرے پر کوئی خوشگوار تاثر نہ ملا تو وہ پریشان ہو گئے۔

"میرا خیال ہے پہلے وجاہت کو اپنے ارادے سے آگاہ

کردو۔اس کی مرضی پوچھ لو اور......"
"مرضی پوچھنے کی کیا ضرورت ہے بتا تو دیا میں نے کہ وجاہت وہی کرے گا جو میں کہوں گی۔" ہاجرہ کے دوٹوک انداز نے رضا سکندر کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم شاید بات کو سمجھ نہیں رہی ہو ہاجرہ۔ حسن ایسا نہیں کرے گا۔" رضا پہلے وجاہت کی پسند پر بنا کسی اعتراض کے راضی تھے انہیں اگر فکر تھی تو ہاجرہ کی رضامندی کی لیکن جب سے انہیں یہ پتا چلا ہے کہ وجاہت کی پسند سکینہ، حسن کی بیٹی ہے تو انہیں اس فیصلے پر کوئی خوشی نہ محسوس ہو رہی تھی۔
"نہ کرنے کی وجہ؟" ہاجرہ نے باقاعدہ جرح کی۔
"جو کچھ حسن کے ساتھ اس خاندان نے کیا ہے کیا اس کے بعد وہ اپنی بیٹی کے لیے ہم سب پر اعتبار کرے گا؟" رضا سکندر نے اچنبھے سے پوچھا۔
"جب ہم اعتبار دلائیں گے تو وہ کریں گے کیوں نہیں؟ مت بھولو کہ انہوں نے سب کو معاف کر دیا ہے۔" ہاجرہ کے چہرے پر کچھ ایسے انوکھے تاثرات تھے کہ رضا اس رشتے کی بات پر مزید پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔
"معاف کر دینا اور دوبارہ رشتہ جوڑ لینا دو الگ الگ معاملے ہیں ہاجرہ اور میرا نہیں خیال کے ہمیں حسن کے ساتھ اس طرح کا کوئی رشتہ جوڑنا چاہیے۔" رضا کہہ کر دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئے لیکن اب کی بار وہ دلجمعی سے کام نہ کر پا رہے تھے۔
"معاف کر دیا تو رشتہ جوڑنے میں کیا قباحت ہے؟ اور کچھ جرم تو ان کے حصے میں بھی ہیں، اس کے باوجود میں یہ قدم اٹھانا چاہتی ہوں۔ اگر میرا ساتھ دو گے تو ٹھیک ہے ورنہ تم جانتے ہو ہاجرہ تمہاری پابند نہیں۔" وہی تیور، وہی من مانی اور وہی تحکم بھرا لہجہ۔ رضا سکندر نے پلٹ کر دیکھا لیکن بولے کچھ نہیں۔ وہ تو اس بات پر بھی حیران تھے کہ برسوں بعد وہ انہیں "تم" کہہ کر مخاطب کرنے لگی تھیں۔
"اور وجاہت؟" رضا سکندر سوچ رہے تھے کہ وہ وجاہت سے اس رشتے کے حوالے سے اپنی ناخوشی کا ذکر ضرور کریں گے لیکن اب وہ یہ بھی جان گئے تھے کہ ہاجرہ کی ضد کے آگے ان کا انکار اس لیے بھی معنی نہیں رکھے گا کیونکہ وجاہت کی خواہش بھی یہی ہے۔
"وجاہت مان جائے گا۔ اس کی مجھے فکر نہیں۔ وہ وہی کرے گا جو میں کہوں گی۔" ہاجرہ غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے بولیں، رضا نے انہیں دیکھا۔



"تو کیا میری اجازت کی ضرورت ہے؟" رضا سکندر نے استفہامیہ نظروں سے ہاجرہ کو دیکھا۔

"نہیں۔ ہاجرہ کو کبھی بھی کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوئی۔" لب بھینچے اگلے پل وہ تخی سے گویا ہوئیں۔ تو رضا سکندر نے سوالیہ نظروں سے ان کی وہاں آمد کا مطلب جاننا چاہا پر ناکام رہے۔

"ٹھیک ہے۔ میں پہلے بھی ہر فیصلے میں تمہارے ساتھ تھا اور اب بھی ہوں۔" ہاجرہ کی خاموشی پر انہیں مزید کسی امتحان میں مبتلا کیے بنا رضا نے کہہ کر رخ موڑ لیا اور ہاجرہ اپنی بات ختم کرکے وہاں سے نکل گئیں۔ وہاں سے نکلتے ہوئے ہاجرہ کے چہرے پر ابھری فاتحانہ مسکراہٹ کے پیچھے چھپے عزائم سے رضا اگر ایک فی صد بھی آشنا ہو جاتے تو کبھی ان کا ساتھ دینے کی حامی نہ بھرتے۔



پیر پٹختے شازی سکندر ہاؤس میں داخل ہوا اس کے غصیلے تیور اور جھنجلایا انداز واضح کر رہا تھا کہ باہر کسی سے تُو تُو میں میں کرکے آیا ہے۔ تیز تیز چلتا وہ کچن میں داخل ہوا اور ہاتھ میں پکڑے سبزی کے شاپرز کچن ٹاپ پر رکھے اور جگ سے گلاس میں پانی ڈال کر غٹا غٹ ایک ہی سانس میں پی گیا۔ ردا جو رضا کے پاس یہ جاننے کے لیے آئی تھی کہ ہاجرہ کی ان سے کیا بات ہوئی ہے شازی کے یہ انداز دیکھ کر چونکی اور رضا سکندر کی جانب بڑھنے کی بجائے کچن کا رخ کیا۔

"حد ہوتی ہے کمزور کو دیکھ کر لوگ ایسے ٹھگنے پر اتر آتے ہیں جیسے اللہ کو کوئی حساب تو دینا ہی نہیں ہے۔" شازیب کا تلملایا انداز اور بڑبڑاہٹ پر ردا اچھی خاصی متعجب ہوئی۔

"کیا ہوا...... کس نے کچھ کہہ دیا ہے؟" ردا نے استفہامیہ لہجے میں دریافت کیا۔

"ردا باجی بازار جاؤ تو دل خون کے آنسو روتا ہے ایک تو مہنگائی ایسی گھناؤنی صورت اختیار کر گئی ہے کہ وحشت ہونے لگتی ہے اور پھر غریب کی آہ و پکار ان کو پڑنے والی دھتکار سے دل دکھنے لگتا ہے۔" شازیب کا لب ولہجہ دکھ سے بھرپور تھا۔

"اب ہوا کیا ہے یہ تو بتاؤ؟" ردا کی حیرانی سوا نیزے پر پہنچ گئی تھی۔

"وہ سبزی فروش سے لڑائی ہوگئی۔" وہ منہ بسور کر بولا۔

"وجہ......؟" دونوں بازو کو فولڈ کرتے ہوئے ردا نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔

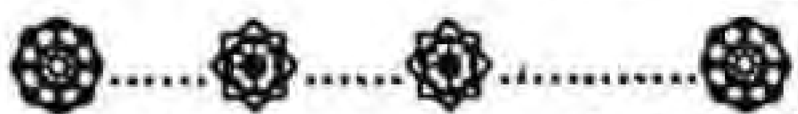
"کوئی بوڑھے بابا تھے وہ ان کے ساتھ بدتمیزی سے بات کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ سبزی اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔ چوری نہیں کر رہے تھے۔" اس نے بتایا تو ردا نے تاسف سے سر ہلایا۔

"بڑوں کا احترام تو کہیں رہا ہی نہیں لیکن شاید سبزی فروش کی بھی غلطی نہیں اس قدر مہنگائی میں رعایت دینا اپنا نقصان کرنے کے ہی مترادف ہے۔" ردا نے اپنی طرف سے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔

"بات یہ نہیں ہے باجی ہم لوگ اس وقت ایسے بحران کا شکار ہوگئے ہیں کہ جس نے شخصیت کو مسخ کرکے رکھ دیا ہے آگے کنواں پیچھے کھائی والی حالت ہے۔ وہ بزرگ کوئی جوگی لگتے تھے جیسے کچھ تلاش کر رہے ہیں۔ ہوش و حواس میں تھے لیکن ان کے انداز میں ایک غائب دماغی بھی نمایاں تھی۔ مجھے غصہ اس بات پر آیا باجی کہ سبزی فروش اس کی حالت کو سمجھ نہیں رہا تھا۔" شاہ زیب کی جھنجلاہٹ بجا تھی۔

"ہاں تو کسی دوسرے کی حالت کوئی کیسے سمجھ سکتا ہے؟" ردا نے قدرے لاپرواہی برتی۔ "اور ہاں ایسے ہی راہ چلتے لوگوں کے لیے الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نہیں جانتے لوگ ایسے ہی بھیس بدل کر گمراہ کرنے پہنچ جاتے ہیں۔" ردا جاتے ہوئے پلٹی اور تنبیہ کرنا ضروری سمجھا۔ شاہ زیب نے اثبات میں سر ہلایا لیکن وہ الجھا ہی رہا۔

اسے وہ جوگی بابا کوئی عام بھکاری نہیں لگ رہے تھے۔ اسی لیے اس نے سبزی فروش کو انہیں کچھ بھی کہنے سے روک دیا تھا۔ کچھ لوگوں سے یہ بھی سنا کہ یہ کافی عرصے سے ادھر ادھر گھومتے رہتے ہیں جیسے کسی کی تلاش میں ہوں۔ کوئی بات نہیں کرتے لیکن یہ بات قابل غور بھی تھی کہ انہیں وقتاً فوقتاً لوگوں کی دھتکار سننے کو ملتی رہتی ہے۔ حالانکہ شاہ زیب کو وہ بہت بے ضرر سے لگے تھے۔ ردا وہاں سے چلی گئی تھی۔ وہ لائی گئی سبزی کو دھو کر باسکٹ میں رکھنے لگا تھا۔



"السلام علیکم بابا۔ کیا کر رہے ہیں؟" رضا سکندر گہری سوچ میں گم بیٹھے تھے انہیں ایسے بیٹھے دیکھ کر ردا کو تشویش لاحق ہوئی۔ عموماً وہ اسی وقت اتنی گہری سوچ میں گم ہوتے تھے جب کوئی بھی معاملہ بہت گمبھیر صورت اختیار کر گیا ہو۔ ردا کی آمد پر انہوں نے کوئی خاص ردِعمل نہ ظاہر کیا۔ نظر اٹھا کر اسے دیکھا تو

ان کی خاموش نگاہوں نے ردا کو الجھا دیا۔
"وعلیکم السلام۔ کچھ خاص نہیں بیٹا۔ تم سناؤ کیا حال ہے؟"
انہوں نے مدہم آواز میں پوچھا۔
"بابا آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"
"ہاں بیٹا میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔" رضا سکندر نے زبردستی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر اسے مطمئن کرنا چاہا۔
"لیکن آپ ٹھیک نہیں لگ رہے۔ کسی بات پر پریشان ہیں کیا؟" ردا ان کے پاس آکر کھڑی ہوئی اور کچھ فاصلے پر رکھا اسٹول گھسیٹ کر اس پر بیٹھتے ہوئے متفکرانہ انداز میں پوچھا۔
"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" ان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔
"تم یہ بتاؤ کہ وجاہت سے بات ہوئی کہ نہیں؟" اس کا دھیان اپنی پریشانی کی جانب سے ہٹانے کی خاطر انہوں نے موضوع بدلا۔
"نہیں بابا...... دو دن سے کوئی رابطہ نہیں ہوا بھائی نے کہا تھا مصروف ہوں گے۔ ان کے ایگزامز ہونے والے ہیں۔" ردا نے انہیں بتایا۔
"ہوں...... اچھا ٹھیک ہے۔" رضا سکندر کا انداز پرسوچ اور کھویا ہوا تھا۔ ردا نے بار بار کریدنا مناسب نہ سمجھا کیوں کہ جانتی تھی کہ اگر انہیں اپنی پریشانی بتانی ہوتی تو پہلی بار پوچھنے پر ہی بتا دیتے۔ ردا کچھ دیر ان کے پاس رکی رہی پھر چلی گئی۔ اسے کے جانے کے بعد رضا نے موبائل نکالا اور وجاہت کا نمبر ملانے لگے۔
"السلام علیکم بابا" اس کی چہکتی آواز پر وہ حیران ہوئے۔
"وعلیکم السلام۔ کہاں غائب ہو؟" رضا سکندر نے بظاہر مطمئن انداز میں پوچھا۔
"کہیں نہیں بابا یونیورسٹی میں مصروفیت زیادہ ہے اور پھر جاب بھی تو بس وقت نہیں مل سکا۔ ردا میسج وغیرہ میں خیریت بتاتی رہی ہے۔" وجاہت کے بولنے سے لگ رہا تھا جیسے وہ واقعی مصروف ہے۔
"کہیں باہر ہو کیا؟" رضا سکندر کو کچھ آوازیں سنائیں دیں تو انہوں نے پوچھا۔
"ہاں بابا...... ابھی کچھ دیر ہوئی یونیورسٹی ختم کی ہے اب لائبریری جا رہا ہوں پھر گھر جا کر جاب کے لیے نکلنا ہے۔" وجاہت نے انہیں بتایا۔
"اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ اپنا خیال رکھنا اور جب فارغ ہو جاؤ مجھے کال کر لینا۔" رضا سکندر کے سنجیدہ لہجے نے اسے چونکا دیا تھا۔
"خیریت تو ہے بابا...... کوئی خاص بات؟" وجاہت کی تجسس کی رگ بھڑکی اور پوچھا۔
"ہاں خیریت ہے بس کچھ باتیں ڈسکس کرنی ہیں۔"
"کیا باتیں بابا؟ آپ کہیں میں سن رہا ہوں۔" وجاہت جانتا تھا کہ ایسے ہی کال بند کردی تو پورا وقت پھر وہ یہی سوچتا رہے گا کہ بابا نے کون سی بات کرنی ہوگی۔ اس لیے چلتے ہوئے ہی پوچھا۔
"بیٹا...... کوئی خاص نہیں۔ بس ایسے ہی کافی دن ہو گئے باتیں نہیں ہوئیں۔" رضا بھی جانتے تھے کہ اگر وہ ایسے کہیں گے تو وجاہت پوچھے بنا نہیں مانے گا اور وہ ہاجرہ کے اس سے کوئی بات کرنے سے پہلے وجاہت سے باتیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے اس کے مصروف ہونے کے باوجود انہوں نے ایسا لہجہ اپنایا کہ وہ بضد ہو جائے۔
"بابا اب آپ بات کو ٹال رہے ہیں۔" وجاہت کا روٹھا لہجہ کچھ کہنے پر مجبور کر گیا۔
"تمہاری امی سے بات ہوئی کیا؟" رضا نے اس سے پوچھا۔
"نہیں بابا۔ امی سے بات نہیں ہوئی بس ردا نے ان کا پیغام ہی دیا تھا کہ وہ کوئی بات کرنا چاہتی ہیں جیسے ہی فارغ ہوں کال کروں لیکن عبدالمعیز انکل کے حوالے سے امی کے رویے سے بھی ردا نے آگاہ کیا تھا۔" وجاہت نے انہیں بتایا تو رضا سکندر نے گہری سانس خارج کی۔
"آپ بتائیں بابا کیا اب بھی امی کو سکینزہ کے لیے منانا مشکل ہے؟" ان کی خاموشی پر وجاہت نے ان سے پوچھا۔
"اب ایسا کیا ہو گیا ہے؟" رضا سکندر کا سپاٹ لہجہ وجاہت کو چونکا گیا۔
عبدالمعیز حسن اور رضا سکندر کے درمیان تعلقات ہمیشہ گہری خاموشی کی زد میں رہے تھے۔ حسن اپنی دنیا میں مست رضا سکندر کے وجود سے ویسے شناسا نہ ہو سکا جیسے آغا حویلی کے باقی مکین تھے۔ ہاجرہ کی حسن میں دلچسپی نے رضا کو حسن کے قریب کبھی آنے نہ دیا تھا۔ عبدالمعیز حسن کے مستقل انگلینڈ شفٹ ہو جانے پر اور تمام حالات سے باخبر ہونے کے

باوجود رضا نے اس محبت کو کبھی وہ اہمیت ہی نہ دی تھی جو ہاجرہ کے دل میں حسن کے لیے تھی۔ رضا اس یک طرفہ محبت کی ہر ایک تخی یا گہرائی سے بخوبی واقف تھے لیکن اس دھتکار کا حوالہ کبھی ان دونوں کے درمیان نہ آیا تھا۔ رضا اور ہاجرہ میں بے شمار اختلافات تھے لیکن کبھی حسن سے کی گئی محبت یا اس کی طرف سے ملا انکار کا کوئی طعنہ ہاجرہ کو رضا کی طرف سے نہ ملا تھا' ہاجرہ اور رضا کے درمیان فاصلے گو کہ بہت طویل مسافت پر محیط تھے' حسن کے وہاں موجود نہ ہونے کی وجہ سے رضا کو کبھی کوئی خوف محسوس نہ ہوا تھا۔ وہ اس بات پر خوش تھے کہ ہاجرہ سکندر ہاؤس کی مالکن ہیں اور رضا سکندر کو یقین تھا کہ کبھی نہ کبھی ہاجرہ کو دیا گیا یہ اختیار رضا کے حق میں ان کی محبت کی گواہی دیں گے اور ہاجرہ ساری دیواریں گرا کر وہ محبت قبول کرلے گی جو رضا نے ہمیشہ ان کے نام کیے رکھی لیکن برسوں بعد حسن کی آمد کے ساتھ جب ہاجرہ کی وہ تخی اور نفرت بھی لوٹ آئی تو رضا اپنے آپ سے نظریں چرانے لگے۔ وہ جو سمجھ رہے تھے کہ بے شک دوری ہے' تعلقات میں کوئی نرمی نہیں لیکن ہاجرہ رضا کی دنیا میں اپنا ماضی بھول کر فقط ان سے نفرت کررہی ہیں۔ حسن کے سامنے ہاجرہ کی بدکلامی نے واضح کردیا تھا کہ وہ تو اس محبت کو ہی نہیں بھول سکی جس نے ہاجرہ کو ٹھکرا کر رضا کا مقدر بنادیا تھا۔

''بابا..... سکینزہ ہماری کزن ہے ناں؟'' وجاہت قدرے حیرت سے گویا ہوا۔

''اگر میں کہوں کہ تم..... تم بھول جاؤ تو..... بنا کسی سوال کے کیا تم مان جاؤ گے؟'' اس لمحے رضا کو اپنا آپ بہت اجنبی لگنے لگا تھا۔ محبت کا دکھ سہنے..... شدید چوٹ کھانے کے باوجود وہ اپنے ہی بیٹے کے لیے ظالم سماج کا کردار ادا کرنے چلے تھے۔ یہ رقابت ہے یا ہاجرہ سے کوئی ضد۔

''کیوں بابا؟'' وجاہت کو اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔ چلتے ہوئے وہ یک دم رکا تھا۔

''اگر تم مان سکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میرے پاس اس انکار کا کوئی جواز نہیں۔'' رضا کے لہجے سے کچھ اکتاہٹ جھلکنے لگی تھی اور وجاہت بے تحاشا حیرت میں جلا وہیں کھڑا رہ گیا۔

''بابا بنا جواز آپ کبھی کوئی بات نہیں کہتے۔ آپ مجھے بتائیں کیا امی نے کچھ کہا ہے؟'' رضا اب لب بھینچے اپنی بات پر پچھتا رہے تھے۔

''بولیں ناں بابا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے سب سے پہلے آپ سے شیئر کیا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ آپ میرا ساتھ دیں گے۔'' وجاہت الجھ رہا تھا۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں بیٹا۔'' رضا کو اپنا آپ بہت بے بس لگ رہا تھا' وہ کیسے یہ اقرار کرلیتے کہ سکینزہ حسن کی بیٹی ہے اور حسن وہ انسان ہے' جس کی وجہ سے دانستہ یا نادانستہ رضا کو ان کی محبت نہ مل سکی۔ اب وہ حسن کے ساتھ کوئی ایسا تعلق نہیں قائم کرنا چاہتے تھے جو انہیں مزید کسی اذیت سے دوچار کرتا رہے۔

''میرے ساتھ ہیں تو پھر یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ سکینزہ کو بھول جاؤں؟ اب جب کہ کوئی رکاوٹ بھی نہیں۔'' وجاہت ایک دم سے بہت پریشان ہوگیا تھا۔ وہ تو بہت خوش تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب وہ ہاجرہ کی اجازت سے پہلے ہی سکینزہ کے سامنے اپنی محبت کو ظاہر کردے گا۔

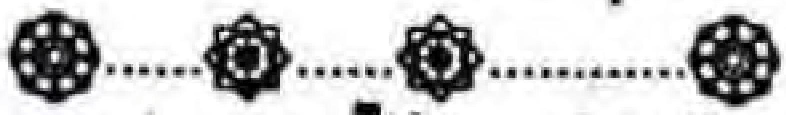
''کیا تم نے سکینزہ کو سب بتادیا ہے؟'' رضا نے سوال کیا۔

''نہیں بابا۔''

''اگر نہیں کہا تو کہنا نہیں۔ پہلے اچھی طرح سوچ لو۔''

''لیکن بابا۔ میں نے تو فیصلہ کرکے آپ کو سب بتایا تھا۔'' وجاہت ان کے رویے سے الجھ رہا تھا۔

''اچھا۔ ٹھیک ہے تم کروا اپنے کام۔ فارغ ہوکر کال کرنا پھر بات ہوگی۔'' رضا نے کہا اور اس کا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔ وجاہت الجھن کا شکار ہوتا وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا تھا۔ اس کے بعد وہ نہ پھر لائبریری جاسکا نہ جاب پر اور پرسکون تو رضا سکندر بھی نہ رہے تھے۔



ان دنوں اس کی خوشی دیدنی تھی' ایک لمحے کے لیے بھی مسکراہٹ چہرے سے جدا نہ ہورہی تھی اُسے اپنی محبت کی چاہ کا یقین ہوگیا تھا کہ اس کے خوابوں کا محل اچانک دھڑام سے زمین بوس ہوگیا تھا' وہاں سے منع کیا گیا جہاں اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا' رضا سکندر کے منع کرنے کی وجہ اسے سمجھ نہ آئی تھی۔ اتنا الجھ گیا تھا کہ پھر جاب پر کال کرکے اپنے نہ آنے کے لیے طبیعت خرابی کا بہانہ بنایا اور گھر آکر نہ چینج کیا نہ کچھ کھایا پیا اور کمرے میں بند ہوگیا تھا۔ احمر گھر پہنچا تو اسے یوں بیزار اور پژمردہ حالت میں صوفہ پر آڑھا تیرچھا پڑا دیکھ کر حیران تو ہوا لیکن بنا اس سے کوئی بات کیے اپنے کام کرنے لگا جب کافی دیر تک اس کی اس حالت میں کوئی تبدیلی نہ آئی تو احمر کو بھی تشویش

لاحق ہوئی۔
"کیا بات ہے..... سب خیریت تو ہے؟" احمر اپنے اور وجاہت کے لیے چائے لایا تھا' وجاہت کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس کی اس بیزاری کی بابت استفسار کرنے لگا۔ وجاہت نے سرسری نگاہ اس پر ڈالی اور نفی میں سر ہلا کر چائے کا کپ تھام لیا۔ نظریں چائے سے اٹھتے دھوئیں پر جمائے وہ اپنی سابقہ حالت میں وہ وہیں بیٹھا رہا تو احمر کو اب فکر ہونے لگی۔
"تم نے جاب پر نہیں جانا؟" جب کچھ دیر تک وجاہت نے مزید کوئی حرکت نہیں کی تو احمر نے پوچھا۔
"ہاں......لیکن طبیعت کچھ سیٹ نہیں تو کال کر دی تھی۔" چائے کا سپ لیتے ہوئے وجاہت نے مدہم آواز میں کہا۔
"کیا ہوا طبیعت کو؟" احمر نے سرتاپیر اسے دیکھا' بظاہر وہ بالکل ٹھیک لگ رہا تھا۔
"کچھ نہیں۔"
"کسی بات پر پریشان ہو تو شیئر کرلو۔" احمر جان گیا تھا بات کچھ اور ہی ہے۔
"یار وہ بابا نے منع کر دیا کہ انکل عبدالمعیز سے رشتے کی بات نہیں کرنا۔" وجاہت کے لہجے میں حیرانی بھی تھی اور جھنجھلاہٹ بھی۔
"کیا......! انکل نے منع کر دیا؟ لیکن یہ ڈر تو آنٹی کی طرف سے تھا۔" احمر کو بھی تعجب نے آ گھیرا۔
"یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا ناں۔ بابا تو ہر معاملے میں میرے ساتھ ساتھ رہے اور میں نے سب سے پہلے بابا کو ہی بتایا تھا۔"
"اور میں تو تمہیں اس بات پر کبھی معاف نہیں کروں گا کہ مجھے بے خبر رکھا اور بالا ہی بالا سارے معاملات طے کر لیے۔" احمر کو موقع مل گیا ایک بار پھر شکایت کرنے کا۔
"کیا خاک طے کر لیا۔ جن کے بھروسے دل لگایا تھا وہی دل توڑنے پر مُصر ہیں اور جو پہلے ہی خلاف تھے ان کی ناراضی تو ابھی سامنے آئی ہی نہیں۔" وجاہت کی جھنجھلاہٹ میں غصہ نہیں بے حد حیرت تھی۔
"پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔ بعض اوقات جہاں سے انکار کی اُمید ہوتی ہے وہاں سے مثبت جواب مل جاتا ہے۔" احمر نے اسے تسلی دینی چاہی۔
"تو جانتا نہیں۔ امی بہت ضدی ہیں۔ انہوں نے تو پہلے ہی انکار کیا ہوا ہے۔ مجھے بس بابا کا ہی سہارا تھا کہ وہ میرا کیس لڑ کر میری محبت کو میرا مقدر بنا دیں گے لیکن اب جب وہی منع کر رہے ہیں تو کسی اور سے مجھے کوئی امید نہیں۔" وجاہت اچھا خاصا بددل ہو گیا تھا۔
"تم پریشان مت ہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کوشش کرو کہ انکل عبدالمعیز اور سکینزہ کو ساتھ ملا لو اب جب ایک فیملی ہے اور تعلق اتنا قریبی ہے تو یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خود بخود ہی بات بن جائے۔" احمر کی بات پر وجاہت نے چونک کر اسے دیکھا۔
"شکریہ یار تم نے مشورہ تو اچھا دیا ہے لیکن......"
"شکریے کو اپنے پاس رکھو اور چھوڑو اس لیکن ویکن کو بھی۔ اب جب اس راہ پر چل ہی پڑے ہو تو تھوڑی بہت مشکلات تو آئیں گی ناں اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم انکل سے تفصیلی بات کرو تو وہ اس رشتے پر قائل ہو ہی جائیں؟" احمر اچھی خاصی سنجیدگی سے گویا ہوا۔
"ہوں...... بات تو ٹھیک کہہ رہے ہو۔ بابا نے ایک ہی دفعہ کہا تو کیا میرے جذبے ایسے ہیں کہ یوں ہی دم توڑ دیں گے۔" احمر سے بات کر کے وجاہت ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔
"یار اب ایک اچھا سا کپ چائے کا بنا دو۔ قسم سے بابا کے انکار نے تو دماغ کی لسی بنا دی۔"
"لسی بنا دی تو اس میں تھوڑا سا نمک ملا کر پی جا اور اٹھو بیٹا آج کھانا آپ نے پکانا ہے۔"
"لیکن یار میں کھانا کیسے پکا سکتا ہوں۔" وجاہت نے رونی صورت بنا کر کہا۔
"کیوں تمہارے ہاتھوں میں مہندی لگ گئی ہے کیا؟"
"یار اس وقت میں محبت کے غم میں مبتلا ہوں۔ مجھے تنگ نہ کرو۔" وجاہت نے مسکراہٹ دبا کر لاچار شکل بنا کر کہا۔
"اوئے......" احمر دانت کچکچا کر اس سے مخاطب ہوا۔

رانجھا میاں چھڈ ویاری
چنگی نہیں اے عشق بیماری

احمر اپنے مخصوص انداز میں دلیر مہدی کا گانا گنگنانے لگا تو وجاہت ہنسنے لگا۔
"ایسے کرتے ہیں انکل عبدالمعیز کے ہاں چلتے ہیں تو ان کا تعارف ذرا نئے انداز میں کراتا میں حیران ہوں گا اور پھر کہوں گا اب تو رشتہ داری نکل آئی مہمانوں والا تکلف چھوڑتے ہیں اور

آج سے ہم کھانا یہاں ہی کھایا کریں گے۔" احمر نے اگلے پل کہا تو وجاہت نے شرارت سے آنکھیں گھمائیں۔

"آئیڈیا تو اچھا ہے لیکن دو دن کا مہمان تیسرے دن بلائے جان والا حساب نہ ہوجائے ناں؟ بنتی بات اس پیٹ پوجا کے چکر میں بگڑ گئی تو میرا کیا ہوگا کالیا؟" وجاہت نے منہ بسور کر کہا تو احمر نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اچھا پھر اٹھو اور کھانا پکاؤ۔" احمر نے کہا تو وجاہت کچھ سوچنے لگا۔

"چلو چلتے ہیں پھر۔" وجاہت مسکراہٹ دبا کر بولا اور اگلے پل اٹھ کھڑا ہوا۔ چارجر پر لگا موبائل اٹھایا تو ردا کے میسج پر یوں اچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔ بار بار پلکیں جھپکا کر ردا کی طرف سے لکھے گئے الفاظ کو پڑھنے لگا۔

"بھائی یہ کوئی خواب ہے یا حقیقت؟ امی نے سکینزہ کو میری بھابی بنانے کا اعلان کیا ہے اور آج یا کل انکل سے بات کرنے والی ہیں۔ اگر اس بارے میں امی آپ سے کچھ کہیں تو پلیز یہ نہ بتانا کہ میں نے آپ کو بتادیا ہے۔" وجاہت اب صحیح معنوں میں الجھ گیا تھا۔ ایک طرف اس باپ کی خواہش تھی جس نے ہمیشہ اس کا ساتھ دیا تھا اور کبھی کوئی فرمائش نہ کی تھی اور دوسری طرف وہ ماں تھی جو بہت ضدی ہونے کے باوجود وجاہت سے بہت محبت کرتی تھی۔ یہ کیسے امتحان کی گھڑی ہے جہاں بابا اور امی میں سے جس کی بھی خواہش نہ پوری کرسکا دل میرا ہی دکھے گا۔ ردا کے میسج نے اسے خوشی کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑی الجھن میں بھی مبتلا کردیا تھا۔

"کہیں ایسا نہ ہو بابا اور امی کے درمیان کوئی ضد آٹھہری ہو اور اس کی زد میں میری محبت آرہی ہو؟" وجاہت نے ردا کو مختصر سا جواب دے کر موبائل پاکٹ میں رکھ لیا۔

"چلو پھر۔" احمر نے عبدالمعیز کی طرف جانے کا کہا تو چاروناچار وجاہت کو اٹھنا پڑا۔ ورنہ اس وقت وہ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ کہیں جانے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔



رضا خوش نہیں تھے اس لیے نہیں کہ ہاجرہ نے حسن کی بیٹی کو بہو بنانے کا فیصلہ کیا تھا اس لیے کہ وجاہت کے سامنے انہوں نے اپنے آپ کو سوالیہ نشان بنادیا تھا۔ رقابت کی آگ میں جل کر جو قدم انہوں نے اٹھایا تھا وہ انہیں اپنی ہی نظروں میں مجرم بنا رہا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر اتنے سال جیسے تیسے ہی سہی ہاجرہ کے ساتھ گزار دیے ہیں تو اب اس پر شک کرنا ان کی محبت کی توہین ہوگی' اپنا آپ انہیں بے حد چھوٹا لگ رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اب عمر کے اس حصے میں' ہاجرہ چاہ کر بھی رضا سکندر سے تعلق نہیں توڑ سکتی لیکن وہ یہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ جب وہ جانتے ہیں کہ ہاجرہ کہیں نہیں جائے گی تو حسن کی واپسی نے انہیں بے چین کیوں کردیا؟ جب ہاجرہ کی زندگی کا ہر ایک پہلو ان کے سامنے ہے' اس کی محبت سے بھی وہ واقف ہیں اور اس کی نفرت بھی ان کی آنکھوں کے سامنے ہی پروان چڑھی ہے تو اب کیوں وہ کم ظرفی کا مظاہرہ کرنے لگے ہیں؟

کتنے پل بیت گئے' انہیں کسی کل قرار نہ آرہا تھا' آج پہلی بار انہیں اپنا آپ صحیح معنوں میں اپاہج لگ رہا تھا۔ دو بار وجاہت کا نمبر ڈائل کرنے کی کوشش کی' سوچ لیا تھا کہ وہ وجاہت کے معاملے میں کچھ نہیں بولیں گے۔ ہاجرہ کے دل میں جو بھی ہو وہ وجاہت کی محبت کی راہ میں رکاوٹ نہیں کھڑی کریں گے لیکن ان کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وجاہت کے سامنے ایک بار پھر اپنی زبان سے پھر جائیں۔ موبائل اسکرین پر نگاہیں جمائے رضا سکندر کی سوچیں وجاہت کے گرد ہی گردش کر رہی تھیں کہ موبائل اسکرین پر جگمگاتا نام انہیں چونکا گیا۔

"السلام علیکم۔ شمع باجی۔" رضا سکندر کے پاس کوئی بہانہ نہ تھا فون نہ ریسیو کرنے کا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسے ہو تم؟" شمع کے لہجے کی غیر معمولی تیزی رضا کو کھٹکی۔

"الحمدللہ شمع باجی میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟ بھائی اور آغا صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟" رضا سکندر نے مدھم آواز میں سب کے متعلق باری باری پوچھا۔

"سب خیریت سے ہیں رضا۔ تم بتاؤ رضا کیا کررہے ہو؟"

"کچھ نہیں شمع باجی آج کل ایک نیا کام شروع کیا ہے تو اسی پر کام کررہا ہوں۔"

"اچھا...... حسن کیسا تھا؟"

"ٹھیک تھا۔" حسن کے ذکر پر رضا کو اندازہ ہوگیا کہ شمع باجی کی بے وقت کال کا مقصد کیا ہے۔

"پھر رابطہ ہوا...... وہ خیریت سے واپس پہنچ گیا؟"

"ہاں۔ خیریت سے پہنچنے کی اطلاع تو دی تھی لیکن پھر رابطہ نہ ہوسکا۔" جو وہ پوچھ رہیں تھی رضا بنا کسی حیل وحجت کے بتا رہا تھا۔

"اچھا...... جمشید کے ساتھ تو اس کا کافی رابطہ ہے۔ جب سے گیا ہے تقریباً ہر روز بات کرتے ہیں۔" شمع ہولے سے ہنسی۔

"اچھی بات ہے شمع باجی اب دلوں کی کدورتوں کو ختم ہوجانا چاہیے۔ اب تو وہ زمانہ بھی نہیں رہا جب دوسروں کی زندگیوں میں مداخلت عام ہوتی تھی۔ سب کی اپنی اپنی زندگی ہے۔ اگر سوچیں تو جمشید بھائی اور حسن کا تو کوئی اختلاف تھا ہی نہیں۔ جس کے ساتھ اختلافات تھے جب وہی نیا رشتہ جوڑنے پر مصر ہے تو ان کا تو تعلق ہی ایسا ہے جو کسی صورت ٹوٹ نہیں سکتا۔" رضا گمبھیر لہجے میں بولتا شمع کو حیرت میں مبتلا کرگیا۔

"نیا رشتہ کیا مطلب......!" شمع یقیناً بے خبر تھی اس لیے چونکیں۔

"آپ کی بہن نے وجاہت کے لیے حسن کی بیٹی کو پسند کیا ہے۔" گہری سانس خارج کرتے ہوئے رضا نے انہیں آگاہ کیا۔

"کیا......؟" وہ چلائیں۔

"یہ کب ہوا؟ اور کوئی مشورہ یا اطلاع دینا بھی گوارہ نہیں کیا۔" شمع کو اس فیصلے سے دھچکا لگا۔

"آپ بھی ابھی ذکر نہ کیجیے گا شمع باجی۔ ہاجرہ خود آپ سے بات کرے گی۔ ابھی بات ہم دونوں کے درمیان ہے اس لیے ہاجرہ نے آپ سے ذکر نہیں کیا ہوگا۔"

"کیا تم مان گئے؟" شمع کو شدید غصہ آیا۔ "تمہاری خاموشی کا کیا مطلب رضا؟" رضا کچھ نہ بولا تو شمع گویا ہوئیں۔

"شمع باجی کوئی ماں اپنی اولاد کے لیے برا نہیں سوچتی۔"

"لیکن تم بھول رہے ہو کہ وہ ہاجرہ ہے اور ہاجرہ کچھ بھی کرسکتی ہے۔ تم کب اپنے آپ کو اس قابل بناؤ گے رضا کہ ہاجرہ کے سامنے سر اٹھا کر اپنی بات منوا سکو؟" شمع نے افسوس ناک لہجے میں اس کی بزدلی کا طعنہ دیا۔

"نہیں شمع باجی...... ہاجرہ اب کچھ نہیں کرسکتی۔ میں مانتا ہوں وہ بہت ضدی ہے لیکن یقین کریں وہ اتنی بہادر نہیں کہ مجھے چھوڑ دینے کا فیصلہ کرے نہ ہی اس کے پاس کسی ایسے فیصلے کا کوئی جواز ہے۔ وہ جانتی ہے شمع باجی کہ سکندر ہاؤس چھوڑنے پر اب اسے اپنی اولاد کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔" رضا نے ان سے زیادہ اپنے آپ کو یہ یقین دلایا تھا کہ ہاجرہ کہیں نہیں جائے گی۔

"ساتھ رہتے ہوئے کسی کے وجود کو نظر انداز کرنا چھوڑ دینے سے زیادہ اذیت ناک ہے رضا اور کیا وجاہت مان جائے گا؟" شمع کے لہجے میں ایک کاٹ ایسی تھی کہ رضا کے اندر خاموشیاں سرایت کرنے لگیں۔

"شاید۔" رضا بہت آہستگی سے بولا۔

"کسی ایک پر تو اپنا کوئی اختیار رکھو۔" شمع نے قدرے تلخی سے کہا اور فون بند کردیا۔ رضا جو پہلے ہی اضطراب میں گھرے تھے اب ڈوبنے لگے تھے۔



نہ جانے کیوں اپنے فیصلے پر وہ بہت خوش تھی۔ ان کے چہرے کی مسکراہٹ اور انداز کی بے کلی ان کی دلی آسودگی کی عکاسی کررہی تھیں وہ کوشش کرتے تھے کہ دن میں کچھ وقت سکندر ہاؤس کے اس حصے میں گزاریں جہاں ہاجرہ رہائش پذیر ہے۔ انہیں وہاں آئے ہوئے اب کافی دیر ہوگئی تھی۔ دونوں کے درمیان ابھی تک کوئی تفصیلی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ ردا چائے اور سینڈوچ بنا کر میز پر رکھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"وجاہت نے کہا تھا مارچ اپریل تک پاکستان آئے گا اگر حسن اور ان کی بیٹی کو بھی بلالوں تو بات پکی ہوجائے گی؟" ہاجرہ نے چائے کا کپ رضا کو تھماتے ہوئے ان سے مشورہ نہیں کیا بلکہ انہیں اطلاع دی تھی۔

"وجاہت سے بات ہوئی کیا؟" ہاجرہ کی بات پر رضا چونکے بنا نہ رہ سکے۔

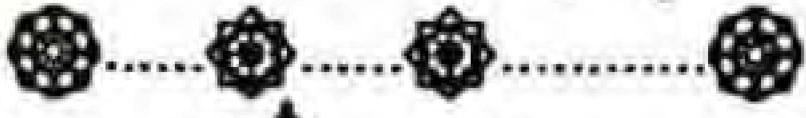
"نہیں۔ اس سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے میں جانتی ہوں وہ وہی کرے گا جو میں کہوں گی۔" ہاجرہ کے لہجے کی اکڑ پر رضا نے انہیں دیکھا۔

"جب اپنے ساتھ ناانصافی ہوئی ہو تو انسان کم از کم وہی تاریخ اپنی اولاد کے ساتھ نہیں دہراتا۔" چائے کے گھونٹ کو نگلتے ہوئے رضا افسوسناک لہجے میں بولے۔

"اس کو میں نے دیکھا ہے۔" پیشانی پر شکن اور لہجے میں ہلکی سی کڑواہٹ رضا سکندر کو صاف دکھائی دی۔

"وہ ایسی حسین ہے کہ وجاہت اس کے لیے انکار کر ہی نہیں سکتا۔" ہاجرہ کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ در آئی کہ رضا

سوچ میں پڑ گئے کہ کہیں وجاہت نے ہاجرہ کو بھی اپنے احساسات سے آگاہ تو نہیں کردیا۔
"اور حسن؟ اگر اسے یا اس کی بیٹی کو کوئی اعتراض ہوا تو؟" نہ چاہتے ہوئے بھی رضا واضح کررہے تھے کہ اس رشتے میں ان کی مرضی شامل نہیں۔
"حسن مان جائیں گے۔ وجاہت کو کافی دنوں سے جانتے ہیں اور جہاں تک میں سمجھی ہوں ان کا وجاہت کے والدین سے ملنے کا مقصد بھی یہی تھا۔" ہاجرہ نہ جانے کیسے ان کو پرکھ گئی تھی یا شاید یہ ان کی قیاس آرائی تھی جو حسن کی بھیجی گئی تصویروں کے بعد ہاجرہ نے کی۔
"مجھے تو ایسا کچھ محسوس نہیں ہوا۔" رضا کی حیرت سوا نیزے پر تھی۔ ہاجرہ نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا۔
"تو کیا حسن سے بات ہوگئی؟" ہاجرہ کے یقین پر رضا نے پوچھا۔
"نہیں بس آج کل کروں گی بات، ابھی شمع باجی کو بتایا کہیں وہ برا نہ منا جائیں کہ میں نے وردہ یا عالیہ کی بات کیوں نہیں کی۔" ہاجرہ نے اپنا خدشہ ظاہر کیا تو رضا ایک بار پھر چونک گئے۔
"کیوں کیا ان سے ایسی کوئی بات ہوئی ہے؟"
"نہیں...... لیکن ایک امید تو ہوتی ہے کہ......" ہاجرہ نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی۔ بہت سالوں بعد ہاجرہ اور رضا کے درمیان بنا کسی تلخی کے کوئی بات ہورہی تھی۔
"اگر لگتا ہے کہ انہیں امید ہوگی تو کیا ضرورت ہے باہر نکلنے کی۔" بے اختیار رضا کی زبان سے نکلا اور ہاجرہ نے انہیں دیکھا اور کتنے لمحوں تک دیکھتی ہی رہی۔
"میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہم جانتے تو نہیں کہ حسن کی بیٹی کیسی ہے، وجاہت نے واپس پاکستان آنا ہے، وہ باہر کی پلی بڑھی لڑکی ہے کہیں ایسا نہ ہو وہ یہاں ایڈجسٹ نہ کرسکے اور وجاہت کو ہم سے دور رہنے کا فیصلہ کرنا پڑے۔" رضا نظریں جھکائے بہت مدہم آواز میں کہہ رہے تھے مبادا ہاجرہ ان کی آنکھوں کی چغلی نہ پڑھ لے۔ کہیں وہ یہ نہ جان جائے کہ رضا حسن کی بیٹی کو وجاہت کے لیے کیوں منع کررہے ہیں۔
"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ وجاہت حسن نہیں کہ کسی لڑکی کی باتوں میں آکر اپنوں کو چھوڑ دے۔" ہاجرہ ایک غیر مرئی نقطے پر نظر جما کر بولی تو رضا انہیں دیکھتے رہ گئے لیکن سمجھ نہ سکے کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔
"میں شمع باجی کو بتا کر آج حسن سے بات کروں گی۔" ہاجرہ نے حتمی فیصلہ سنا کر خاموشی اختیار کرلی، ہاجرہ یہ اختیار رضا کو کبھی تو دے سکتی تھی؟ ایک سوچ نے رضا سکندر کو مضطرب کردیا تو رضا کو پھر سے اپنا آپ بے معنی لگنے لگا تھا۔



"کیا یہ ممکن ہے ہاجرہ؟" ہاجرہ اور شمع آمنے سامنے تھیں۔ اس کے چہرے پر نظریں جمائے شمع نے پوچھا۔
"اس میں ناممکن کیا ہے؟" ہاجرہ نے تیوریاں چڑھا کر استفسار کیا۔
"کہیں ایسا نہ ہو کہ حسن کی طرف سے تمہیں ایک بار پھر انکار سننا پڑے۔ ہاجرہ عمر گزار دی لیکن تم یہ نہیں بھول سکی کہ تمہاری محبت نے تمہیں قبول نہیں کیا۔ اولاد کے معاملے میں عام حالات میں بھی کوئی بات برداشت نہیں ہوتی اور پھر اگر پہلے بھی ایک گہری چوٹ کھا چکی ہو تو...... حسن نے اگر انکار کیا تو کیا برداشت کرلوگی؟" شمع نے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔
"وجاہت میں کیا کمی ہے...... کس بنیاد پر وہ انکار کریں گے؟" ہاجرہ تیز لہجے میں بولی۔
"کمی تو تم میں بھی نہیں تھی۔" شمع کی نگاہوں میں ایک ایسی چبھن تھی کہ ہاجرہ پہلو بدل کر رہ گئی۔
"لیکن انکار کا جواز کیا تھا تم اچھی طرح جانتی ہو۔" شمع مزید بولی۔
"اور کیا تم نے رضا سے مشورہ کیا؟" شمع کے پوچھنے پر ہاجرہ نے انہیں دیکھا۔
"اسے کوئی اعتراض نہیں۔"
"اس میں اتنی ہمت ہی کہاں ہے کہ تمہارے کسی فیصلے پر کوئی اعتراض کرسکے۔" شمع کی تمسخرانہ ہنسی ہاجرہ کو ناگوار گزری۔
"شمع باجی اسے زیادہ مظلوم سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر اسے کوئی اعتراض ہے تو کہے میں نے کب منع کیا ہے؟" ہاجرہ تلخی سے بولی۔
"زبان سے منع کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے تمہارا رویہ ہی کافی ہے۔"
"خوف زدہ کرنے کے لیے......! کیا مطلب، میں اسے

ڈراتی ہوں؟" ہاجرہ نے انتہائی تیز لہجے میں شمع کی بات کی تصدیق چاہی۔

"تم جانتی ہو کہ اسے یہ خوف ہے کہ تم اسے چھوڑ دو گی۔" شمع نے کہا تو ہاجرہ کا قہقہہ بلند ہوا۔

"بس کردیں شمع باجی......بس کردیں۔" ہنستے ہوئے وہ بے حال ہوئی تو شمع حیران نظروں سے اس کو دیکھتی رہی۔

"جب چھوڑ کر جاسکتی تھی تب یہاں پڑی سڑتی مرتی رہی۔ اب کہاں جاؤں گی؟ عورت کی پناہ اس کے باپ کا گھر ہوتا ہے یا پھر شوہر کا۔ باپ کے گھر سے جب نکالی گئی تو شوہر کے گھر کو چھوڑ دینا میرے بس میں نہ رہا تھا۔" ہاجرہ کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔

"دیکھو ہاجرہ مان جاؤ کہ ضد تم نے بھی کی ہے۔" اس کی یاسیت بھری نگاہوں سے شمع کا دل پسیج گیا۔ نرم لہجے میں بولی۔

"مجھے رضا کی محبت نہیں چاہیے تھی اس کے باوجود میں رضا کے لیے اس انسان کے سامنے ڈٹ گئی تھی۔ جس کے سامنے کوئی آنکھ اٹھا کر ایک پل بھی کھڑا نہیں ہوسکتا تھا۔ شمع باجی مجھے محبت کے نام پر کسی کی غلامی نہیں چاہیے تھی۔ رضا مجھے محبت دیتا تو میں خوشی خوشی قبول کرلیتی لیکن اس نے اپنی محبت کو غلامی کا طوق پہنا کر چاہا کہ میں اسے اپنالوں، میں ایسا نہیں کرسکی تو ہاں میں نے ضد کی۔ نہیں پرواہ کی کہ اس ضد نے میری زندگی برباد کردی۔"

"ہاجرہ......" شمع بے انتہا حیران ہوئی۔

"جو محبت کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو اپنی محبت کا غلام سمجھ کر اس کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کردیتے ہیں۔ تم رضا کی محبت کو سمجھ ہی نہ سکی۔" شمع نے تاسف کا اظہار کیا۔

"چھوڑو باجی۔ جو محبت کرتے ہیں وہ حق بھی جتاتے ہیں۔ رضا شدید محبت کرنے کے باوجود مجھے قائل نہ کرسکا کہ میں بھی اس سے محبت کروں۔ میں نے زندگی میں وہ سمجھوتہ کیا جو میں کبھی بھی کرنا نہیں چاہتی تھی، ہر رشتے کی طرح محبت میں بھی سمجھوتا ہوتا ہے رضا کی محبت مجھے محبت میں بھی سمجھوتے کے لیے نہ قائل کرسکی اور اب وقت گزر گیا ہے یہ خوف دل سے نکال دیں کہ ہاجرہ اب کہیں بھاگ جائے گی۔" ہاجرہ نے ہنس کر اپنا ہی مذاق اڑایا۔ اس کی ہنسی میں ایسی تلخی تھی کہ شمع کا دل رونے لگا۔

"میں آج حسن سے بات کروں گی۔"

"میں پھر بھی کہوں گی ہاجرہ ایسا کوئی قدم نہ اٹھاؤ۔ حسن اسی خاندان کا ڈسا ہوا ہے، جن رشتوں نے اسے چوٹ پہنچائی تھی کیا وہاں وہ دوبارہ کوئی اور رشتہ جوڑے گا؟ کہیں وہ انکار کرکے تمہیں مزید کسی اذیت میں نہ مبتلا کردے۔" شمع نے اسے باز رکھنا چاہا۔

"ایسا نہیں ہوگا۔" ہاجرہ پُر یقین تھی، شمع خاموش ہوگئی کہ وہ اس سے زیادہ اعتراض کرنے کی حالت میں نہیں تھی۔ دو جوان بیٹیوں کی ماں تھی نہیں چاہتی تھی کہ بہن کے لیے اس کا خلوص اس کی بیٹیوں پر کوئی حرف لے آئے۔ کہیں ہاجرہ یہ نہ سمجھے کہ شمع کسی لالچ کی بنیاد پر اسے منع کررہی ہے۔ شمع کچھ دیر مزید سکندر ہاؤس رکی اور پھر واپس آگئی۔

آغا حویلی قدم رکھتے ہی راہ داری میں جمشید پر نظر پڑی، جھنجھلاہٹ اور غصیلے تیور کے ساتھ شمع کی جانب پیش قدمی کی تو وہ سہم کررک گئی۔



عبدالمعیز حسن کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے سکینزہ ان کے سامنے والے صوفہ پر بظاہر ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ عبدالمعیز نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا چہرے پر گہری سنجیدگی کی چھاپ اور جامد نگاہیں انہیں فکرمند کر گئیں۔ کتاب کو بند کرکے ایک طرف رکھا۔

"کیا بات ہے میری پگلی دھی کیوں خاموش ہے؟" عبدالمعیز کی آواز پر سکینزہ نے بنا حرکت کیے ترچھی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"کس سے باتیں کروں؟ آپ تو اسٹڈی میں بزی ہیں۔" سکینزہ نے منہ بسور کر کہا۔

"ایسا بھی بزی نہیں تھا کہ اپنی سکینزہ کی آواز نہ سن سکتا۔" عبدالمعیز حسن مسکرا کر بولے اور اگلے ہی پل پاس رکھے موبائل پر بجتی بیل کو دیکھا چہرے پر ایک مسکراہٹ ابھری جسے سکینزہ نے دیکھ کر لب بھینچے۔

"اب تو آپ ایسے ہی بزی ہوتے ہیں۔" سکینزہ کا بیزار لہجہ ان کی سماعت سے ٹکرایا تو انہوں نے کال اٹینڈ کیے بنا موبائل سائلنٹ پر لگادیا سکینزہ کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری اور اگلے پل وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر عبدالمعیز کے پاس آ بیٹھی۔

"کیا بات ہے؟" انہوں نے اپنے مخصوص دوستانہ لہجے میں پوچھا۔

"بور ہو رہی ہوں۔" سکینزہ نے ان کے کندھے پر سر رکھ کر بچوں کی طرح منہ بنا کر کہا تو وہ ہنس دیے۔

"اور بور کیوں ہو رہا ہے میرا بیٹا۔" عبدالمعیز شرارت سے بولے۔

"بور اس لیے ہو رہی ہوں کیوں کہ کچھ کرنے کا موڈ نہیں ہے۔" سکینزہ اسی بیزار انداز میں بولی۔

"تو کچھ کرنے کا موڈ بناتے ہیں پھر۔" عبدالمعیز حسن پُرجوش انداز میں بولے۔

"ابھی کال کس کی تھی ڈیڈ؟" عبدالمعیز کی بات کا جواب دینے سے پہلے ہی سکینزہ نے پوچھا کیوں کہ اس نے دیکھا کہ عبدالمعیز کے موبائل کی لائٹ آن ہو کر آف ہوئی جس کا مطلب تھا کہ کال پھر کی گئی تھی۔

"رضا کی۔" عبدالمعیز نے بتایا تو سکینزہ حیران ہوئی۔

"تو بات کرلیں۔ رضا انکل کیوں کال کر رہے ہیں؟" سکینزہ نے کہا تو عبدالمعیز نے فون کی اسکرین کی طرف دیکھا جہاں ایک بار پھر رضا کی کال آرہی تھی۔

"آپ ریسیو کریں میں تب تک چائے لاتی ہوں۔" وہ کہہ کر ان کے پاس سے اٹھ گئی۔ عبدالمعیز حسن نے اثبات میں سر ہلایا اور کال اٹینڈ کرکے موبائل کان سے لگالیا۔

"ہیلو۔ السلام علیکم۔ کیا حال ہیں یار؟" بشاش لہجے میں پوچھا گیا۔

"وعلیکم السلام۔ میں ہاجرہ بول رہی ہوں۔" سپاٹ لہجے نے عبدالمعیز حسن کو چونکا دیا۔

"ہاجرہ کیا حال ہے؟" کمرے سے باہر نکلتی سکینزہ تک ان کی آواز پہنچی تھی۔ لحہ بھر کو ٹھہری لیکن پھر کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"خیریت ہے؟"

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" ہاجرہ کی تمہید نے انہیں حیران کیا۔

"ہاں کہو ہاجرہ کیا بات ہے؟" عبدالمعیز حسن نے پوچھا۔

"وجاہت کو تو آپ کافی مہینوں سے جانتے ہیں۔" ہاجرہ کے لہجے میں خود بخود ایک جھجک آئی۔ سامنے سر جھکائے اپنی سوچوں میں گم رضا نے متعجب نظروں سے ہاجرہ کی بوکھلاہٹ کو ملاحظہ کیا۔

"ہاں جانتا ہوں۔ ماشاء اللہ بہت اچھا بیٹا ہے اور مجھے خوشی ہے تم اور رضا نے اس کی پرورش نہایت اچھے طریقے سے کی ہے۔" عبدالمعیز خوش مزاجی سے گویا ہوئے۔

"وجاہت بالکل ٹھیک ہے میں نے کہا تھا اسے کہ میرے گھر شفٹ ہو جائے لیکن وہ نہیں مانا اور پھر میں نے زیادہ اصرار نہیں کیا جانتا تھا کہ ایسی ماں کا بیٹا ہے جو ہمیشہ من مانی کرتی آئی ہے۔" عبدالمعیز حسن نے ہنس کر کہا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں۔ میری من مانیاں بس کپڑوں اور جوتوں کی حد تک ہی رہیں۔ زندگی کے فیصلوں میں میری کسی من مانی نے میرا ساتھ نہ دیا۔" ہاجرہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی اور کنکھیوں سے رضا کو دیکھا رضا کے چہرے پر آئی اذیت نے اسے سکون بخشا تھا۔

"تم بہت خوش قسمت ہو ہاجرہ کے تمہیں اس شخص کا ساتھ ملا جو تمہیں بے انتہا چاہتا ہے۔ کچھ میرے جیسے بھی ہیں جو محبت کو پائیدار کرکے بھی کھو دیتے ہیں۔" عبدالمعیز حسن کے لہجے کے دکھ پر ہاجرہ کی پیشانی کی سلوٹوں میں اضافہ ہوا۔

"کم ہمت انسان کی محبت کبھی بھی خوش قسمتی کے زمرے میں نہیں آتی۔" ہاجرہ مدہم آواز میں بولی اور رضا کو کمرے سے باہر جاتے دیکھا تو یک دم ہاجرہ کے اندر کڑواہٹ گھلنے لگی۔

"محبت کو کھونے کا احساس انسان کو بزدل اور کم ہمت بنا دیتا ہے محبت میں بزدلی کا طعنہ تو برداشت ہو جاتا ہے لیکن محبت کے کھونے کا دکھ نہیں برداشت ہوتا۔" عبدالمعیز حسن اپنے تجربے کی بنا کہا۔

"خیر...... یہ محبت ایک پرانا قصہ ہے میں نے ایک بات کہنے کے لیے کال کی تھی لیکن پہلے آپ وعدہ کریں کے آپ انکار نہیں کریں گے۔"

"ہاجرہ...... محبت کبھی بھی پرانا قصہ نہیں ہوتی۔ محبت کو اگر سمجھ لیا تو اس کا ہر روپ دیوانہ کر دینے والا ہوتا ہے۔" حسن کی باتوں نے ہاجرہ کو چونکایا۔

"آپ کی باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن اس وقت میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میرے وجاہت کے لیے مجھے آپ کی سکینزہ چاہیے۔" ہاجرہ کے الفاظ ان کی سماعت سے ٹکرائے تو یک دم ان کا دل بہت تیزی سے دھڑکا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو ہاجرہ؟"

"وہی جو آپ نے سنا۔" ہاجرہ ہولے سے ہنس دی۔

"تم مجھ سے میری محبت مانگ رہی ہو۔" گو کہ عبدالمعیز

بھی یہی چاہتے تھے لیکن ہاجرہ کی طرف سے اس بات نے انہیں پریشان کردیا تھا سکینزہ کے بناوہ زندگی کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ اسے کسی اور کو سونپ دینے کی بات نے انہیں مضطرب کردیا تھا۔

''وجاہت آپ کے سامنے ہے' مجھے اور رضا کو بھی جانتے ہیں۔ اگر آپ کا کہیں اور ارادہ نہیں تو کیوں نہ ہم اپنے تعلق کو اور گہرا کرلیں؟''

''ایسی بات نہیں ہاجرہ لیکن سکینزہ کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔'' عبدالمعیز بوکھلاہٹ کا شکار ہونے لگے۔

'سکینزہ کو لے کر پاکستان آئیں۔ اسے بھی اپنے رشتوں کے بارے میں پتا ہونا چاہیے۔ آپ سوچ لیں۔ میں انتظار کررہی ہوں۔'' ہاجرہ نے کہا۔

''ہاں ارادہ تو ہے۔ سکینزہ کی ویکیشنز شروع ہوں تو پھر پروگرام بناتے ہیں۔'' عبدالمعیز نے کہا۔

''ٹھیک ہے پھر وجاہت نے بھی آنا ہے' آپ دونوں بھی آجائیں۔ کچھ دن ساتھ گزاریں گے۔'' ہاجرہ نے کہا تو عبدالمعیز حسن سوچ میں پڑگئے۔

''ہاں میں سکینزہ سے بات کرکے پروگرام بتاتا ہوں۔'' عبدالمعیز نے کہا تو ہاجرہ نے پھر انتظار کا کہہ کر فون بند کردیا اور عبدالمعیز سوچ میں پڑگئے۔ یہ سچ ہے کہ وجاہت انہیں سکینزہ کے لیے بہت پسند تھا اور پاکستان جانے سے پہلے ان کا ارادہ بھی یہی تھا اس کے باوجود ہاجرہ کے باقاعدہ رشتہ مانگنے پر عبدالمعیز حسن کے دل کی حالت عجیب سی ہوگئی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ بات خوشی کی ہے یا نہیں۔ آغا فیملی کا حصہ ہونے کے باوجود وہ ہمیشہ سب سے متنفر ہی رہے وہ اصول اور ضدیں انہوں نے کبھی قبول نہیں کی تھیں جس کی بہت کڑی سزا ابھی وہ بھگت چکے تھے اور اکیلے پن کی صورت میں بھگت بھی رہے ہیں لیکن اتنے سالوں بعد انہیں ایک بہت بڑی تبدیلی بھی نظر آئی تھی۔

اگر یہی بات ہاجرہ پہلے کرتی تو عبدالمعیز حسن اسی وقت منع کردیتے لیکن اب حالات مختلف تھے اور سب سے بڑی بات کہ وہ وجاہت کو جاننے لگے تھے۔ ہاجرہ کی محبت سے بھی وہ واقف تھے وہ اس تسلی میں بھی تھے کہ ہاجرہ ان کی بیٹی کے لیے کبھی بھی روایتی ساس کا کردار ادا نہیں کرے گی۔ کیوں کہ ہاجرہ کا دل محبتوں سے گندھا ہوا ہے اور سب سے اہم بات کے وہ وجاہت کی دلچسپی سے بھی انجان نہیں تھے' ایک مدہم سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر نمودار ہوئی جوان کے دل کی تسلی کا ثبوت تھی۔

فون بند کرتے ہی ازلی اکڑ اور بے نیازی سے سر جھٹک کر وہ کمرے سے باہر نکلیں تو سامنے رضا وہیل چیئر کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاجرہ کچھ دیر دیکھتی رہی پھر آگے بڑھی اور موبائل رضا کی گود میں رکھا تو وہ چونک کر سیدھے ہوئے۔

''کیا کہا حسن نے؟'' بے اختیاری پر ہاجرہ مسکرائی۔

''سوچنے کا کہا ہے۔''

''ہوں......اچھا۔'' رضا نے مزید کوئی بات نہ کی اور وہیل چیئر کو حرکت دینے لگے۔ ہاجرہ چاہنے کے باوجود انہیں روک نہیں سکی۔

❀......❀......❀......❀

سکینزہ نہ جانے کیوں اس بات سے خوش نہیں ہورہی تھی کہ عبدالمعیز آغا فیملی سے دوبارہ رابطے بحال کررہے ہیں۔ جب سے اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ وجاہت اور سکینزہ ایک ہی خاندان کے ہیں سکینزہ کا اس کے ساتھ رویہ بدل گیا تھا۔ عبدالمعیز نے سکینزہ کو سارے حالات بتا رکھے تھے وہ یہ بھی جانتی تھی کہ آغا حکیم اللہ انہیں فجیعہ سے جدا کیوں کرنا چاہتے تھے' اسے ان سب میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

''ڈیڈ کیسے ان لوگوں کو معاف کرسکتے ہیں جنہوں نے انہیں ہمیشہ دکھ دیئے' کیسے یہ یقین آگیا ڈیڈ کو کہ وہ لوگ بدل گئے ہیں؟'' کپ میں چینی اور ٹی بیگ ڈالتے وہ گہری سوچوں میں گم تھی۔ چائے کے دونوں کپ ٹرے میں رکھے' ڈرائی فروٹ اور ٹی کیک پلیٹس میں رکھ کر کچن سے باہر نکلی تو گلاس ڈور کے پاس لہراتے سائے نے اسے چونکا دیا' ہاتھ میں ٹرے پکڑے وہ دروازے کی جانب بڑھی اور ایک دم دروازہ کھول دیا۔ دستک دیتا وجاہت کا ہاتھ وہیں رکا رہ گیا۔ وہ چونکا اور ایک دھیمی مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا' احمر کی معنی خیز کھانسی نے اسے مخجل کیا۔

''کیسی ہو کزن؟'' وجاہت نے شوخی سے پوچھا۔ سکینزہ بنا کوئی جواب دیے ایک طرف ہوئی تو دونوں اندر آگئے۔

''چائے کا بہت موڈ تھا۔ تم نے کیسے جانا؟'' احمر آگے بڑھا' سکینزہ دروازہ بند کرنے لگی تو وجاہت نے اس کے ہاتھ میں

پکڑی ٹرے سے ایک کپ اٹھا کر گھونٹ لیا۔ سکینزہ نے حیران کن نظروں سے اس کی بے تکلفی کو دیکھا۔ جب سے سارے حالات سامنے آئے تھے وجاہت خود بخود ہی عبدالمعیز اور سکینزہ کے سامنے بے تکلفی کا مظاہرہ کرنے لگا تھا۔ سکینزہ کو ویسے ہی تنگ کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا جیسے روا' عالیہ اور وردہ کو کیا کرتا تھا۔

"کیا ہوا...... منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" وجاہت نے اسے کے سنجیدہ تاثرات کو بڑی گہری نظروں سے دیکھا۔

"کچھ نہیں آپ چلیں' ڈیڈا اندر ہی ہیں' میں چائے لے کر آتی ہوں۔" سکینزہ نے مدہم لہجے میں کہا۔ احمر کمرے میں داخل ہوا تو سکینزہ نے دوبارہ کچن کا رخ کیا۔

"سنو۔" بے اختیار وجاہت نے اسے روکا۔ سکینزہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا تمہیں واقعی اس بات کی خوشی نہیں کہ ہم کزنز ہیں؟"

"اس میں ایسی خوشی کی کون سی بات ہے۔" سکینزہ گہری سنجیدگی سے کہا۔

"واقعی......؟" وجاہت حیران ہوا۔ سکینزہ منہ ٹیڑھا کر کے کندھے اچکاتے ہوئے وہاں سے اندر چلی گئی۔

"پھر میں کیوں اتنا خوش ہو رہا ہوں؟" وہ زیرلب بڑبڑایا اور کمرے میں داخل ہوگیا' عبدالمعیز نے پُر تپاک انداز میں اس کا استقبال کیا جس نے وجاہت کو خاصی حیرت میں مبتلا کیا۔ احمر نے بھی تشویش ناک نگاہوں سے اسے گھورا لیکن وہ ان کی بے وقت کی محبت کی وجہ سے انجان تھا اس لیے خاموش ہی رہا۔ خلاف توقع عبدالمعیز حسن کا موڈ بہت ہشاش بشاش تھا۔ سکینزہ چائے لے کر لائی کچھ دیر باتیں ہوتیں رہیں۔ سکینزہ زیادہ وقت خاموش رہی' سر جھکائے نظریں دونوں ہاتھوں میں دبوچے چائے کے کپ پر جمی رہیں' گاہے بگاہے وجاہت کی نگاہیں اس کے گرد طواف کرتیں' اسے محسوس ہوا کہ سکینزہ کسی بات پر الجھی ہوئی ہے۔ کسی گہری سوچ میں ہے۔ وجاہت نے دیکھا ایک دو بار سکینزہ کی نگاہیں عبدالمعیز حسن کی طرف اٹھیں اور اسے اس کی آنکھوں میں نمی کے ساتھ ساتھ کچھ بیزاریت بھی نظر آئی جس نے اسے پریشان کردیا۔ اگر احمر اور عبدالمعیز نہ ہوتے تو ضرور سکینزہ سے پوچھتا اور حتی الامکان کوشش کرتا کہ وہ اپنی الجھن اس سے کہہ دے۔

"ڈیڈ میں کھانا لگالوں؟" وجاہت کو محسوس ہوا جیسے وہ وہاں بیٹھنا نہیں چاہتی۔

"ہاں بیٹا۔ وجاہت اور احمر بھی تو کھائیں گے ناں؟" سکینزہ کو کہتے ہوئے عبدالمعیز نے وجاہت اور احمر کو باری باری دیکھ کر پوچھا۔ دونوں نے ایک ساتھ اثبات میں سر ہلایا تو وہ ہنسنے لگے۔

"نہیں انکل وہ ایکچولی۔"

"ہمیں بھوک لگی تھی تو ہم نے سوچا کھانا تو گھر کا ہی کھانا چاہیے۔" وجاہت نے احمر کی بات کاٹ کر شریر لہجے میں کہا تو احمر ہونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگا۔ وجاہت نے ایک نظر سکینزہ کے ناگوار چہرے کی طرف دیکھا۔

"اسے ضرور کوئی بات بری لگ رہی ہے۔" وجاہت نے سوچا۔ سکینزہ کچن میں چلی گئی اور وجاہت بار بار پہلو بدلنے لگا لیکن کوئی مناسب بہانہ نہیں مل رہا تھا کہ وہ کچن میں جاکر سکینزہ سے اس کی ناراضی کی وجہ جان سکتا۔ عبدالمعیز حسن خلاف معمول وجاہت کو کچھ زیادہ ہی اہمیت دے رہے تھے' احمر بھی ان کی گفتگو میں شامل تو تھا لیکن عبدالمعیز کی ساری توجہ وجاہت کی جانب ہی تھی۔

"کوئی بہت اعلیٰ قسم کی گڑبڑ چل رہی ہے۔" احمر نے مدہم آواز میں وجاہت سے کہا۔

"کیا ہوا؟" وجاہت نے اسے دیکھا۔

"انکل عبدالمعیز تجھ پر اتنے مہربان کیوں ہو رہے ہیں؟" احمر نے جو محسوس کیا اس سے پوچھا۔ وجاہت ان کے آج کے انداز سے خود بھی بہت حیران تھا' احمر کو کوئی جواب دینے کی بجائے عبدالمعیز کی طرف دیکھنے لگا۔

"انکل پانی چاہیے تھا۔" کافی دیر گزر گئی اور وجاہت کو اب یہی بہانہ سوجھا عبدالمعیز کو دیکھ کر بولا۔

"ہاں تو جاکر پی آؤ۔ شرم نہیں آئے گی انکل سے پانی منگواتے ہوئے۔" احمر نے انجانے میں اس کی مشکل آسان کردی تھی۔

"ہاں بیٹا اپنا ہی گھر ہے۔ جاؤ پی لو بلکہ ایسا کرنا سکینزہ سے کہنا کچھ ہلکا پھلکا کھانے کو بھی دے دے۔" عبدالمعیز نے کہا تو وجاہت نے احمر کو دیکھا۔

"تو بیٹھ کر سوچ کیوں مہربان ہیں' میں ذرا کچن کا ایک چکر لگا کر آؤں۔" وجاہت نے بہت آہستگی سے کہا تو احمر نے آنکھیں پھیلا کر اس کو دیکھا وجاہت نے آنکھ کا کونہ دبایا تو ایک

پل میں وہ سب سمجھ گیا۔ وجاہت اٹھ کر کمرے سے نکلا تو احمر اور عبدالمعیز ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

وجاہت کچن کی جانب بڑھا تو سامنے ہی سکینز ہ چپ چاپ کھڑی اسے نظر آئی' وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ وجاہت چند لمحے خاموشی سے یک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ نجانے کیوں بہت عام ہونے کے باوجود بہت کم وقت میں سکینزہ نے اس کی ساری توجہ سمیٹ لی تھی۔ اسے کھونے کے خوف نے اسے بے چین کر دیا تھا' اس کی معصومیت اور بھول پن اسے جکڑ رہا تھا۔ سکینزہ نے پلکیں جھپکیں تو وجاہت نے ہلکے سے کھانس کر اپنی آمد کی اطلاع دی۔ سکینزہ ایک دم چونکی اور سر گھما کر دیکھا۔ وجاہت دونوں باز و فولڈ کیے کھڑا تھا۔

''کن سوچوں میں گم ہو؟'' وجاہت نے ہاتھ سے پانی پینے کا اشارا کرتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔'' سکینزہ نے گلاس میں پانی ڈال کر اس کی جانب بڑھایا اور آہستگی سے بولی۔

''کسی بات پر پریشان ہو؟'' وجاہت نے کریدا۔

''تم جانتی ہو کہ تم مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔'' وجاہت ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے دوستانہ لہجے بولا۔ سکینزہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو بتاؤ کیا بات ہے؟ تم کسی بات پر الجھی ہوئی ہو۔'' وجاہت نے بہت گہری نگاہوں سے اس کے تاثرات جانچے تھے۔ سکینزہ بے تحاشا حیران ہوئی۔

''آپ کو کیسے پتا چلا؟''

''میں بہت ذہین ہوں ناں۔ سب پتا چل جاتا ہے۔'' وجاہت نے کالر جھاڑ کر شیخی بگھاری۔

''اچھا...... مسٹر انٹیلیجنٹ یہ بھی پتا لگالیں کہ کیوں اپ سیٹ ہوں۔'' سکینزہ نے اسے گھور کر کہا تو وجاہت نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔

''بتا دیا تو تم مانو گی نہیں۔'' وجاہت نے لب بھینچ کر مسکراہٹ دبائی۔

''کیوں نہیں مانوں گی؟ اگر سچ ہوا تو مان جاؤں گی۔'' سکینزہ فوراً بحث پر اتر آئی۔

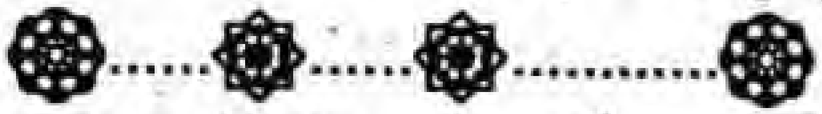
''سوچ لو۔'' وجاہت نے چیلنج کیا۔

''سوچ کر ہی کہا۔'' سکینزہ خود اعتمادی سے بولی۔

''ٹھیک ہے ابھی تو میں انکل کے پاس جا رہا ہوں' انہوں نے کہا تھا جلدی آنا۔'' وجاہت نے اس کے چہرے پر نظر جما کر کہا۔

''فارغ ہو کر کال کرتا ہوں یا پھر کل یونیورسٹی میں بات ہوگی' انکل نے کہا تھا کچھ کھانے کو دے دو۔'' وجاہت مزید بولا تو سکینزہ کے چہرے پر ابھرتے تاثرات نے اسے ثبوت دے دیا کہ اس کی پریشانی کی وجہ کیا ہے۔

''آپ چلیں میں لے کر آتی ہوں۔'' سکینزہ نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا اور رخ موڑ کر پلیٹ میں ڈرائی فروٹ سیٹ کرنے لگی۔ وجاہت کچھ پل وہاں کھڑا رہا اور پھر بنا کچھ کہے وہاں سے چلا گیا۔



وہ وہیں راہداری میں کھڑے ان کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگے۔ چہرے کی اڑتی ہوائیاں اور دھیمی رفتار ان کے خوف کو ظاہر کر رہے تھے۔ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے خاصے سنجیدہ انداز میں جمشید کی نگاہیں شمع پر جمی ہوئی تھیں۔

''کہاں گئی تھی؟'' قریب آنے پر جمشید کا غصیلا' شکوک و شبہات سے بھرا لہجہ شمع کی آدھی جان نکال گیا۔

''بولو...... کیا سانپ سونگھ گیا ہے' کس کے ساتھ تھی؟'' الفاظ تھے کہ دہکتے انگارے' اسے بھسم کرنے لگے۔ وہ سہمی ہوئی تھی' زبان تالو سے چپک گئی تھی۔

''و...... وہ...... وہ میں...... میں......'' شمع سے بولنا مشکل ہو گیا۔ دونوں ہاتھ جوڑے وہ رونے لگی۔

''شمع...... کیا ہوا؟''

''شمع؟'' اس نے جھنجوڑا۔

''میں ہاج...... ہاجرہ کے ساتھ تھی۔ آپ پوچھ لیں بے شک۔ قسم سے میں وہاں تھی۔''

''شمع۔ ہوش میں آؤ۔ کیا ہو گیا ہے؟'' اس غیر ہوتی حالت نے جمشید کو پریشان کر دیا۔

''وہ...... میں...... تو......'' پسینہ پسینہ ہوتے چہرے کو دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے شمع نے جمشید کی طرف دیکھا۔

''شمع...... میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ کیا ہو گیا ہے؟'' جمشید ایک لمحے میں جان گیا کہ شمع اس کے سابقہ رویوں سے ابھی تک خوف زدہ ہے۔ جمشید کے بدل جانے کے باوجود شمع اس کی طرف سے معمولی سی باز پرس پر بے تحاشا خوف زدہ ہو

جایا کرتی تھی۔ جمشید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ اپنی ہذیانی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے سامنے کھڑے بے حد پریشان ہوتے جمشید کو دیکھنے لگی۔

''آ......آپ کک......کیا کہہ رہے تھے۔'' شمع ابھی تک خواب کی سی کیفیت میں تھی۔

''ادھر آؤ۔ بیٹھو یہاں۔'' جمشید اسے ہمراہ لیے اندر بڑھے اور اسے صوفہ پر بیٹھایا۔

''میں نے کوئی شک نہیں کیا شمع' عام سے انداز میں پوچھا کہ کہاں گئی تھی۔'' جمشید کے لہجے کی ندامت پر شمع اپنے رویے پر شرمسار ہونے لگی۔ ہاجرہ نے اسے کال کی تھی اور وجاہت اور سکینزہ کے رشتے کے حوالے سے بات کرنا چاہتی تھی۔ جمشید گھر نہیں تھا اس لیے شمع بنا کوئی اطلاع دیے ہاجرہ کی طرف چلی گئی تھی۔ ماضی میں جمشید کے رویے اور الزام تراشی ایسے ہی معمولی باتوں پر ہوا کرتی تھی۔ آغا حویلی میں قدم رکھتے ہی سامنے جمشید کو دیکھا شمع نجانے کس خیال میں تھی جمشید کی موجودگی سے سہم گئی اور بوکھلاہٹ میں حواس کھو بیٹھی۔

''نہیں وہ میں......'' اپنی کیفیت پر اب وہ سر جھکائے جمشید کے سامنے بیٹھی تھی۔

''میں جانتا ہوں شمع کہ میں نے ہمیشہ بہت غلط رویہ رکھا تمہارے ساتھ۔ تمہیں بہت تکلیف دی اور بہت دل دکھایا ہے لیکن میرا یقین کرو میں اب بدل گیا ہوں' مجھے سمجھ آ گئی ہے کہ میں غلط تھا' بہت غلط۔'' آغا حکیم اللہ کی حالت کے بعد سے جمشید کے لہجے میں بہت فرق آ گیا تھا۔ شاید وہ اس بات سے ڈر گیا تھا کہ کل اگر اس کی نفرت کی سزا اسے اس صورت میں ملی تو اسے کون سنبھالے گا۔

''میں واقعی پچھتا رہا ہوں۔ تم کیوں نہیں یقین کر لیتی؟'' جمشید کے لب و لہجے میں سچائی تھی اور وہ جانتی تھی کہ پچھلے کچھ عرصے سے جمشید کے مزاج میں بھی نرمی آ گئی ہے لیکن وہ کیا کرتی اس کے دل سے وہ ڈر ختم ہو ہی نہیں رہا تھا جو شروع دنوں میں جمشید نے اس کے دل میں بیٹھا دیا تھا۔ شمع نے سہمی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''مجھے یقین ہے۔'' جمشید کے بدل جانے کے بعد آج بھی شمع اس کے سامنے کھل کر نہیں بول سکتی تھی' شمع نے مختصراً کہا۔

''تو پھر مجھ سے باتیں کیوں نہیں کرتیں؟'' جمشید نے آج سے پہلے کبھی یہ واضح نہ کیا تھا کہ وہ شمع سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہے۔ شمع نے بے حد متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

''کون سی باتیں؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''اپنی باتیں' میری باتیں' تمہارے دل کی باتیں' بچوں کے مستقبل کی باتیں' کتنی باتیں تو ہوتی ہیں۔'' وہ بول رہا تھا اور شمع آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کتنی بار بتا چکا ہوں کہ مجھ میں عورتوں والی خصلت نہیں ہے۔ ذرا ذرا باتیں بتا کر غلام بنانا بند کرو۔ تنگ آ گیا ہوں میں تمہیں سمجھا سمجھا کر۔'' وہ دھاڑا تھا اور شمع کانپ کر رہ گئی تھی۔

''تو میں اپنی باتیں کس سے کروں؟'' وہ ممنائی تھی۔

''جس سے مرضی ہے کرو لیکن اللہ کا واسطہ ہے میرا سر کھانا بند کرو۔'' ہاتھ جوڑے نفرت آمیز لہجے کی دھتکار نے شمع کی اداسیوں اور پریشانیوں کو اس کے اپنے دل کے تہہ خانے میں دفن کر دیا تھا۔ وہ دن اور آج کا دن شمع نے جمشید سے اپنے دل کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ اپنی کسی پریشانی کا ذکر کیا تھا نہ ہی کسی فکر کا تذکرہ۔

''شمع......'' وہ یک ٹک اس کی طرف دیکھ رہی تھی جب جمشید نے اسے پکارا۔

''میرے پاس کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔ سب کچھ تو ہے میرے پاس۔'' شمع اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے بولی۔

''تم ابھی تک مجھے نہیں سمجھ سکی ہو۔'' جمشید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔

''آپ کو سمجھ گئی ہوں جمشید۔ اب اپنے دل کو سمجھا رہی ہوں لیکن کم بخت سمجھ ہی نہیں رہا' اس محبت نے ایسا منہ پھیرا ہے کہ پلٹ ہی نہیں رہی۔'' شمع کی آواز جمشید تک نہ پہنچ سکی۔ وہ پُر امید نظروں سے اسے دیکھتا رہا لیکن وہ خاموش رہی۔

''تم ابھی تک مجھے معاف نہیں کر سکی ناں۔'' جمشید کے الفاظ پر شمع نے سر جھکا دیا۔

''آپ معافی مانگتے اچھے نہیں لگ رہے۔ میرے دل میں آپ کے لیے کوئی رنج یا شکایت نہیں ہے۔'' شمع نے مدہم مسکان چہرے پر سجا کر کہا۔ اسے اب واقعی کوئی دکھ نہیں تھا۔ اس کا یقین جیت گیا تھا اور اس سے بڑی خوشی کی بات اس کے لیے کوئی نہیں تھی۔

''اور محبت؟'' جمشید کے سوال نے اسے چونکایا۔ محبت کو حقیر سمجھنے والا' محبت کا گلہ گھونٹ کر اس کو مار دینے والا آج محبت

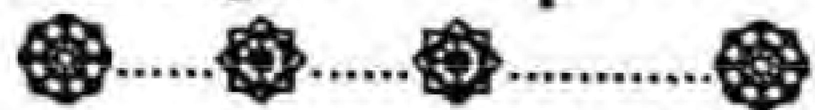
کے ہونے یا نہ ہونے کا ثبوت مانگ رہا تھا۔ وہ یاست سے اسے دیکھنے لگی۔

''محبت......؟'' شمع غائب دماغی سے زیرلب بولی۔

''یہ محبت ہی تو ہے جو میں آج تک آپ کے سامنے موجود ہوں۔'' شمع نے آہستگی سے کہا۔ جمشید کے دل و دماغ سے ایک بوجھ اترا تھا۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی' اس نے اپنے ہاتھ میں دبے شمع کے ہاتھ پر بہت محبت اور احترام سے بوسہ دیا۔ عمر کے اس حصے میں' جب اولاد جوان ہوگئی اور اس کے بالوں میں چاندی کے تار اترنے لگے ہیں شمع کے نصیب میں وہ محبت داخل ہونے لگی جو اس کا خواب تھی لیکن تاحال شمع کے دل میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی وہ بے حد حیرت میں مبتلا اپنے رب کا شکر ادا کرنے لگی تھی جس نے اس کے صبر اور یقین کا صلا اسے عطا کردیا تھا۔

''جو وقت گزر گیا وہ واپس لانا میرے بس میں نہیں ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ گزرے وقت کی کوئی تلخی' نفرت یا رنجش اب ہمارے درمیان نہیں آئے گی۔ تم جس دلجمعی سے میری زندگی کو سنوارنے' گھر بنانے میں اور اپنے والدین کی خدمت کرنے میں لگی ہو مجھے تمہارے ساتھ پر فخر ہے۔'' جمشید بولا تو بے اختیار شمع نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر سر ٹکادیا۔

اس کے دل میں جمشید کی محبت نے کوئی انتشار نہیں پھیلایا تھا لیکن وہ جمشید کی محبت کو ٹھکرا کر اپنے رب کی ناشکری نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اب محبت میں اس بے قراری کا موسم نہیں ہے جو دھڑکنوں کو منتشر اور دل کو بے چین کرکے چہرے پر قوس قزاح کے رنگ بکھیر دیتی ہے۔ اب محبت میں ٹھہر جانے کا وقت ہے اور وہ اب جمشید کے ساتھ اس ٹھہری ہوئی محبت کی چاشنی کو اپنے اندر اتارنے لگی تھی۔ جمشید کے پاس بہت سی باتیں باقی تھیں لیکن یہ وقت یقین کے مکمل ہونے کا تھا اور وہ خاموشی سے اس کے کندھے پر سر ٹکائے' آنکھیں موندے اس یقین کو جمشید کے سنگ بھرپور انداز میں جینے لگی تھی۔



عبدالمعیز حسن جب سے پاکستان سے لوٹے تھے ان کی طبیعت میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہورہی تھی' برسوں سے اپنوں کو فراموش کیے بیٹھے تھے اور جب ان سب سے ملاقات کا سبب بنا تو ان کے دل میں اطمینان بھی بھرنے لگا تھا۔ سکینزہ کی عدم اعتمادی اور اس کا اکیلا پن کے باعث ان کے اطمینان میں ایک خفیف سی اداسی بھی تھی' انہوں نے ردا' وردا اور عالیہ کو دیکھا تو انہیں یہ احساس ہونے لگا کہ سکینزہ کی تربیت میں ان سے کچھ کمی ضرور رہ گئی ہے۔ وہ اسے وہ اعتماد نہیں دے سکے جس کی وہ حق دار تھی۔ وہ جانتے تھے کہ یہی لوگ ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے وطن سے متنفر ہوئے تھے' انہی کی وجہ سے فجیعہ اور ان کے درمیان ایسے فاصلے آئے تھے جو مٹ نہ سکے لیکن اب وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وقت گزر گیا ہے' آج کے دور میں ہر انسان ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہونے کے باوجود اپنی زندگی خود اپنی مرضی سے گزار رہا ہے' اب دوسروں کی زندگیوں میں مداخلت کم ہوگئی ہے۔ جب ہاجرہ نے وجاہت کے رشتے کی بات کی تو عبدالمعیز کے دل میں کہیں' بہت گہرائی میں ایک سکون در آیا تھا' ایسے میں اگر وہ کوئی فیصلہ کرتے تو انہیں بھروسا تھا کہ وجاہت سکینزہ کو وہ مقام ضرور دلا سکے گا جو عبدالمعیز حسن فجیعہ کو بھی نہیں دلا سکے تھے۔ وجاہت اور احمر اپنی باتوں میں مگن تھے سکینزہ کھانا پکانے میں مصروف تھی' عبدالمعیز حسن خاموشی سے بیٹھے غیر محسوس طریقے سے وجاہت کو پرکھ رہے تھے۔

کچھ دیر تک کھانا کھا کر احمر کسی ضروری کام کے سلسلے میں چلا گیا جبکہ وجاہت عبدالمعیز کے پاس رک گیا تھا' عبدالمعیز حسن کسی کال میں مصروف ہوگئے تو وجاہت وہاں بیٹھا کسی سوچ میں گم رہا۔

''کیا بات ہے بیٹا کیا سوچ رہے ہو؟'' عبدالمعیز حسن کمرے میں آئے تو اسے گم صم بیٹھا دیکھ کر پوچھا' وہ انہیں کسی شش و پنج میں مبتلا لگا۔

''انکل...... آپ سے ایک بات کرنا تھی۔'' وجاہت نے جھجکتے ہوئے اجازت چاہی۔

''ہاں...... ہاں کیوں نہیں ضرور۔ بلا جھجک کہو۔'' عبدالمعیز کا سارا دھیان ہاجرہ کی' کی گئی بات کی طرف گیا۔ اس سے پہلے کہ وجاہت بات شروع کرتا سکینزہ کمرے میں داخل ہوئی۔

''سب خیریت ہے؟'' عبدالمعیز کو وجاہت کی بے چینی سے تشویش ہوئی۔ اس نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''انکل۔ مجھے دادی جان سے ملنا ہے۔'' وجاہت کی بات پر عبدالمعیز نے حیرت سے اسے دیکھا۔ سکینزہ نے چونک کر وجاہت کو دیکھا۔

''دادی جان؟'' وہ یقیناً نہیں سمجھے تھے وجاہت کس کے

بارے میں کہہ رہا ہے۔
"سکینزہ نے ذکر کیا تھا کہ دل بہار دادی کا رابطہ ہے آپ سے۔ انکل میں ان کو واپس لے جانا چاہتا ہوں۔ ان کو اب میرے اور بابا کے ساتھ رہنا چاہیے۔ میں جانتا ہوں انکل بابا کچھ کہتے نہیں ہیں لیکن وہ ان کو بہت یاد کرتے ہیں' وہ ان کو روک سکے نہ واپس بلا سکے لیکن انکل اب ہمارے گھروں میں جب سب ٹھیک ہونے لگا ہے تو دل بہار بانو کو بھی تو واپس آجانا چاہیے ناں؟" وجاہت فرط جذبات میں کہتے اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھا' عبدالمعیز حسن نے اثبات میں سر ہلایا اور مسکرا کر وجاہت کا ہاتھ پکڑا۔
"تمہاری سوچ اچھی ہے۔ بانو آپا سے میرا تو زیادہ رابطہ نہیں ہے لیکن سکینزہ کا ہے۔" انہوں نے سکینزہ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی انہیں حیران کرگئی۔
"میں نے ان سے ملنا ہے انکل۔" وجاہت کے لہجے میں التجاءدر آئی۔
"ہاں ٹھیک ہے ایک دو دن تک چلتے ہیں۔" عبدالمعیز کے یک دم راضی ہوجانے اور اس کی ہر ایک بات کو سراہنے پر سکینزہ کو غصہ آیا۔ وجاہت اچھی طرح سمجھ رہا تھا اور سکینزہ کے بدلے تیوروں کو بخوبی جان بھی رہا تھا۔ زیرلب اس کی مسکراہٹ سکینزہ کو بہت بری لگ رہی تھی۔ بنا کوئی بات کیے سکینزہ وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی وجاہت کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور عبدالمعیز کو تشویش لاحق۔
"سکینزہ کسی بات پر پریشان ہے۔" عبدالمعیز حسن نے فکر مندی سے کہا۔
"نہیں انکل کسی بات سے پریشان کیوں ہوگی؟ کچھ بھی ایسا ہوا تو نہیں۔" وجاہت نے انہیں تسلی دینی چاہی۔
"نہیں ہوا تو کچھ بھی نہیں لیکن میں دیکھ رہا ہوں اب اکثر اس کا موڈ خراب رہنے لگا ہے۔" عبدالمعیز بولے تو وجاہت نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔
"کیوں......ایسا کیوں؟" وجاہت نے پوچھا۔
"شاید اسے لگ رہا ہے میں اس سے دور ہورہا ہوں۔" وجاہت حیران ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ سکینزہ کو وجاہت کا عبدالمعیز کے ساتھ وقت گزارنا اچھا نہیں لگ رہا۔ دوسرے لفظوں میں وہ جلن محسوس کررہی تھی۔ وجاہت نے کئی بار سکینزہ کے چہرے پر جلن کے تاثرات دیکھے تھے اور اب اگر عبدالمعیز بھی محسوس کررہے تھے کہ سکینزہ کا رویہ کچھ تلخ ہونے لگا ہے تو اس کا مطلب تھا کہ جو وہ سمجھ رہا تھا وہ صحیح تھا۔
"کوئی بات نہیں انکل آپ پریشان نہ ہوں۔ جب آپ پاکستان چلیں گے تو سکینزہ سب سے ملے جلے گی تو اس کا اکیلا پن بھی دور ہوجائے گا اور اسے یہ احساس بھی نہیں ہوگا کہ آپ اس سے دور ہیں۔" وجاہت نے انہیں تسلی دی تو وہ دھیرے سے مسکرا دیے۔
"ان شاءاللہ۔" عبدالمعیز آہستگی سے بولے۔ وجاہت مزید کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد دل بہار بانو سے ملنے کا پروگرام طے کرکے اپنے گھر واپس جانے کے لیے کمرے سے باہر نکلا تو سامنے بیڈ رومز کی طرف جاتی سیڑھیوں میں سکینزہ کو بیٹھا دیکھا تو ٹھٹک کررک گیا۔
"کیا ہوا؟" سیڑھیوں کے پاس رکھے شوز ریک سے شوز پہنتے ہوئے وجاہت نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
"کچھ نہیں۔" وہ اسی نروٹھے لہجے میں بولی جس کے ساتھ کمرے سے نکلی تھی۔
"جیلسی ہورہی ہے کیا؟" مسکراہٹ دباتے ہوئے وجاہت نے سوال کیا۔
"کس سے؟"
"یہی کہ انکل عبدالمعیز کی مجھ سے زیادہ دوستی ہوگئی ہے اور وہ اپنی باتیں مجھ سے زیادہ شیئر کرنے لگے ہیں۔" وجاہت نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔
"مجھے جلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" سکینزہ تنک مزاجی سے بولی۔
"تو پھر موڈ کیوں بگڑا ہوا ہے؟" وجاہت نے اس کے چہرے پر نگاہ جما کر پوچھا۔
"میں نے پہلے ہی کہا تھا میرے اور ڈیڈ کے درمیان نہیں آؤ۔"
"تو اس کا مطلب ہے جل رہی ہو؟" وہ شرارت سے بولا۔
"جی نہیں۔" سکینزہ تیزی سے بولی اور وجاہت کی ہنسی پر قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔
"پھر کیا ہوا؟"
"کچھ نہیں ہوا۔ آپ جائیں جہاں جارہے تھے۔" سکینزہ یک دم اٹھی اور سیڑھیاں چڑھ گئی۔ وجاہت کے ذرا

جھک کر اوپر دیکھا اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا لیکن سکینزہ کے ایسے برتاؤ نے اسے سرشار کردیا تھا۔



"کیا مطلب امی؟" جو کچھ ہاجرہ نے کہا وجاہت کو اپنی سماعت پر دھوکے کا گمان ہوا۔

"وہی مطلب جو تم سمجھے ہو۔" اس کے بار بار پوچھنے پر ہاجرہ نے اب قدرے غصے سے کہا۔

"لیکن امی انکل عبدالمعیز سے بات کرنے سے پہلے ایک بار مجھ سے تو پوچھ لیتیں۔" وجاہت کو رضا کی جانب سے ملی تنبیہ پر ایک مشکل کا سامنا تھا۔ وہ ان سے تفصیلی بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ ہاجرہ اتنی جلد بازی کا مظاہرہ کریں گی۔

"تم سے کیا پوچھتی...... کیا تم کہیں اور شادی کرنا چاہتے ہو؟" وجاہت کی بوکھلاہٹ پر ہاجرہ نے پوچھا۔

"آپ نے بابا سے بات کی؟" ان کے سوال کا جواب دینے کے بجائے وجاہت نے رضا سے مشاورت کی بابت پوچھا۔

"بتایا تھا۔" ہاجرہ کے انتہائی مختصراً جواب پر وجاہت سمجھ گیا کہ یہ سراسر ہاجرہ کا اپنا فیصلہ ہے۔

"تو انکل عبدالمعیز سے بات کرنے سے پہلے مجھ سے بھی پوچھ لیتیں۔" وجاہت کو رضا کی ناراضی نے اس خبر پر خوش ہونے ہی نہیں دیا۔ اب اگر وہ انکار کرتا تو ہاجرہ بھی خفا اور اس کو خود بھی چین نہیں آنا تھا اور اگر بنا رضا سکندر سے کوئی بات کیے ہاں کرتا تو ان کی ناراضی۔

"کیوں کیا تم کہیں اور شادی کرنا چاہتے ہو؟" ہاجرہ نے پھر پوچھا۔

"امی اتنے اہم فیصلے پر سوچنے کا موقع تو ملنا چاہیے ناں۔ ویسے انکل نے کیا جواب دیا؟" وجاہت اب عبدالمعیز حسن کے رویے کے بارے میں غور کرنے لگا تھا تو اسے اندازہ ہوا تھا کہ ان کا جواب ہاں میں ہی ہوگا لیکن پھر بھی اس نے ہاجرہ سے پوچھا۔

"حسن نے کہا کہ وہ سکینزہ سے پوچھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ وقت مانگا ہے۔" ہاجرہ نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔ وجاہت کی جانب سے بار بار اس سے پہلے پوچھنے کی بات نے انہیں کسی سوچ میں مبتلا کردیا تھا۔

"اچھا۔" وجاہت فقط اتنا ہی کہہ سکا۔

چند مزید ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ہاجرہ نے کال منقطع کردی۔ وجاہت خوش ہونے کی بجائے پریشان ہوا اور ہاجرہ ایک الجھن کا شکار ہوگئی تھیں۔

"بابا مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" وجاہت گھر پہنچا تو ابھی تک احمر کی واپسی نہیں ہوئی تھی اس نے رضا سکندر کو کال ملائی۔

"ہاں کہو بیٹا خیریت تو ہے؟" رضا مسکراتے لہجے میں گویا ہوئے۔

"بابا یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" وجاہت قدرے زچ ہوتے ہوئے بولا۔

"کیا ہوا؟"

"امی نے انکل عبدالمعیز سے بات کی اور مجھ سے پوچھا نہ آپ سے کوئی مشورہ کیا؟ آپ مجھے منع کررہے ہیں اور امی نے کوئی مشورہ کیے بنا انکل سے رشتے کی بھی بات کردی۔ اب مجھے بتائیں میں کیا کروں؟" وجاہت اچھا خاصا جھنجلاہٹ کا شکار تھا۔

"تم کیوں پریشان ہورہے ہو؟" رضا واقعی حیران ہوئے۔

"بابا کوئی بھی انسان آپ سے بڑھ کر تو نہیں ناں۔ میں آپ کو ناراض کرکے سکینزہ کو نہیں اپنا سکتا۔" وجاہت نے وہی کہا جو وہ سوچ رہا تھا۔

"تم اس سے محبت کرتے ہو۔" رضا نے اسے بتایا۔

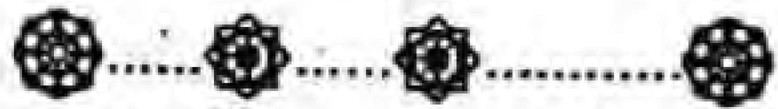
"بابا اس سے ملے ایک سال ہوا ہے اور آپ میری زندگی ہیں اگر آپ خوش نہیں تو میں......" وجاہت بولتے ہوئے رک کر رکا۔

"تو میں...... اس محبت سے دستبردار ہوجاؤں گا اور ویسے بھی ہمارے درمیان کون سا ایسے عہد و پیمان بندھے ہیں کہ......"

"اچھا...... اچھا۔" رضا جانتے تھے کہ وجاہت جو کہہ رہا ہے محض ان کی خوشی کے لیے کہہ رہا ہے اور ان کے لیے یہ بات قابل فخر تھی کہ ان کا بیٹا ان کی خوشی کے لیے اپنی محبت کو داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہے۔

"بیٹا تمہیں اپنی محبت سے دستبردار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ تمہاری ہے اور تمہاری ہی رہے گی۔" رضا نے فیصلہ

کن انداز میں کہا۔
"لیکن بابا آپ نے تو......"
"میں نے جو کہا تھا بھول جاؤ۔ جو تمہاری امی کرنے جا رہی ہیں وہ ایک بہتر فیصلہ ہے اور میں چاہوں گا کہ تم اپنی ماں کا ساتھ دو۔" وجاہت نے دل ہی دل میں 'یاہو' کا نعرہ لگایا۔
"سچ کہہ رہے ہیں بابا...... آپ خوش ہیں؟" وجاہت کو ابھی بھی تسلی نہیں ہوئی تو ان کی رضامندی کی تصدیق چاہی۔
"ہاں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"
"پھر آپ نے کیوں منع کیا تھا بابا؟"
"میں نے منع نہیں کیا تھا بیٹا' میں صرف یہ چاہتا تھا کہ تم کوئی بھی فیصلہ جذبات میں آ کر نہ کرو۔ تم نے واپس پاکستان ہی آنا ہے۔ سکینزہ وہاں کی پلی بڑھی لڑکی ہے اس کے لیے اس ماحول کو اپنانا کافی مشکل ہوسکتا ہے' ہمارے پاس ویسی آسائشیں نہیں ہیں بیٹا اور ایک ایسی لڑکی جس نے کوئی تنگی نہ دیکھی ہو اس کے لیے ایک بالکل الگ ماحول میں اپنے آپ کو ڈھالنا کوئی آسان کام نہیں' مجھے یہ فکر تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو حسن کی طرح تمہیں بھی اپنوں کو چھوڑنے کا فیصلہ کرنا پڑا تو ایسے میں تمہاری ماں تم سے جدائی سہہ نہ سکے گی۔" رضا سکندر نے وہی سب کہا جو وہ سوچ رہے تھے۔ ان کی بات سنتے ہی وجاہت کو اپنی خوشی ماند پڑتی محسوس ہوئی۔
"ہاں بابا مشکل تو ہوتی ہے۔" وجاہت بہت مدہم آواز میں بولا۔
"بس اسی لیے کہا تھا۔ ہاجرہ نے حسن سے بات کی ہے اس نے وقت مانگا ہے' مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن میں پھر بھی کہوں گا بیٹا کہ اچھی طرح سوچ لو۔ سکینزہ کو اعتماد میں لو اگر وہ پاکستان رہ سکتی ہے تو گھر کی بچی ہے مجھے خوشی ہوگی لیکن اگر اس کی وجہ سے ہمیں تم سے دور رہنا پڑے تو......" رضا نے جان بوجھ کر بات کو ادھورا چھوڑا تو وجاہت سوچ میں پڑ گیا' چند لمحے پہلے والی خوشی کہیں غائب ہوتی محسوس ہوئی۔
"جی بابا آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وجاہت اب فکرمند ہوگیا تھا اور سکینزہ کے کچھ روز سے بدلے رویے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگا۔
"بہرحال تم پریشان نہ ہو۔ ابھی تو حسن نے کوئی جواب نہیں دیا' آگے کے سارے حالات اب اس کے جواب پر منحصر ہے' اگر ان کی طرف سے ہاں میں جواب ملا تو یہ ساری باتیں تو ہوں گیں' ایسے ہی بات پکی نہیں ہوگی۔" رضا نے اسے تسلی دی لیکن اس کا دل وسوسوں کی زد میں آ گیا تھا۔
"ٹھیک ہے بابا پھر سارے معاملات آپ ہی سنبھال لیں۔ جو آپ بہتر سمجھیں ویسا کریں۔" وجاہت نے ان پہلوؤں پر اتنی سنجیدگی سے اب تک غور نہیں کیا تھا' جب رضا نے ذکر چھیڑا تو وہ فکرمند ہوگیا اور فیصلے کا مکمل اختیار رضا اور ہاجرہ کو دے کر خود خاموشی اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اب جب تک کوئی بات فائنل نہیں ہو جاتی وہ سکینزہ سے اظہار محبت نہیں کرے گا اس فیصلے پر اس کے دل نے ساتھ تو نہ دیا لیکن وہ ڈٹ جانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔



پھر ایسا ہوتا رہا کہ وقتاً فوقتاً وہ انجان' کچھ دیوانے پاگل بابا اسے کہیں نہ کہیں نظر آتے رہے' شازی کو کافی حد تک ان سے انسیت ہوگئی تھی' کبھی وہ کچھ آوازیں دیتے' کبھی کھوجتی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے' شازی بازار جاتا تو جب کہیں وہ نظر آتے تو گھڑی دو گھڑی ان کے پاس رک جاتا' ان کی آنکھیں بہت عجیب سی تھیں' یوں لگتا ہر وقت ان آنکھوں میں جھلملاتے پانیوں میں کوئی دکھ ہے' کوئی پچھتاوا یا کوئی کرب' ان کی گہری سرخ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کچھ خوف بھی محسوس ہوتا تھا۔
"بابا آپ کہاں کے ہو؟" شازی نے ایک روز انہیں بغور دیکھ کر پوچھا۔
"میں......؟" غائب دماغی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ تو شازی نے اثبات میں سر ہلایا۔
"میں کہیں کا بھی نہیں رہا۔" کہتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ شازی گھبرا گیا۔
"کیا ہوا بابا...... کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟" شازی انہیں لیے دائیں بائیں چلتے لوگوں کے ہجوم سے قدرے فاصلے پر لے آیا۔
"کس نے...... وہ ادھر ہی ہے کیا؟" کبھی ان کی باتوں سے لگتا کہ وہ ہوش وحواس میں ہیں تو کبھی وہ ایسی دیوانوں جیسی باتیں کرتے' ایسی غائب دماغی طاری ہوتی کہ دیکھنے والے کو خوف محسوس ہونے لگتا۔
"کون بابا؟" ان کی بے ربط گفتگو' ادھر ادھر دیکھتی نگاہیں شازی الجھن کا شکار ہونے لگا۔
"وہی جو ابھی یہاں...... نہیں وہاں پر...... نہیں اس

درخت کے پیچھے۔" وہ شازی کو وہیں چھوڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتے لوگوں کے ہجوم میں کسی کو تلاش کرنے لگتے۔

"بابا آپ ادھر آئیں۔" شازی کو ان کا ذہنی توازن شدید انتشار کا شکار لگا۔ وہ ان کے پیچھے لپکا اور ان کا ہاتھ پکڑے سکندر ہاؤس کی طرف چل پڑا۔

"جہاں جارہے ہیں وہ وہاں ہے کیا؟" اس کے ساتھ چلتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔ شازی نے ان کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔

"پھر کیوں جارہے ہیں؟" ان بابا نے اس سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے ناگواری سے پوچھا اور ایک بار پھر ان راستوں پر چلتے لوگوں کو دیکھنے لگے۔

"بابا کون گم ہوگیا ہے؟" شازی نے پوچھا لیکن وہ اب اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ آج پہلی بار اس کا ردعمل ایسا تھا کہ شازی کو ان کے بارے میں جاننے کی خواہش ہوئی۔

"بابا آپ کہاں رہتے ہیں؟" شازی ایک بار پھر ان تک پہنچا۔

"یہاں تو وہ کہیں بھی نہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر انتہائی دلبرداشتہ لہجے میں بولے۔

"جو بھی گم ہوا ہے مل جائے گا بابا آپ چلیں میرے ساتھ۔" شازی ان کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے چل پڑا اب کی بار وہ چپ چاپ اس کے ساتھ چلتے رہے۔

"میرا کوئی گھر نہیں۔ میں کہاں جاؤں گا؟" چلتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"میرے ساتھ چلیں بابا۔" شازی نے کہا تو وہ پھر چپ ہوگئے۔ شازی ان کو لیے ہوئے سکندر ہاؤس آگیا تھا۔

"روا باجی۔" اسے سامنے ہی روا نظر آئی جو شاید رضا کے پاس تھی۔ روا نے حیرت سے اس کے ساتھ کسی کو دیکھ کر سوالیہ نظروں سے شازی کو دیکھا۔

"یہ کون ہے شازی؟" وہ بابا ادھر ادھر دیکھ رہے تھے جیسے کچھ تلاش کررہے ہوں۔

"باجی یہ کوئی درویش ہیں شاید کافی دنوں سے بازار میں گھوم رہے تھے آج میں انہیں اپنے ساتھ لے آیا ہوں یہ میرے کمرے میں رہ لیں گے۔ شاید ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔" شازی تیزی سے کچن کی طرف بڑھا اور ان کے لیے پانی لے آیا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھکانے پر ہے؟ یوں ہی کسی کو اٹھا کر گھر لے آئے...... میرے کمرے میں رہ لیں گے۔" روا اسے ڈانٹتے ہوئے اس کی نقل اتارتے ہوئے بولی۔

"روا باجی دیکھیں ان کی حالت۔" شازی نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو روا نے ہونقوں کی طرح کھڑے اس شخص کو دیکھا۔

"یہ اس قابل نہیں باجی کہ کوئی ڈاکہ ڈال سکیں۔" شازی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں ان کے سامنے ڈاکہ ڈالنے کا نام لو تا کہ یہ چوکنے ہو جائیں۔" روا کو تسلی نہ ہوئی۔

"کیا بات ہے؟" اتنی دیر میں رضا سکندر بھی وہاں آگئے تھے۔ "کون ہیں یہ؟" رضا نے اس شخص کو دیکھتے ہوئے شازی سے پوچھا۔ رضا کی آواز سنتے ہی وہ شخص جو سکندر ہاؤس کو کھوجتی نظروں سے دیکھ رہا تھا یک دم رضا کی طرف دیکھنے لگا۔

"پتا نہیں بابا۔ شازی ہی ان کو لے کر آیا ہے۔" روا رضا کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی۔

"کوئی فقیر ہیں؟" رضا نے بھی بغور ان کی طرف دیکھا۔ وہ بہت خاموشی سے بابا رضا کے پاس نیچے بیٹھتے ہوئے ان کی زانو پر پڑی چادر پر ہاتھ رکھ کر رضا کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔ شازی ایک دم آگے بڑھا۔

"بابا...... اٹھیں یہاں سے۔" شازی ایک دم گھبرا گیا۔ رضا نے اسے ہاتھ سے منع کیا۔ اس شخص نے رضا کی زانو کو سہلا کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"شازی ان کے لیے کھانا لے کر آؤ۔" رضا یک ٹک ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کوئی شناسائی نہیں تھی لیکن ان کے ہاتھ کے لمس نے رضا کو چونکایا ضرور تھا۔

"فقیر نہیں ہوں۔ بھوک بھی نہیں لگی۔" وہ شخص رضا کے پاس نیچے التی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

"شازی دوسری کرسی لے کر آؤ۔" رضا نے وہیل چیئر سے ہی جھک کر دونوں شانوں سے پکڑ کر انہیں اٹھایا اور شازی کو کرسی لانے کو کہا۔

"آپ کون ہیں...... کہاں سے آئے ہیں؟" رضا نے اس سے پوچھا۔

"میں وہ ڈھونڈ رہا تھا ملا نہیں...... یہ مجھے یہاں لے

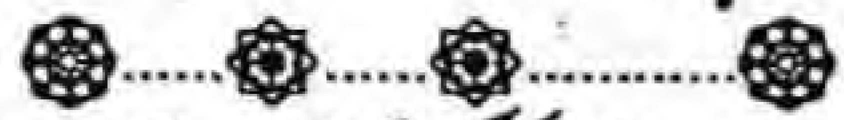
آیا...... مجھے یہاں نہیں آنا تھا۔ وہاں ہی جاتا ہوں وہ وہیں ہے۔ میں نے اسے وہیں چھوڑا تھا۔" اپنے بارے میں کچھ بھی بتائے بناوہ بے ربط انداز میں بولے اور کرسی پر بیٹھنے کے بجائے پیر گھسیٹتے باہر کی جانب بڑھ گئے۔

"کس کو ڈھونڈ رہے تھے؟" رضا نے قدرے اونچی آواز میں پوچھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور دونوں ہاتھوں سے 'پتا نہیں' کا اشارا کرتے ہوئے سکندر ہاؤس سے باہر نکل گئے۔

"کون ہیں یہ؟" اس کے جاتے ہی رضا نے شازی سے پوچھا۔

"میں زیادہ نہیں جانتا' بازار میں پھرتے رہتے ہیں' کسی کو تلاش کرتے رہتے ہیں لیکن بتاتے نہیں۔" شازی نے بتایا تو رضا حیران ہوئے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد بھی جب اس شخص سے کوئی شناسائی نہ سمجھ میں آئی تو سر جھٹک کر واپس اپنے کمرے کی جانب بڑھ گے۔

"جب بھی نظر آیا کریں خیال رکھا کرو۔ کھانے پینے کا پوچھ لیا کرو اور ان سے پوچھنا اگر کوئی ٹھکانہ نہیں تو یہاں لے آنا۔" جاتے ہوئے رضا رکے اور شازی کو خاص تاکید کی اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔



بہت سارے دن ایک کشمکش کی نظر ہوگئے اور عبدالمعیز حسن ہاجرہ کو کوئی جواب دے سکے نہ ہی سکینزہ سے اس بارے میں کوئی بات کر سکے۔ ادھر ہاجرہ مسلسل انتظار میں پیچ وتاب کھا رہی تھی اور ادھر حسن کسی فیصلے پر پہنچنے کے باوجود اپنی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکال پارہے تھے جو دونوں طرف ایک نئے رشتے کی بنیاد رکھ پاتا۔

"حسن کو ایسی بے اعتباری نہیں ہونی چاہیے۔" ہاجرہ اپنی اکڑ میں جتلا انہیں دوبارہ کال نہ کرسکی۔

"اس میں بے اعتباری کی بات نہیں ہے یہ بھی تو سوچو درمیان میں کتنے فاصلے ہیں۔" رضا کے سامنے ہاجرہ کی تلخیاں ایک بار پھر جاری وساری ہوئیں۔

"کون سے فاصلے؟ حسن نے واپس آکر فاصلوں کو مٹا تو دیا ہے۔ اب کیا ہم ایسے گئے گزرے ہیں کہ حسن ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر پائے۔" ہاجرہ تنک مزاجی سے گویا ہوئیں۔

"اس نے انکار کر بھی دیا تو ہمارے وجاہت کے لیے لڑکیوں کی کمی تو نہیں۔ تم کس بات پر الجھ رہی ہو؟" رضا نے ہاجرہ کے جھنجلائے انداز کو گہری نظروں سے دیکھا۔ وہ جانتے تھے کہ اسے یہ الجھن ستا رہی ہے کہ کہیں حسن انکار ہی نہ کردے اور اس دیر کا مطلب انہیں خود ہی سمجھنے کا اشارہ دے رہے ہیں۔

"وہ انکار ہی کیوں کریں؟" ہاجرہ جارحانہ انداز میں گویا ہوئیں۔

"حسن کے پاس انکار کا پورا اختیار ہے۔" رضا کی مسکراہٹ پر ہاجرہ تلملا کر رہ گئیں۔

"اور سکینزہ اس کی اکلوتی بیٹی ہے۔ جن لوگوں کی وجہ سے اس کی اپنی زندگی تنہائیوں کی نظر ہوگئی ان سے وہ کیوں کر رشتہ جوڑے گا؟ اور اگر جوڑے گا بھی تو اسے کچھ وقت تو درکار ہوگا ہی۔" رضا کا پُرسکون انداز ہاجرہ کو مزید طیش دلانے لگا۔

"ہاں میرے گھر تو جیسے بیٹوں کی ایک لمبی لائن لگی ہے۔ رضا سکندر صاحب میرا ابھی ایک ہی بیٹا ہے۔" ہاجرہ نے ہاتھ لہرا کر کہا تو رضا نے ایک نظر انہیں دیکھا۔

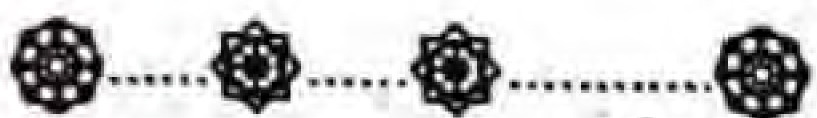
"تو تمہیں بھی حسن سے بات کرنے سے پہلے یہ تسلی تو کر لینی چاہیے تھی کہ وہ لڑکی تمہارے ایک ہی بیٹے کے قابل بھی ہے یا نہیں۔" رضا کے لہجے میں ایک طنز در آیا جسے ہاجرہ نے بخوبی محسوس کیا۔

"ہاں تو میں یہی تو کہہ رہی ہوں کہ جب میں نے بنا کسی جانچ پڑتال کے رشتہ مانگ لیا صرف یہ سوچ کر کہ سکینزہ حسن کی بیٹی ہے اچھی ہی ہوگی تو حسن کو کیا تسلی چاہیے؟"

"اس خاندان نے حسن کو بہت نقصان پہنچایا ہے ہاجرہ۔ اب اس کا حق ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لیے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے۔" رضا انتہائی سنجیدگی سے بولے۔

"یہ نقصان حسن نے خود اپنی قسمت میں لکھوایا تھا' نقصان تو سکینزہ کی ماں نے بھی پہنچایا لیکن میں نے بنا کسی حساب کتاب کے ایک نئے رشتے کی بنیاد رکھی۔" ہاجرہ کی باتوں نے رضا کو گنگ کردیا۔

"تمہیں ایک بار پھر ماضی میں جھانکنے کی ضرورت ہے ہاجرہ تاکہ جان سکو کہ کس نے کس کو نقصان پہنچایا۔" رضا نے ہاجرہ کی طرف دیکھ کر بے حد سپاٹ لہجے میں کہا تو ہاجرہ ایک دم سکتے میں آگئی۔ ہاجرہ کے کچھ کہنے سے پہلے رضا وہیل چیئر کے وہیلز کو گھماتے وہاں سے نکل گئے اور ہاجرہ مٹھیاں بھینچے وہیں بیٹھی رہ گئیں۔



عبدالمعیز حسن ڈرائنگ روم میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے نگاہیں ٹی وی اسکرین پر جمائے ہوئے تھے لیکن وہ جانتی تھی کہ کوئی بات انہیں بہت پریشان کیے ہوئے ہے کچھ دیر سکینزہ انہیں دیکھتی رہی پھر ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی سوچوں میں اتنے محو تھے کہ سکینزہ کے پاس بیٹھنے پر بھی نہ چونکے۔

''ڈیڈ'' اس نے انہیں پکارا۔

''جی بیٹا کیا بات ہے؟'' اس کی پکار پر وہ ایک دم بولے۔

''کیا بات ہے ڈیڈ آپ پریشان ہیں؟'' سکینزہ کے متفکرانہ انداز پر انہوں نے اسے دیکھا۔

''نہیں تو...... پریشان کیوں ہوں گا؟''

''ڈیڈ...... جیسے آپ میرے ایکسپریشنز سے سمجھ جاتے ہیں کہ میں کسی بات پر پریشان ہوں ایسے ہی میں بھی سمجھ جاتی ہوں۔ میں بڑی ہوگئی ہوں ڈیڈ اب آپ اپنی الجھنیں مجھ سے چھپا نہیں سکتے۔'' سکینزہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم بڑی ہوگئی ہو اسی بات پر تو پریشان ہوں بیٹا۔ کاش تم چھوٹی ہی رہتی۔ مجھے یہ خیال پریشان تو نہ کرتا کہ تمہیں اب رخصت بھی کرنا ہے۔'' عبدالمعیز حسن ایک اداس مسکان کے ساتھ بولے۔

''میں بڑی ہوگئی اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے رخصت کردیں۔'' سکینزہ منہ بسور کر بولی۔ ''اور میں کبھی بھی آپ کو چھوڑ کر کہیں بھی نہیں جاؤں گی۔'' سکینزہ اپنی بات پر زور دے کر بولی تو عبدالمعیز مسکرانے لگے۔

''ہر بیٹی کو اگلے گھر جانا تو پڑتا ہے۔'' انہوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''ہم اس روایت کو بدل دیتے ہیں ڈیڈ۔ میں کہیں بھی نہیں جاتی۔''

''یہ صرف روایت نہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ بیٹا ہو یا بیٹی اس کے گھر کو بسانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنا پڑتا ہے۔'' عبدالمعیز حسن نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو سکینزہ نے سر جھکا دیا۔

''لیکن میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔'' سکینزہ اپنی بات پر ڈٹی رہی تو انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''ہاجرہ نے وجاہت کے لیے تمہارا رشتہ مانگا ہے۔'' سکینزہ کا دل یکبارگی دھڑکا۔ ایک خوب صورت سے احساس نے اس کے دل پر دستک دی لیکن اگلے ہی پل اس کے دل و دماغ پر نفرت کی ایک لہر اس قدر حاوی ہوئی کہ اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''آپ نے کیا کہا؟'' اس نے بہت مدہم آواز میں ان سے پوچھا۔

''ابھی تک انہیں تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن میرا دل وجاہت کے لیے اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ وہ تمہارے لیے ایک اچھا ساتھی ثابت ہوگا۔'' عبدالمعیز کے فیصلے پر اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''جن لوگوں کی وجہ سے آپ کو مام کو چھوڑنا پڑا ان کے لیے آپ کا دل کیسے یہ گواہی دے سکتا ہے کہ وہ آپ کی بیٹی کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کریں گے؟'' سکینزہ ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھتے ہوئے قدرے تلخ لہجے میں بولی تو عبدالمعیز حسن نے بے حد حیرانی سے اسے دیکھا۔

''سکینزہ......! کیا بات ہے بیٹا...... میری سکینزہ کے دل میں اتنی تلخی کہاں سے آگئی؟'' انہوں نے آنکھیں پھیلائے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بہت نرم لہجے میں پوچھا ہاتھ مروڑتے ہوئے سکینزہ لب بھینچ کر سر جھکا گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس تلخی کی وجہ کیا ہے لیکن وہ کیسے اقرار کرسکتی تھی؟ کیسے سب پر واضح کرسکتی تھی کہ وجاہت کا عبدالمعیز کے قریب آنا اسے عبدالمعیز سے دوری کا احساس دلانے لگا ہے۔ وجاہت کی چند شرارتیں عبدالمعیز حسن کے حوالے سے اسے یہ کہتا کہ وہ اس سے دوستی کررہے ہیں وجاہت کے حق میں بہت برا ثابت ہونے لگا تھا۔

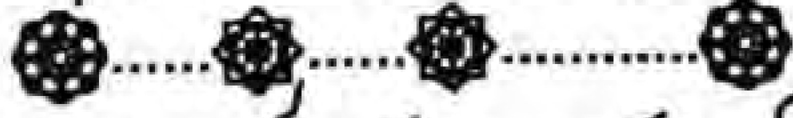
''کیا بات ہے سکینزہ؟'' اس کی خاموشی پر وہ حقیقتاً پریشان ہوئے تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''بولو بیٹا۔ اگر تمہیں اس بات کی تسلی نہیں تو میں کوئی فیصلہ نہیں لوں گا۔'' عبدالمعیز نے فکرمندی سے کہا۔

''ڈیڈ ہاجرہ آنٹی لوگوں نے جو کچھ کیا اس کے بعد میں......'' سکینزہ کو اب سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیسے کچھ کہے۔ وہ انکار نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن جس طرح وجاہت نے عبدالمعیز کے ساتھ ایک رشتہ جوڑ کر عبدالمعیز کی توجہ حاصل کی تھی سکینزہ سے وہ برداشت نہیں ہورہا تھا۔ عبدالمعیز کی محبت ان کی توجہ کی وہ اکیلی حق دار تھی۔ جب کوئی اور درمیان میں آکر وہ حق بانٹنے لگے تو ایسے میں جلن ایک فطری عمل ہے۔

''کیا صرف یہی بات ہے؟'' اس کی بات نے عبدالمعیز

کو ایک تسلی دی تو وہ تصدیق کرنے لگے۔
"ڈیڈ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ مجھے اعتبار نہیں اور ڈیڈ اپنی سکینزہ کے لیے آپ کیسے وجاہت یا اس کی فیملی پر اعتبار کرسکتے ہیں؟" وہ انہیں گھورتے ہوئے ان کے چہرے پر جھلکتی پریشانی پر فکرمند ہوتے ہوئے مطمئن لہجے میں بولی' سکینزہ یہ بھی نہ جانتی تھی کہ وجاہت کے دل میں کیا ہے' ذرا سے رابطے کے بعد وہ یہ تو سمجھ گئی تھی کہ وجاہت سب کو ایسے ہی تنگ کرتا رہتا ہے' وہ جان گئی تھی کہ وجاہت ایک ملنسار اور ہنس مکھ شخص ہے لیکن اس کے لیے وجاہت کے دل میں کیا ہے وہ انجان تھی۔ جب تک اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وجاہت کیسی طبیعت کا مالک ہے اس کی باتوں اور نگاہوں میں اسے کسی اور احساس کو شائبہ ہوتا تھا لیکن اب وہ کشمکش و پیچ میں مبتلا تھی۔
"دیکھو بیٹا۔ اس فیصلے میں کہیں نہ کہیں میرا بھی تو قصور تھا میں نے بھی تو وہ ہمت نہ دیکھائی جس کا دعویٰ دار تھا' پھر لوگوں نے اس کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور سارا نقصان میرے حصے میں آیا۔ وہ وقت اب گزر گیا ہے بیٹا' اب اس کو کیا دہرانا؟" عبدالمعیز حسن سکینزہ کی طرف دیکھ کر بولے۔
"میرا فیصلہ وجاہت کے حق میں اس لیے ہے کہ مجھے وہ ایک مضبوط کردار کا لڑکا لگتا ہے' مجھے لگتا ہے وہ میری جھلی دھی کو سنبھال لے گا کوئی ناانصافی نہیں ہونے دے گا۔" عبدالمعیز کے یقین پر سکینزہ نے انہیں دیکھا۔
"ڈیڈ اور اگر ایسا نہ ہوا تو؟" سکینزہ فکرمند سے کہا۔
"میرے لیے کوئی لڑنے والا نہیں تھا اب میں ہوں اور میں اپنی سکینزہ کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہونے دوں گا۔" عبدالمعیز حسن مضبوط لہجے میں بولے۔
"آپ مجھے اس سب کے لیے کنوینس (قائل) کررہے ہیں؟ ماضی میں کی گئی اس خاندان کی ناانصافیوں کو بھول کر ایک نئے رشتے کو جوڑنے کا کہہ رہے ہیں؟" سکینزہ کے سوال پر عبدالمعیز لحہ بھر کو چونکے اور پھر اثبات میں سر ہلادیا۔
"تمہارا دل نہیں مان رہا کیا؟" انہوں نے سکینزہ کے پُر سوچ چہرے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
"کیسے دل مان سکتا ہے ڈیڈ...... میں نے مام کو روتے دیکھا تھا۔ کچھ یاد نہیں لیکن ان کا تکلیف سے کراہنا اور چھپ چھپ کر رونا بھولتا ہی نہیں۔" سکینزہ ایک ایسے دوہرائے پر آکھڑی ہوئی تھی جہاں وجاہت کے لیے فیصلہ اس کے حق میں بھی تھا اور اس کے خلاف بھی۔
"وہ وقت یاد رکھوگی تو کبھی کوئی فیصلہ کر ہی نہیں کرسکوگی۔" عبدالمعیز حسن نے دل پر پتھر رکھ کر اپنے لہجے کو پُرسکون رکھتے ہوئے کہا' اگر وہ اس لمحے اداسیوں کی سرحد پر قدم رکھ دیتے تو سکینزہ جو پہلے ہی آغا فیملی سے بدظن تھی مزید نفرتیں اسے گھیر لیتیں اور عبدالمعیز ایسا قطعی نہیں چاہتے تھے۔
"تم نے مجھے فیصلے کا اختیار دیا تھا ناں؟" عبدالمعیز نے اس سے پوچھا تو سکینزہ نے اثبات میں سر ہلایا۔
"تمام نفرتوں' تلخیوں اور دوریوں کو مٹا کر میں وجاہت کو تمہارے لیے منتخب کرتا ہوں۔ اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ میرے اور فجیعہ کے حصے کی ساری خوشیاں تمہارے مقدر میں لکھ دیں اور اس بھروسے کے ساتھ کہ تم مجھے مایوس نہیں کروگی۔" اس کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لے کر عبدالمعیز حسن نے پچھلے بہت سارے دنوں کا بوجھ اتار دیا تھا۔ اپنی زبان سے وہ الفاظ ادا کردیے تھے جن کو کہتے ہوئے ان کا دل کانپ جاتا تھا۔
"میں آپ کے ساتھ ہوں ڈیڈ۔" سکینزہ کی آنکھوں سے آنسو نکلے اور ان کی ہتھیلیوں میں جذب ہوگئے۔ عبدالمعیز حسن نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔
"آپ بے شک کوئی بھی فیصلہ کریں ڈیڈ میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔" سکینزہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور ایک دم ان کے پاس سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔
"میری جھلی دھی۔" عبدالمعیز نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن آنکھوں میں جمع پانی نے ان کی کوشش کو ناکام کردیا تھا۔



وجاہت سکینزہ کے رویے پر ایک الجھن میں مبتلا ہوگیا تھا' سکینزہ نے آغا خاندان سے اپنی نفرت کا اظہار بہت پہلے کردیا تھا جسے وجاہت نے خاطر خواہ کوئی اہمیت نہیں دی تھی لیکن جب سے سارے تعلق سامنے آئے تو وجاہت نے سکینزہ کے رویے میں ایک واضح تبدیلی محسوس کی تھی' وہ سکینزہ جو وقتاً فوقتاً اب وجاہت سے بہت سی باتیں کرلیا کرتی تھی اب اس کو مسلسل نظر انداز کررہی تھی' اس کے لب و لہجے کی نرمی اور دوستانہ انداز ناپید ہوگیا تھا اور یہی بات وجاہت کو الجھن میں مبتلا کررہی تھی۔ وہ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ سکینزہ اس کے جذبات سے

انجان نہیں ہے لیکن اس کے رویے نے اسے یہ باور کرادیا تھا کہ وہ تو اس محبت کے بارے میں کچھ جانتی ہی نہیں ہے، جس نے وجاہت کی راتوں کی نیند اور دن کا چین چھین لیا تھا۔

رضا کی نامنظوری کے بعد ان کی رضامندی اور پھر بنا کسی حیل وحجت کے ہاجرہ کا خود ہی اس رشتے کے لیے کہنا اسے اپنی قسمت پر رشک آنے لگا تھا لیکن سکینزہ کی سرد مہری نے اس کی ساری خوشی کو ملیامیٹ کردیا تھا۔ اب وہ اس رشتے کو ایک نام دینے کا انتظار کررہا تھا۔ عبدالمعیز حسن نے شفیق اور آسیہ سے صلاح مشورے کے بعد سکینزہ کے لیے وجاہت کے رشتے کو فائنل کردیا تھا۔ اب انہیں ہاجرہ اور رضا کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا تھا۔ اپنے طور فیصلہ کرنے کے بعد بھی دو دن گزر گئے تھے اور عبدالمعیز حسن ابھی تک ہاجرہ کو اپنے فیصلے کے متعلق کوئی اطلاع نہ دے سکے تھے یا شاید وہ چاہتے تھے کہ ہاجرہ خود ان سے بات کرے۔ ان کے موبائل پر آئی وجاہت کی کال نے انہیں چونکا دیا تھا۔

"السلام علیکم انکل۔" فون آن ہوتے ہی وجاہت کی آواز پر انہوں نے گہری سانس خارج کرکے اپنے آپ کو مطمئن کیا۔

"وعلیکم السلام...... کیا حال ہیں بیٹا؟" عبدالمعیز حسن نے خاصے بشاش لہجے میں پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں انکل' آپ کیسے ہیں؟" دونوں کے درمیان رسمی سلام دعا ہونے لگی' وجاہت کی پڑھائی' جاب اور دیگر مصروفیات کے بارے میں پوچھتے رہے۔

"بیٹا...... آپ سے ملاقات ہوسکتی ہے ناں؟"

"جی ہاں انکل کیوں نہیں میں نے بھی ملنے کے لیے ہی کال کی تھی آپ نے کہا تھا کہ دل بہار وادی کی طرف بھی جانا ہے تو......؟" وجاہت بطور خاص ملاقات کا کہنے پر کچھ چونکا تو لیکن اپنی حیرت کا اظہار نہ کیا۔

"ہاں ایسا کرتے ہیں' بانو آپا کی طرف ہی چلتے ہیں اور راستے میں باتیں بھی ہوتیں رہیں گی۔" عبدالمعیز حسن نے پروگرام سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے انکل جیسے آپ کو بہتر لگے۔"

"اچھا میں بانو آپا کو بتا دیتا ہوں پھر دیکھتے ہیں کون سے دن وہ فارغ ہوں گیں تو پھر چلتے ہیں۔" دونوں میں پروگرام طے ہوگیا۔

وجاہت چاہ کر بھی سکینزہ سے کوئی رابطہ نہیں کرسکا اپنے طور پر اس کی مرضی نہ معلوم کرسکا اس کے رویے کی وجہ سے وجاہت کے دل میں بیزاری گھر کرنے لگی تھی۔

"اب ایسا بھی کیا غرور سکینزہ عبدالمعیز کے دو بل بات بھی گوارہ نہیں۔" وہ من ہی من بڑبڑایا۔ اس کے لیے خوش آئند بات یہ تھی کہ عبدالمعیز کا اس کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ تھا' اسے ہاجرہ کی طرف سے جو فکر تھی وہ بھی معجزانہ طور پر خوشی میں بدل گئی' رضا نے بھی جو اعتراض اٹھایا تھا وہ بھی اب اس رشتے پر خوش تھے۔ یعنی کے سارے حالات اس کے حق میں بہتر جارہے تھے اور ایسے میں سکینزہ کو قائل کرنا اسے مشکل تو نہیں لگ رہا تھا لیکن ایک ہلکی سی انا نے اس کا راستہ روکا لیا تھا۔ اسے اپنی شخصیت پر اتنا مان ضرور تھا کہ سکینزہ جیسی چھوٹی موئی لڑکی کو اپنی توجہ اور محبت سے چند دنوں میں ہی اپنے حصار میں مقید کرلیتا لیکن وجاہت سکندر کوئی ایسی معمولی ہستی نہیں اسے اپنا رعب قائم رکھنا تھا۔ وجاہت مسکراتی نگاہیں ایک غیر مرئی نقطے پر جمائے دل ہی دل میں سکینزہ سے مخاطب تھا۔ احمر کی آمد اور اس کی مشکوک نظریں وجاہت اپنے خیالوں میں اس قدر محو تھا کہ کچھ اس کی آمد سے بے خبر ہی رہا۔

"اففف ظالما مار دیا۔" لہراتا ہوا کشن اس کے سر پر لگا جس نے اس کے چودہ طبق روشن کردیے تو بے اختیار وہ چلایا۔

"نہ مجھے بتایہ تو کہاں کا نواب زادہ بن گیا ہے کہ کھانے پکانے کا کوئی نام ہی نہیں لیتا اور کھانا کھانے میں سب سے پہلے ٹپک پڑتا ہے؟" احمر نے کچن میں جھانک کر دانت پیستے ہوئے کہا۔

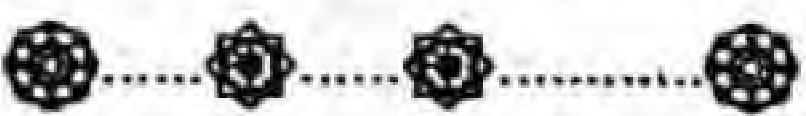
"کچھ دن میرے لاڈ اٹھالے گا تو تیرا ہی فائدہ ہے' کچھ وزن ہی کم ہوجائے گا۔" وجاہت نے سر سہلاتے ہوئے منہ بسور کر اس کے ان دنوں بڑھتے وزن کی طرف متوجہ کیا۔

"مجھے شوق نہیں ہے گدھوں کو اٹھا کر وزن کم کرنے کا۔" احمر نے قہر آلود نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا تو وجاہت کا قہقہہ بلند ہوا۔

"ویسے کن سوچوں میں گم ہو کہ کھانے' پکانے' کا بھی ہوش نہیں۔" احمر کچن میں رکھے چاکلیٹ مفن اٹھالایا اور اس کے برابر بیٹھتے ہوئے تیکھی نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"خیال تو ایک ہے جس میں مگن ہوکر ہوش کھو بیٹھتا ہوں۔" وجاہت نے مفن پیکٹ سے مفن اٹھاتے ہوئے منہ

میں رکھا اور دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
"اچھا...... تو معاملہ آگے بڑھا کہ ابھی تک تمہارے خیالوں میں ہی ہے؟"
"بس دو قدم کے فاصلے پر ہے۔" وجاہت کے ذو معنی انداز پر احمر چونکا۔
"کیا مطلب......؟"
"مطلب یہ کہ امی نے انکل عبدالمعیز سے رشتے کی بات کرلی ہے۔" وجاہت مسکراتے ہوئے اسے بتانے لگا۔
"کیا......؟" وہ چلایا۔
"تیرے سر کی قسم مجھے بھی بعد میں پتا چلا۔ نہ مجھ سے کوئی مشورہ کیا نہ اطلاع دی۔" وجاہت کہہ تو سچ ہی رہا تھا لیکن بات ہی ایسی تھی کہ احمر مسلسل مشکوک نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔
"میرے سر کی قسم نہ کھاؤ پہلے ہی وزن بڑھ گیا ہے۔" احمر نے منکا تانا تو وجاہت پھر ہنس دیا۔
"اور کیا جواب دیا انکل عبدالمعیز نے؟" احمر نے پوچھا۔
"سوچنے کے لیے وقت مانگا ہے۔" وجاہت نے کہا تو احمر ابرو اچکا کر اسے دیکھنے لگا۔
"دل ہے کہ مانتا نہیں۔" احمر نے بے یقین انداز میں کہا۔
"نہ مان لیکن سچ یہی ہے۔"
"ویسے انکل عبدالمعیز تو بہت ایمپریس ہیں تم سے پھر......؟"
"ہیں تو سہی لیکن یار...... ایسے فیصلے اتنی جلدی نہیں ہوتے۔" وجاہت نے شاید خود کو تسلی دی' دانستہ اس نے سکینز ہ کی سرد مہری کا ذکر نہیں کیا تھا۔
"ہاں یہ تو ہے۔ اچھا یار میں تو جارہا ہوں برگر لینے تم نے کھانا ہے تو بتادو بہت بھوک لگ رہی ہے۔" احمر نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"ہاں لے آنا۔" وجاہت نے کہا تو احمر برگر لینے کے لیے باہر نکل گیا۔ وجاہت وہیں بیٹھا اپنے موبائل اسکرین کو دیکھ رہا تھا جانے کیا سوجھی کہ سکینزہ کے نام پر کلک کردیا۔ مسلسل بیل جارہی تھی اور وجاہت اسکرین دیکھ رہا تھا۔
"ہیلو۔" سکینز ہ کی آواز ائیر پیس میں ابھری تو وجاہت نے یک دم موبائل کان کے ساتھ لگایا۔
"کہاں غائب ہو کزن؟" وجاہت نے شکایت کی۔
"کہیں نہیں...... ادھر ہی ہوں۔" اس کی مدہم آواز سے اس کی بیزاری پر وجاہت حیران ہوا۔
"کیا ہوا طبیعت ٹھیک ہے ناں؟" وجاہت نے اپنے مخصوص دوستانہ انداز میں پوچھا۔
"ہاں بس ایسے ہی سردی کا اثر...... کیسے کال کی؟" سکینز ہ اب کافی پُر اعتماد ہوئی۔
"ایسے ہی کافی دن سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تو میں نے سوچا خیریت معلوم کرلینی چاہیے۔" وجاہت شوخی سے بولا۔
"ہاں سب خیریت ہے بس ایسے ہی کچھ مصروف رہی تو رابطہ نہیں کرسکی۔" خلاف معمول سکینزہ کی جانب سے اس کے شکوے پر کوئی احتجاج نہیں کیا گیا جس پر وجاہت کو اس کی طرف سے کسی گڑبڑ کا اندیشہ ہوا۔
"کہ ایسی کیا مصروفیت رہی؟" وجاہت جان بوجھ کر سوال کرنے لگا تاکہ اس کے موڈ کا اندازہ لگا سکے۔
"کچھ خاص نہیں بس یونیورسٹی اور ڈیڈ کے کام۔" سکینز ہ اسی بے دلی سے بولی۔
"میں آپ کو خود کال کرنے کا سوچ رہی تھی۔" سکینز ہ نے کہا تو وجاہت کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوا۔
"کیوں......! خیریت؟" نجانے کیوں دونوں کے درمیان ایک جھجک در آئی تھی۔
"بات کرنی تھی۔" حسب معمول سکینزہ نہایت مختصر بات کررہی تھی لیکن اس کا انداز اور لب ولہجہ ایسا تھا کہ وجاہت کسی قسم کی کوئی شوخی نہ دکھا سکا۔
"کیا بات؟" وجاہت کو تجسس ہوا۔
"ہیلو۔" سکینز ہ کی گہری خاموشی پر وجاہت نے حیرت سے کہا۔
"ایک دو دن تک بات ہوگی۔" سکینز ہ نے مزید کچھ بھی نہ کہا اور فون بند کردیا تو وجاہت کا دل زور سے دھڑک کررہ گیا۔ اس کی چھٹی حس کسی الجھن کا اشارہ دینے لگی تو وہ مزید وسوسوں میں گھرنے لگا تھا۔



عبدالمعیز حسن کا دل بہار بانو سے رابطہ ہوا تو انہیں وجاہت کے متعلق تفصیلاً آگاہ کردیا گیا۔ دل بہار بانو شاید جھکنے لگی تھی وجاہت کے متعلق سن کر اس سے ملنے کے لیے مچلنے لگیں اور اگلے ہی دن ملاقات کا وقت مقرر کرلیا گیا۔ عبدالمعیز حسن نے وجاہت کو دل بہار بانو سے ملاقات کے متعلق بتایا۔

"کیسا عجیب خیال ہے کہ ایک بیٹا اپنے باپ کو تحفے میں اس کی ماں دے رہا ہے۔" وجاہت مسکرایا۔ وہ اپنے آپ کو خوش قسمت ترین لڑکا تصور کرنے لگا جس کے دل کی ہر ایک خواہش ایسے پوری ہوتی نظر آ رہی تھی۔ سکینزہ کے رویے کی الجھن تو تھی لیکن اسے اپنی محبت پر بھی یقین تھا کہ وہ سکینزہ کو قائل کرلے گا۔ عبدالمعیز حسن کے ساتھ وجاہت لیڈز دل بہار بانو سے ملاقات کے لیے روانہ ہوگیا تھا۔ خوب صورت نظارے اور بادلوں سے بھرا نیلا آسمان موسم کی دلکشی میں اضافہ کر رہا تھا' سیاست اور دیگر موضوع زیر بحث رہے لیکن پچھلے دس منٹس سے کار میں مکمل خاموشی تھی' عبدالمعیز حسن نے ایک دو دفعہ سر گھما کر وجاہت کو دیکھا وہ موبائل پر مصروفیت کے باعث متوجہ نہیں تھا لیکن جانتا تھا کہ انہوں نے اسے دیکھا ہے۔

"گھر رابطہ ہوا سب ٹھیک ہیں؟" عبدالمعیز نے ایک بار پھر باتوں کا آغاز کیا۔

"نہیں انکل دو دن سے تو کوئی خاص رابطہ نہیں ہوا' بس رضا سے میسج پر ہی خیریت معلوم ہوتی رہی ہے۔" وجاہت نے یک دم موبائل جیب میں رکھا۔

"ہوں..... اچھا۔" وہ کچھ دیر رک کے وجاہت کو وہ کسی سوچ میں لگے۔

"آپ کا کسی سے رابطہ ہوا کیا؟"

"ہاں چاچا حکیم اللہ کی وجہ سے جمشید بھائی سے تو رابطہ ہے لیکن رضا سے کوئی رابطہ نہیں ہوا بہت دنوں سے۔" عبدالمعیز حسن نے بتایا۔

"کیا رضا اور ہاجرہ نے تم سے کوئی بات کی ہے؟" وہ وجاہت سے پوچھنے لگے تو ایک لمحے کے لیے وہ گڑبڑا گیا سمجھ نہ سکا کہ اسے کیا کہنا چاہیے۔

"کون سی بات انکل؟" وجاہت نے ان سے تصدیق چاہیے۔ ڈرائیونگ کرتے عبدالمعیز حسن نے ایک نظر اسے دیکھا تو یک دم ہی وہ سر جھکا گیا۔

"جی انکل بات کی تھی۔" وجاہت کو جواب دینا ہی پڑا۔

"وجاہت بیٹا تم جانتے ہو کہ یہ جاننے سے پہلے کہ تم ہاجرہ اور رضا کے بیٹے ہو میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں' اس پسندیدگی کی وجہ ہمارا ہم مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ تمہاری سعادت مندی' سچائی اور نیک نیتی بھی ہے۔" عبدالمعیز ٹھہرے ہوئے گمبھیر لہجے میں گویا ہوئے۔

"جی انکل میں جانتا ہوں مجھے بھی آپ اسی لیے زیادہ اچھے لگتے ہیں کہ آپ کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہمارے درمیان عمر کا فرق کتنا ہے۔" وجاہت بولا تو وہ دھیرے سے مسکرائے۔

"میں تمہیں اپنا دوست سمجھتے ہوئے تم سے ایک اعتبار لوں گا اور چاہوں گا کہ پوری ایمان داری سے مجھے یقین دلاؤ کہ وہ اعتبار کبھی ٹوٹے گا نہیں۔" عبدالمعیز بہت ہلکے پھلکے انداز میں گویا تھے۔

"انکل میں اس قابل تو نہیں لیکن میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کو کبھی بھی مایوس نہیں کروں۔" وجاہت کی بوکھلاہٹ پر وہ دھیرے سے مسکرائے۔

"ہاجرہ نے وجاہت کے لیے سکینزہ کا ساتھ مانگا ہے۔" عبدالمعیز حسن نے کہنا شروع کیا تو وجاہت نے پہلو بدلا۔ اس کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔

"وجاہت کو بہت پسند کرنے کے باوجود میرے لیے فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔" عبدالمعیز حسن کی بات پر وجاہت کو لگا اس کا سانس رک رہا ہے۔ یک ٹک وہ انہیں دیکھنے لگا۔

"تم جانتے ہو میری سکینزہ نے بہت دکھ دیکھے ہیں' بہت چھوٹی سی عمر میں اس نے اپنی ماں کو مرتے دیکھ لیا تھا' میری توڑ پھوڑ نے اسے مزید تنہا کردیا' یہ میرے خوف تھے جو میں نے اس کی ذات میں منتقل کردیے اور اب وہ مجھے چھوڑ سکتی ہے نہ کسی اور پر اعتبار کر پا رہی ہے۔ اپنے خوف اور ڈر کے زیر اثر میں نے اسے بتایا تھا کہ باہر کی دنیا بہت ڈراونی ہے' لوگ دھوکا دیتے ہیں' میں نے اپنے بہت سارے ڈر کو اس کے دل و دماغ میں نافذ کردیا ہے۔" عبدالمعیز حسن کے لہجے میں دکھ' درد' پچھتاوا سب کچھ ایک ساتھ نمایاں ہوئے تھے۔ وجاہت بے حد حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"میری سکینزہ کو بھرے ہوئے گھر بہت اچھے لگتے ہیں' اتنے ڈر اور خوف کے باوجود وہ محبت کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ میں نے وجاہت کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔" عبدالمعیز اس کی طرف دیکھے بنا بول رہے تھے' وجاہت نے ان کی طرف دیکھا یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وجاہت نے اسٹیرنگ وہیل پر رکھے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”کبھی بھی میری سکینزہ کو کوئی دکھ نہیں دینا۔“ ان کی بھاری آواز سکینزہ کے لیے ان کی پریشانی اور فکر کی بھرپور عکاسی کررہی تھی۔

”تم جانتے ہو سکینزہ میری محبت کی نشانی ہے اور میں اپنی محبت کی یہ نشانی تمہیں سونپ رہا ہوں جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ تم ہاجرہ کے بیٹے ہو۔ اس سے بڑھ کر تمہاری ضمانت کچھ نہیں۔“ عبدالمعیز حسن نے اپنے ہاتھ پر رکھے وجاہت کے ہاتھ کو پکڑ کو گویا وعدہ لینا چاہا۔ اپنی محبت کی خاطر وہ ہاجرہ کی محبت کو اپنا نہیں سکتے تھے لیکن ان کے دل میں آج بھی وہ محبت بہت قابل احترام تھی۔

”ا...... انکل...... میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کے اس یقین کو قائم رکھ سکوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں سب سنبھال لوں گا۔“ وجاہت نے پوری شدت سے اور ایمان داری سے ان سے وعدہ کیا لیکن نہ جانے کیوں اس کا دل لمحہ بھر کو پھڑپھڑایا تھا۔

”بہت شکریہ بیٹا۔ سکینزہ کی زندگی میں میری وجہ سے جو کمی رہ گئی ہے وہ اب تم پوری کرو گے۔ اس کا ایسے خیال رکھو گے کہ میں بھی نہیں رکھ سکا۔ اسے وہ اعتبار دو گے جو میں نہیں دے سکا۔“ عبدالمعیز حسن نے کہا تو وجاہت نے اثبات میں سرہلایا۔

”میری سکینزہ وہ خوشبو ہے بیٹا جو تمہاری زندگی کو مہکا دے گی بس اس کا ساتھ ہر حال میں دینا۔“ عبدالمعیز نرمی سے بولتے ہوئے اسے سکینزہ کی اچھائی کا یقین دلا رہے تھے۔

”انکل آپ بے فکر رہیں ان شاء اللہ سب بہتر ہوگا۔“ وجاہت نے انہیں یقین دلایا۔

”میں آج ہی ہاجرہ کو کال کرتا ہوں۔“ عبدالمعیز نے کہا تو وجاہت کے اندر اطمینان اترنے لگا۔

وہ دونوں اب لیڈز کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔ اس لیے اب موضوع گفتگو بھی کچھ وقفے کے بعد بدل گیا تھا۔ اگلے چالیس منٹ بعد وہ دل بہار بانو کے گھر میں ان کے سامنے بیٹھے تھے۔

”حسن مجھے یقین نہیں آرہا۔ دیکھو تو یوں لگ رہا ہے رضا ہی میرے سامنے آکھڑا ہوا ہو۔“ دل بہار بانو بھیگی پلکوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے وجاہت کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیتے ہوئے بولیں۔

”دادی جان اب آپ کو یہاں نہیں رہنے دوں گا۔ آپ اپنا سامان پیک کریں آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں۔“ وجاہت تحکم بھرے انداز میں بولا۔

”حسن دیکھو تو کیسے مجھ پر رعب جما رہا ہے۔“ دل بہار بانو حسن سے مخاطب ہوئیں جو ایک طرف خاموش بیٹھے دادی پوتے کے ملاپ کو دیکھ رہے تھے۔

”دیکھ رہا ہوں بانو آپا۔ کہہ تو ٹھیک رہا ہے میں اور سکینزہ بھی تو کب سے آپ سے کہہ رہے ہیں اب شاید آپ پوتے کی بات مان جائیں۔“ عبدالمعیز حسن نے ہنستے ہوئے شکوہ کیا۔

”بانو آپا......! انکل آپ ابھی تک دادی کو آپا ہی کہتے ہیں۔“

”حسن اور میرا رشتہ فجیعہ کی طرف سے ہے وہ مجھے آپا ہی کہتی تھی۔“ بانو آپا نے افسردہ لہجے میں کہا تو حسن بس ایک نظر ان کو دیکھ کر رہ گئے۔

”وہ تو چلی گئی لیکن اس کے بنایا ہوا رشتہ کوئی اور صورت نہ اختیار کرسکا۔“ بانو آپا مزید گویا ہوئیں۔

”سکینزہ کو کیوں نہیں ساتھ لائے؟“

”اس لیے کہ آپ ہمارے ساتھ چل رہی ہیں۔“ وجاہت نے شوخ لہجے میں کہا۔

”اگر میں تمہارے ساتھ چل پڑی تو سکینزہ مجھے زندہ چبا جائے گی۔“

”کیوں کیا آدم خور ہے وہ؟“ وجاہت نے آنکھیں پھیلا کر خوف زدہ صورت بنا کر عبدالمعیز کو دیکھ کر پوچھا۔

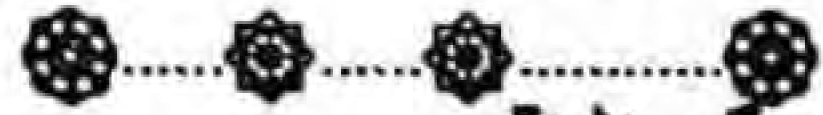
”نہیں لیکن بہت ناراض ہوگی کہ میں نے اس کی بات نہیں مانی اور تمہاری مان لی۔“ بانو آپا ہنستے ہوئے بولیں۔

”نہیں بانو آپا ناراض نہیں ہوگی آپ چلیں تو سہی۔“ عبدالمعیز نے نرم لہجے میں کہا۔

”آج تو جانا مشکل ہوگا اور میں اپنی سکینزہ کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہوں گی۔ وہ تو ہر دفعہ ہی کہتی ہے اور اب میں اس کی بات مان لوں گی۔“ دل بہار بانو اب اپنوں میں لوٹ جانا چاہتی تھیں۔ عبدالمعیز حسن نے انہیں سارے حالات سے فون پر ہی آگاہ کردیا تھا۔ وجاہت اور سکینزہ کے رشتے سے بھی وہ انجان نہیں تھیں عبدالمعیز کے آغا حویلی جانے کا علم ہوتے ہی دل بہار بانو نے بھی واپسی کا ارادہ کرلیا تھا۔ اب وجاہت اور

عبدالمعیز کی آمد پر انہیں بے حد خوشی ہوئی تھی لیکن وہ سکینزہ کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

وجاہت اور عبدالمعیز حسن واپس لوٹ آئے تھے عبدالمعیز نے راستے میں ہی ہاجرہ کو فون پر وجاہت اور سکینزہ کے رشتے کے لیے ہاں میں جواب دے دیا تھا۔ اب ان کی طرف سے حتمی فیصلہ کا انتظار تھا۔



وہ کتنی دیر سے گم صم بیٹھی تھی، سارے احساسات جیسے دم توڑ گئے ہوں، نہ کوئی خوشی محسوس ہو رہی تھی نہ غم۔ جامد و ساکت نگاہیں نہ جانے سامنے دیوار میں کیا تلاش کر رہی تھیں۔

"امی...... کیا ہوا؟" روا نے ہاجرہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکیں۔

"آں...... کیا کیا ہوا ہے؟" وہ بوکھلائیں۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" روا نے فکر مندی سے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہوں۔"

"روا جلدی جاؤ اور مٹھائی لے کر آؤ۔" اس سے پہلے کہ روا ان کے پریشان حال بیٹھے رہنے کا سبب جانتی رضا سکندر کی آمد اور ان کی بات پر ہاجرہ نے یک دم اپنے آپ کو سنبھالا۔

"کیوں بابا...... کیا ہوا؟" روا کو اب تجسس ہونے لگا اور تشویش بھی۔

"بیٹا...... خوشی کی بات تو ہے ہی، حسن نے وجاہت کے لیے سکینزہ کے رشتے کے لیے ہاں کہہ دی۔"

"واقعی......؟" روا خوشی سے چلائی۔

"ہاں بالکل۔" رضا اور روا نے جس قدر خوشی کا اظہار کیا ہاجرہ اسی قدر بیزار نظر آ رہی تھی۔

"بابا مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔" روا جلدی جلدی کچن میں رکھی جلیبیاں لے آئی۔

"بابا مٹھائی تو ہے نہیں یہ جلیبیاں ہی ہیں ابھی ان سے منہ میٹھا کرتے ہیں باقی ٹریٹ تو بھائی سے لیں گے۔" روا نے جلیبی کا ٹکڑا اٹھا کر پہلے رضا کے منہ میں رکھا اور پھر ہاجرہ کی طرف بڑھایا جسے انہوں نے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"بھائی سے کیوں...... امی سے لینا جس کی خواہش پوری ہوئی لیکن خوشی نہیں ہوئی۔" رضا کے لیے ہاجرہ کا رویہ ناقابل برداشت تھا۔ کہاں تو وہ شکایت کر رہی تھی کہ حسن نے ابھی تک

کوئی جواب نہیں دیا اور اب جب جواب ہاں میں آیا ہے تو ہاجرہ مضطرب تھی اور بالکل خاموش بیٹھی تھی۔

''ہاں...... میں مٹھائی منگواتی ہوں۔'' بنا کوئی بات کیے ہاجرہ وہاں سے اٹھیں اور شازی کو آوازیں دینے لگیں۔ ردا نے سوالیہ نظروں سے رضا کو دیکھا اور ہاتھ سے 'انہیں کیا ہوا' کا اشارہ کیا جس پر رضا سب سمجھتے ہوئے (کہ ہاجرہ یہ امید لگائے بیٹھی تھی کہ حسن انکار کردے گا تو ہاجرہ کو ایک اور ہنگامہ برپا کرنے کا موقع ملے گا اس ناکامی پر اب وہ خاموشی کی زد میں آگئی تھیں) کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

''بابا آپ کی بھائی سے بات ہوئی؟'' ردا نے ان سے پوچھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلایا' اگلے پل ردا نے وجاہت کا نمبر ملایا۔

''بھائی...... بہت مبارک ہو حسن انکل نے......''

''ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی آسمان پر ہو۔'' دوسری طرف وجاہت کی چہکتی آواز نے ہاجرہ کی بیزاری کی ساری اداسی کو دور کردیا تھا۔

''واہ واہ بھائی...... کیا بات ہے۔ ویسے آپ کو کس نے بتایا؟'' ردا نے رضا کو اشارے سے پوچھا جس پر انہوں نے نفی میں سر ہلایا تو خود بخود ہی اس کا لہجہ معنی خیز ہوگیا۔

''انکل عبدالمعیز نے مجھے ہی پہلے بتا دیا تھا۔'' وجاہت ہنستے ہوئے بولا۔

''بھائی......! یہ بے ایمانی ہوئی' ہمیں کیوں نہیں بتایا؟'' ردا نے نروٹھے انداز سے کہا۔

''یہ سسر اور داماد کا راز تھا کسی ایرے غیرے کو کیسے بتا دیتا۔'' وجاہت اب اسے تنگ کرنے لگا۔ موبائل کا اسپیکر آن تھا اور بہن بھائی کی شرارت بھری تکرار پر رضا سکندر کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی تھی۔

''افففف اللہ کیسے آنکھیں ماتھے پر رکھ کر اکلوتی لاڈلی بہن سے بات کررہے ہیں وہ بھی اس...... اس بورنگ سکینزہ کے لیے۔'' ردا کو الفاظ نہیں ملے تو دانت پیستے ہوئے بہت پہلے سکینزہ کے لیے بولے گئے الفاظ دہرائے۔ دوسری طرف وجاہت کا قہقہہ اسے منہ بسورنے پر مجبور کرگیا۔

''تم تو ہو ہی چڑیل۔'' وجاہت نے کہا تو ردا ہنسنے لگی۔

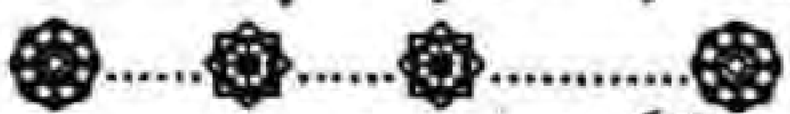
''چڑیل کہو یا ڈائن میری ساری شاپنگ وہاں سے کرکے لانی پڑے گی ورنہ بھائی کا جینا دوبھر نہ کردیا تو کہنا۔'' ردا کی دھمکی پر وجاہت ہنسنے لگا۔

''اچھا...... لیکن پھر میری بھی کچھ شرطیں ہوں گی۔'' دونوں کی تکراریں جاری تھیں۔ رضا مسرور ہوئے جارہے تھے۔

''اسے کہو اب اس بات کو اپنے تک ہی رکھے گا کہ حسن نے پہلے اسے بتایا ہے' بھول کر بھی امی سے یہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی سکینزہ کو جانتا ہے۔'' ہاجرہ کے رویے کے پیش نظر رضا نے کہنا ضروری سمجھا لیکن وہ یہ نہیں جان سکے کہ باہر کھڑی ہاجرہ ان تینوں کی باتیں سن کر کس قدر غصے میں مبتلا ہوگئیں تھیں۔ ہاجرہ کو اس پل اپنی ناکامی سامنے نظر آئی' رضا کی محبت کو ایک سازش قرار دینے میں ہاجرہ کو ایک پل نہیں لگا۔

''میری اولاد کو میرے ساتھ فراڈ کرائے جارہے ہیں' واہ رضا سکندر پیٹھ پیچھے چھرا گھونپنا تو کوئی تم سے سیکھے۔'' ہاجرہ وہیں کھڑی پیچ وتاب کھاتی رہیں اور اندر ان تینوں کے قہقہے گونجتے رہے۔ دکھ ان کی رگ وپے میں سرایت کرنے لگا۔ وجاہت بھی انہیں ایسے دھوکا دے گا انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

''خواہشیں ان کی اپنی اور فیصلے میرے سر' نہیں رضا سکندر اب ایسے نہیں ہوسکتا۔ اب میں تمہاری کوئی چال کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ بظاہر میرے بچوں کو میرا تابعدار بنا کر تم اپنی خواہشیں پوری کرا رہے ہو لیکن نہیں اب اور نہیں۔'' عالم طیش میں ہاجرہ واپس اندر جانے کی بجائے وہاں سے چلی گئی۔



اس فیصلے نے اگر کسی کو پریشان کیا تھا تو وہ ہاجرہ کے ساتھ سکینزہ بھی تھی۔ جلے پاؤں کی بلی کی مانند وہ ادھر سے ادھر چکرا لگا رہی تھی۔ وجاہت کی طرف سے تاحال کوئی ایسا پیغام موصول نہیں ہوا تھا جس پر وہ اپنا غصہ نکال سکے اور عبدالمعیز کے سامنے تو بہت پہلے ہی اپنی زبان بند کرلی تھی۔ انہیں اختیار دیا تو انہوں نے فیصلہ کرتے وقت اس کی مرضی جانتے ہوئے بھی اپنی مرضی چلائی' اسے اس وقت سب سے زیادہ غصہ وجاہت پر ہی تھا جس کی وجہ سے عبدالمعیز نے (اس کے خیال میں) اسے نظر انداز کیا تھا۔ صبح سے وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی' وہ خاموش احتجاج کررہی تھی عبدالمعیز حسن جانتے ہوئے بھی اسے وقت دے رہے تھے جانتے تھے کہ جب وہ خود سوچے گی تو اسے ان کا فیصلہ ٹھیک لگے گا' یہ نہیں تھا کہ انہوں نے زبردستی کی تھی بس اس کے اعتراضات کو بے بنیاد قرار دیا تھا

اور یہی بات سکینزہ کو غصہ دلا رہی تھی۔

سمر ویکیشن تقریباً دو ہفتے بعد متوقع تھے سکینزہ ان دنوں فائنل ایگزامز سے فارغ ہونے کے بعد چھٹیوں کے لیے مصروفیات سوچ رہی تھی اور وجاہت بھی یونیورسٹی کے سیکنڈ ائیر کے لاسٹ سمیسٹر کے بعد پاکستان جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ دل بہار بانو عبدالمعیز حسن کے گھر آگئی تھیں اور پلان کے مطابق انہوں نے وجاہت کے ساتھ پاکستان جا کر سب کو حیران کرنا تھا۔ دو دن پہلے ہاجرہ اور رضا کی کال آئی تھی جس میں انہوں نے وجاہت اور سکینزہ کے رشتے کو فائنل کرنے کے ساتھ ساتھ ایک رسم بھی ادا کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ شمع، جمشید، ان کے بچوں کے علاوہ رافیہ نے بھی حسن کو مبارک باد کے فون کیے اور اس رشتے پر اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا اور جلد از جلد پاکستان آنے کا بھی کہا تھا۔

”کون ہے؟“ دروازے پر ہوئی ہلکی دستک پر سکینزہ نے پوچھا۔

”تمہارا باپ۔“ عبدالمعیز کی مسکراتی آواز پر سکینزہ نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

”اس کا مطلب ہے تم اپنے ڈیڈ کو عادت ڈال رہی ہو کہ وہ تمہارے بغیر رہ لیں۔“ عبدالمعیز نے سکینزہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ سکینزہ نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا تو اس کی آنکھوں میں جھلملاتے پانی نے عبدالمعیز کو بے حد اداس کر دیا۔

”میری جھلی دھی۔“ یک دم آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں کو صاف کیا۔

”تم کیا سمجھتی ہو میں تمہارے بغیر رہ سکتا ہوں؟“ انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا سکینزہ نے نفی میں سر ہلایا۔

”تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تمہیں اتنی دور بھیج دوں گا؟“ عبدالمعیز حسن نے مسکرا کر کہا۔

”کیا مطلب؟“ سکینزہ نے تعجب سے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔

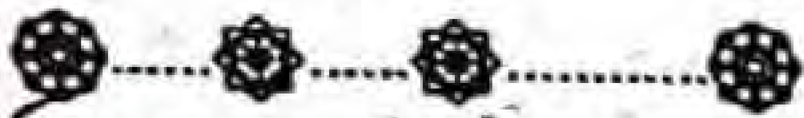
”مطلب یہ کہ وجاہت بھی تو یہاں سیٹل ہو سکتا ہے ناں؟ اور ابھی تو اس کی اسٹڈیز بھی باقی ہے۔“ عبدالمعیز اس سے کچھ فاصلے پر رکھے کشن پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”سچ میں ڈیڈ؟“ وہ بے یقینی کی کیفیت میں ان سے تصدیق چاہ رہی تھی۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

”لیکن ردا تو کہہ رہی تھی کہ وہ کبھی بھی یو کے سیٹل نہیں ہوں گے۔“ یک دم ہی سکینزہ پھر پریشان ہوئی۔ عبدالمعیز نے اسے دیکھا لیکن بولے کچھ نہیں۔ کافی دیر وہ کچھ سوچتے رہے۔

”تم فکر نہ کرو۔ خوش رہو گی تو میں آگے کے فیصلے بہتر طریقے سے طے کر سکوں گا۔“ انہوں نے کہا تو سکینزہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

”مجھے وجاہت سے بات کرنی پڑے گی۔ اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں ان کے ساتھ نہیں رہوں گی۔“ سکینزہ نے دل ہی دل میں خود سے کہا۔ عبدالمعیز کے جانے کے بعد اس نے وجاہت کو میسج کر کے ملاقات کا کہا تھا۔



”میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔“ سکینزہ اور وجاہت آکسفورڈ سٹی سینٹر میں ویسٹ گیٹ شاپنگ سینٹر میں بریٹ میں موجود تھے۔ بیٹھتے ہی سکینزہ کے الفاظ نے وجاہت کو چونکا دیا۔

”میں نہیں جانتی کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں یا آپ کے دل میں کیا ہے لیکن میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ میں اس رشتے پر خوش نہیں ہوں۔“ وجاہت کی حیرت پر وہ مزید گویا ہوئی۔

”جن لوگوں نے میرے ڈیڈ کو اتنی تکلیف پہنچائی، جن کی وجہ سے میری مام بے گھر ہوئیں ان لوگوں پر میں بھروسا نہیں کر سکتی، میں جانتی ہوں وجاہت آپ بہت اچھے ہیں لیکن میں ایسے لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی جن کے لیے میرے دل میں آج تک سوائے نفرت کے اور کچھ نہیں۔“ وجاہت نے آج پہلی بار سکینزہ کو اتنے اعتماد میں دیکھا تھا۔

”لیکن انکل تو......“

”ڈیڈ کی وجہ سے ہی میں اس رشتے پر راضی ہوئی ہوں، ڈیڈ یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ آپ یہاں سیٹل ہوں گے، باقی سب سے اگر مجھے نفرت ہے تو وہ وقت کے ساتھ ساتھ دور ہو جائے گی لیکن میں جانتی ہوں ایسا کچھ نہیں ہوگا، ردا نے بار بار مجھے بتایا ہے کہ ہاجرہ آنٹی نے آپ کو سختی سے منع کیا ہے کہ آپ ڈگری کے بعد یو کے نہیں رکیں گے۔“ سکینزہ کو آغا فیملی سے اتنی نفرت ہے وہ جانتا نہیں تھا۔

”تم......کیا کہنا چاہتی ہو؟“ وجاہت کو ایک بار پھر سمجھ میں

نہیں آیا کہ وہ سکینزہ کو کیا جواب دیں۔ جو وہ کہہ رہی تھی سچ تو یہی تھا۔

"میں آپ کو یہ بتا رہی ہوں کہ میں صرف اور صرف ڈیڈ کی وجہ سے آپ کے ساتھ رشتہ جوڑنے پر راضی ہوئی ہوں' آپ مجھ سے کوئی ایسی امید نہیں رکھنا اور کل کوئی شکایت بھی نہیں کرنا کہ میں اس رشتے کو نبھا کیوں نہیں رہی ہوں یا آپ کے رشتوں کو وہ مقام کیوں نہیں دے رہی ہوں جو وہ چاہتے ہیں۔" سکینزہ نے رخ موڑ کر کہا تو وجاہت کو اپنی خوشی جو اس کے ساتھ کی بدولت ملی تھی ختم ہوتی محسوس ہوئی۔

"تم نے انکار کیوں نہیں کیا؟" وجاہت کی انا نے سر اٹھایا اور یک دم ہی اس کا لہجہ سپاٹ ہوا۔

"کوشش کی تھی لیکن تب ڈیڈ آپ کی اچھائی سے متاثر ہو گئے تھے۔" سکینزہ نے تلخی سے کہا۔

"تم کہیں اور شادی کرنا چاہتی ہو؟" وجاہت اب شک میں مبتلا ہونے لگا۔

"میں وجہ آپ کو بتا چکی ہوں۔" سکینزہ نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ "ہاجرہ آنٹی کے بات کرنے سے پہلے آپ کو مجھ سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔"

"لیکن امی نے تو مجھے بھی نہیں بتایا تھا۔ میں تو جانتا بھی نہیں تھا کہ امی ایسی کوئی بات کرنے والی ہیں۔" وجاہت جھنجھلا کر بولا۔

"میں یہ بات تو اب مان نہیں سکتی۔" سکینزہ طنزیہ ہنسی کے ساتھ بولی۔

"نہ مانو۔ جو سچ تھا بتا دیا اور اگر ہم سب اتنے ہی ناپسند ہیں تو پہلے کیوں نہیں کہا؟ جب سب فائنل ہو گیا تو اب آئی ہو انکار کرنے۔" بے شک وہ اسے شدت سے چاہتا تھا لیکن وجہ چاہے کوئی بھی ہو یہ کیسے گوارہ کرتا کہ وہ اسے نظر انداز کرے۔

"آپ سے کہا تھا کہ بات کرنا ہے آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔" سکینزہ بولی۔

"جواب اس لیے نہیں دیا تھا کہ مصروف تھا تو تم پھر میسج کر لیتی یہ معاملہ حل کرنا زیادہ ضروری تھی۔ اب جب سب کچھ طے ہے تو تمہیں ہم سے نفرت یاد آ گئی' اپنی مام اور ڈیڈ کے ساتھ کی گئی زیادتیاں یاد آ گئیں۔" وجاہت غصے سے بولا تو سکینزہ سہم گئی۔

"اب اگر تم یا میں انکار کرتے ہیں تو آغا خاندان کی تاریخ پھر سے دہرائی جائے گی اور انہی نفرتوں اور رنجشوں کا سلسلہ پھر سے شروع ہو جائے گا جن کو ختم کرنے کے لیے ہمارے والدین نے یہ قدم اٹھایا ہے۔" وجاہت نے اس کے گھبرائے چہرے کی طرف دیکھا۔

"تم سوچ لو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔" اس کے ہلتے لب وجاہت کو اپنا لہجہ نرم کرنے پر مجبور کر گئے تھے۔

"سکینزہ......" وہ اب خاموش تھی تو وجاہت نے اسے پکارا۔

"میں ڈیڈ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتی' نہ انہیں کسی کے سامنے شرمندہ کر سکتی ہوں۔" سکینزہ یک دم پریشان نظر آنے لگی تو وجاہت چونکا۔

سکینزہ واقعی پریشان تھی۔ اس کی یہی پریشانی اب وجاہت کو الجھن کا شکار کر رہی تھی۔ وہ یہ بھی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ جو وہ کہہ رہی ہے وہ اس کی کوئی بے وقوفی تو نہیں۔ وہ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ سکینزہ کو معلوم ہے کہ وجاہت اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔ وہ تو یہ سوچ رہا تھا کہ ملاقات پر وہ اقرار محبت کرے گا۔ اسے بتائے گا کہ اسے پانے کے لیے اس نے کیسے کیسے منصوبے بنائے تھے اور اب اس کا ملنا اسے کسی معجزے سے کم نہیں لگ رہا ہے۔

"اچھا تم پریشان مت ہو۔ میں کوشش کروں گا کہ کسی حتمی فیصلے سے پہلے انکل سے بات کر سکوں۔" یک دم اس کے خوف میں مبتلا ہونے کے باعث وجاہت کو اسے تسلی دینا پڑی۔ کچھ بھی ہو وہ اسے بہت عزیز تھی۔ اسے دل سے چاہتا تھا۔

"ڈیڈ کو دکھ ہوا تو؟ وہ تو آپ کو بہت پسند کرتے ہیں اگر آپ کچھ کہیں گے تو ڈیڈ سے برداشت نہ ہو سکا اور اگر ایسے میں ڈیڈ کی طبیعت خراب ہو گئی تو؟" سکینزہ ایک دم گھبراہٹ کا شکار ہوئی۔

"سکینزہ...... میں نے کہا ہے تم پریشان مت ہو۔" وجاہت کو اس کی ذہنی کیفیت کی گمبھیرتا کا اندازہ ہونے لگا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ سکینزہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی' اسے خود یہ نہیں پتا کہ اسے وجاہت سے شادی کرنی چاہیے یا نہیں۔ وجاہت نے عبدالمعیز حسن سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سکینزہ کو سنبھال لے گا تو اب اسے ہی سمجھداری کا ثبوت دینا تھا۔

"دیکھو سکینزہ اگر تم نے اتنا بڑا فیصلہ کیا ہے تو تمہیں بہادر

بننا ہوگا۔ بہت کچھ برداشت بھی کرنا پڑے گا' ایسے چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھبراؤ گی تو...... میں اپنے دل پر کیسے قابو رکھ سکوں گا۔"
اس کی نفرت' اس کی ناراضی کے باوجود وجاہت نے یک دم اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اس کے آخری جملے کا مطلب سکینزہ یقیناً نہیں سمجھ سکی تھی تب ہی وجاہت نے اپنی آواز کو مدہم نہیں کیا تھا۔

"میں بہادر ہوں لیکن یہ چھوٹی بات نہیں ہے وجاہت۔" سکینزہ اسے بہت چھوٹی سی بچی معلوم ہو رہی تھی۔

"میں تو تمہارے ساتھ ہوں۔" وجاہت نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

"آپ وعدہ کررہے ہیں؟" سکینزہ نے اسے دیکھ کر پوچھا۔ وجاہت نے اثبات میں سر ہلایا' اس کے پاگل پن کا اندازہ وہ اس بات سے لگا رہا تھا کہ اس کے سامنے انکار بھی کررہی ہے اور اس سے مدد بھی مانگ رہی ہے' سکینزہ نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"اپنا وعدہ یاد رکھنا۔" سکینزہ کو لگا وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہوگئی ہے۔

"بالکل یاد رکھوں گا۔" وجاہت نے مسکرا کر کہا۔

"اور تم بھی اپنی نفرت پر قائم رہنا۔" وجاہت نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

"سکینزہ تم خود انگل کو اپنے اور میرے درمیان سے ایک دن ہٹاؤ گی۔ میرا وعدہ ہے کہ ایک دن تم میری محبت میں ساری نفرت اور ناراضی یہاں تک کہ اپنے ڈیڈی کی محبت کو بھی بھول کر میرے ساتھ کی طلب میں تڑپو گی۔ بس اب انتظار کرنا ہے۔" وجاہت اس کے چہرے پر نظریں جمائے خود کلامی میں مصروف تھا۔

بہت سی باتیں ہونے کے باوجود اب مزید کوئی بات نہیں تھی اس لیے بنا کسی چائے یا کافی پیے سکینزہ وہاں سے چلی گئی اور وجاہت کتنی ہی دیر تک وہاں بیٹھا سوچتا رہا تھا۔



وجاہت' دل بہار بانو کے ہمراہ پاکستان روانہ ہوگیا تھا۔ اتنے سالوں بعد دل بہار کی واپسی رضا کے لیے تو خوشی کی خبر تھی ہی رافیہ بھی پُرسکون ہوگئی تھیں' رضا کی معذوری نے دل بہار کو بہت رنج پہنچایا تھا لیکن رضا کے اطمینان نے انہیں زیادہ دیر اداس نہیں رہنے دیا۔ دل بہار بانو کی ابھی تک حکیم اللہ سے ملاقات ہوئی تھی نہ کسی سے ان کے بارے میں کچھ پتا چلا تھا' اب سارا مجمع سکندر ہاؤس میں جمع تھا' ہاجرہ بے حد سنجیدگی سے سارے فرائض انجام دے رہی تھی' وجاہت کے تاثرات کو بغور جانچ رہی تھیں' دل بہار بانو کو واپس لے کر آنے میں بھی وجاہت نے ہاجرہ سے کوئی مشورہ نہیں کیا تھا اور وہ یہ ماننے کو بھی تیار نہ تھیں کہ رضا اس بات سے انجان ہیں۔

ان کے آنے کے تین دن بعد سکینزہ اور عبدالمعیز بھی پاکستان پہنچ گئے تھے۔ سکینزہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا' عبدالمعیز حسن خوش تھے لیکن سکینزہ اپنے آپ کو بہت مس فٹ محسوس کررہی تھی۔ ہاجرہ کا رویہ خاصا لیے دیے انداز والا تھا' رضا بغور انہیں جانچ رہے تھے۔

"میرے خیال میں اب ہمیں کوئی رسم ادا کردینی چاہیے۔" موقع ملتے ہی رضا نے ہاجرہ سے کہا۔

"کیوں...... ایسی کیا جلدی ہے؟ پہلے ذرا دیکھ تو لوں یہ لڑکی ہمارے گھر میں ایڈجسٹ کر بھی سکے گی یا نہیں۔" ہاجرہ نے قدرے تنک مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

"اب کچھ بھی دیکھ لینے کا وقت گزر گیا ہے۔ یہ رشتہ پہلے طے ہوگیا ہے حسن اور سکینزہ یہاں اسی مقصد کے لیے بلائے گے ہیں۔" رضا نے رعب دار لہجے میں کہا۔

"اگر طے ہو ہی گیا ہے تو مجھ سے کیوں پوچھا جارہا ہے؟" ہاجرہ تو جیسے بھولے بیٹھی تھی کہ اس رشتے کی بات کی کس نے تھی۔

"تم نے طے کیا ہے ہاجرہ اور اب انہیں گھر بلا کر تم اپنی بات سے مکر نہیں سکتی۔"

"میں اپنی زبان سے پھر نہیں رہی ہوں بس وقت مانگ رہی ہوں۔" ہاجرہ جانتی تھی کہ اس نے جو کیا وہ جلد بازی میں کیا اب اپنی ہی بات کے چنگل میں پھنس رہی تھی۔

"اب وقت مانگنے کا بھی وقت نہیں رہا ہاجرہ حکیم اللہ۔ شام کو سب اکٹھے ہورہے ہیں تو منگنی یا نکاح جو بھی کرنا ہے تاریخ طے کرلینا۔" رضا کے دوٹوک انداز نے ہاجرہ کو حیران کردیا تھا۔

"وجاہت سے بھی ابھی تک بات نہیں ہوئی۔" ہاجرہ نے ایک اور عذر تراشنے کی کوشش کی۔

"نکاح یا منگنی ہوجائے تو وہ بھی راضی ہوجائے گا۔" رضا اپنی بات کہہ کر چلے گئے تھے اور ہاجرہ کے دل و دماغ پر جیسے

اندھیاں چلنے لگی تھیں۔
"محبت کا دعویٰ اور دغا بازیاں...... رضا سکندر تم نے اچھا نہیں کیا۔" ہاجرہ ایک بار پھر غلط فہمیوں کا شکار ہونے لگی تھیں۔ بہر حال جو بھی تھا ہاجرہ کو اپنی بات کا مان رکھنا ہی تھی لیکن وہ اتنی آسانی سے ہار نہیں ماننے کی وہ طے کرگئی تھیں۔
شام کو سکندر ہاؤس ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سوائے آغا حکیم اللہ کے آغا حویلی سے سب لوگ وہاں جمع تھے' خوب رونق لگی تھی' ہلا گلا ہو رہا تھا سکینزہ اور وجاہت کا نکاح ہونا قرار پایا تھا' عبدالمعیز حسن ہمہ وقت سکینزہ کے ساتھ ساتھ تھے' یہ لمحہ دونوں باپ بیٹی پر بھاری تھا۔
"دم نکل۔" عبدالمعیز اور سکینزہ کمرے میں تھے' وجاہت انہیں ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا تو عبدالمعیز آنکھیں موندے لیٹے تھے اور سکینزہ ان کے پاس بیٹھی ان کا سر دبا رہی تھی۔ وجاہت کی آمد پر انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔
"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں انکل؟" سکینزہ کی طرف دیکھے بنا وہ ان کے پاس رکا اور فکر مندی سے استفسار کیا۔
"ہاں بیٹا ٹھیک ہوں۔" وہ ایک دم اٹھ بیٹھے۔
"پھر ایسے کیوں؟" وجاہت نے ان کے لیٹنے کی طرف اشارہ کرتے پوچھا۔
"ذرا ریسٹ کا ارادہ تھا۔ سکینزہ آگئی تو......"
"ٹھیک ہے انکل آپ ریسٹ کرلیں میں پھر آتا ہوں۔"
"نہیں بیٹا رکو۔" عبدالمعیز حسن نے اسے روکا تو وجاہت نے کنکھیوں سے سکینزہ کو دیکھا جو نظریں جھکائے مکمل خاموش بیٹھی تھی' گیلی پلکوں سے صاف ظاہر تھا وہ روتی رہی ہے۔ ان سے کچھ فاصلے پر وجاہت بیٹھ گیا' عبدالمعیز حسن نے ہاتھ بڑھایا' وجاہت نے متعجب نظروں سے دیکھا اور ان کے بڑھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
"میری سکینزہ کا بہت خیال رکھنا۔ بہت جھلی سی ہے میری۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھبرا جاتی ہے۔" انہوں نے سکینزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وجاہت کی نگاہیں بھی سکینزہ پر جمی تھیں جھکی نظریں اور رخساروں پر آنسو کی روانی۔ اسے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔
"انکل آپ فکر نہیں کریں۔" وجاہت آہستگی سے بولا۔
"بیٹا ایک بات ذہن میں رکھنا' محبتوں کے سلسلے عجیب ہی ہوتے ہیں' کبھی تو چند لمحے لگتے ہیں کوئی اجنبی دل و جان سے عزیز ہو جاتا ہے اور کبھی برسوں بیت جاتے ہیں کسی کی موجودگی کا احساس بھی نہیں ہوتا' ایک دوسرے کے ساتھ کو سمجھنا' ایک دوسرے کے ساتھ کو اہمیت دینا' ایک دوسرے کو اپنے لیے ضروری سمجھنا اور جب چھوٹی چھوٹی خوشیاں اکٹھی کرو گے تو زندگی خوب صورت ہوگی۔" عبدالمعیز حسن دوسرے ہاتھ سے سکینزہ کے رخساروں پر آنسو صاف کرتے ہوئے اس کو ساتھ لگاتے ہوئے بولے۔ سکینزہ یک دم رونے لگی۔ وجاہت نے پہلی بار اسے یوں روتے دیکھا تھا۔ اس نے گھبرا کر عبدالمعیز کو دیکھا۔
"سکینزہ...... کیا ہوا؟" وجاہت بے اختیار پوچھا۔
"کچھ نہیں بیٹا تم پریشان نہ ہوا ایسے ہی ایموشنل ہو رہی ہے۔" عبدالمعیز نے وجاہت کو تسلی دی جبکہ سکینزہ مسلسل رو رہی تھی۔
"آپ پریشان نہ ہوں انکل ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوگا۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کو کبھی کوئی شکائت نہ ہو۔" وجاہت نے کہا تو سکینزہ نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔
وجاہت کچھ دیر بعد وہاں سے چلا گیا اور عبدالمعیز سکینزہ کو پھر سمجھانے لگے تھے۔

❀......❀......❀......❀

شام کی تقریب کی تیاری مکمل تھی سکینزہ ردا اور وردا کے ساتھ بیوٹی پارلر چلی گئی تھی' چند اور مہمان بھی تشریف لے آئے تھے' وجاہت خوش تو تھا لیکن سکینزہ کی طرف سے کافی فکر مند بھی تھا' اپنے کمرے میں وجاہت اپنی تیاری میں مصروف تھا۔ دروازے پر ہوتی دستک نے وجاہت کو چونکا دیا تھا۔
"جی امی؟" دروازہ کھولنے پر سامنے ہاجرہ کو کھڑے پایا تو اس کی حیرت میں چنداں اضافہ ہوا۔
"میں اندر آجاؤں؟" انہوں نے اجازت لی تو وجاہت ایک طرف ہوگیا۔
"کیا بات ہے امی...... سب خیریت تو ہے ناں؟" ان کے پُر سوچ انداز نے اسے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔
"یہ شادی نہیں ہونی چاہیے۔"
"کیا......؟" وجاہت کو اپنی سماعت پر دھوکے کا گمان ہوا۔

"سکینزہ اس گھر کی بہو نہیں بن سکتی۔ تمہیں انکار کرنا ہوگا۔"

"لل...... لیکن امی اس وقت؟" وجاہت صحیح معنوں میں بوکھلا گیا تھا۔

"ہاں اسی وقت تب ہی عبدالمعیز حسن سے میرا بدلہ پورا ہوگا۔" ہاجرہ انتہائی تلخی سے بولیں۔

"کون سا بدلہ امی؟" وجاہت کے تو ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

"تمہیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں جو میں نے کہا بس وہ کرو۔ تم چلے جاؤ یہاں سے اور......"

"لیکن امی اس طرح تو...... بابا کیا سوچیں گے۔" وجاہت بے حد پریشان ہوا۔

"تمہیں ماں کی کوئی پرواہ نہیں اگر مجھ سے تعلق رکھنا ہے تو یہ رشتہ ختم کرنا ہوگا۔" ہاجرہ انتہائی غصے سے بولیں۔

"امی آپ پہلے بتاتی تو میرے لیے آسان ہوتا اب میں......"

"یہی وقت ہے پہلے کب بتاتی؟" دونوں میں بحث جاری تھی وجاہت کیسے ان کی بات مان لیتا اور ہاجرہ کو بھی کسی صورت اپنی ہار منظور نہیں تھی۔

"تمہارے پاس زیادہ سوچنے کا وقت نہیں ہے وجاہت تمہیں ابھی یہاں سے نکلنا ہوگا۔" ہاجرہ جلدی جلدی اس کے کمرے میں بکھری چیزوں کو اس کے بیگ میں رکھنے لگیں۔

"لیکن امی...... مجھے سوچنے کا تو وقت دیں۔ میں انکل عبدالمعیز سے بھی......"

"راستے میں سوچتے رہنا ابھی وقت نہیں ہے۔ حسن سے میں بات کرلوں گی۔" وجاہت کو سمجھ میں نہیں آرہا تھی کہ ہاجرہ کو آنا فانا کون سا بدلہ لینا کی یاد آگیا اور اگر یہی سب کرنا تھا تو بات کو اتنا آگے تک کیوں بڑھایا۔

"جلدی کرو وجاہت تمہیں جانا ہے اب۔" ہاجرہ کی دھمکی نے بھی اسے خوف زدہ کردیا تھا۔

ایسے چلے جانے سے ہمارا زیادہ نقصان ہے۔" ہاجرہ نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں نے کہا ناں میں یہاں سنبھال لوں گی۔" ہاجرہ اپنی بات پر قائم تھیں۔

"امی مجھے پتا ہے آپ سنبھال لیں گیں لیکن بابا...... کیا انہیں دکھ نہیں ہوگا اور آپ کا بدلہ کیسے پورا ہوگا امی؟ میرے چلے جانے سے انکل تو سکینزہ کو لے کر واپس چلے جائیں گے اور ساری بدنامی تو ہمارے حصے میں آ گئی کیونکہ بھاگا تو آپ کا بیٹا ہے۔" وجاہت کو ہاجرہ کے تجویز پر حیریت ہوئی۔ ہاجرہ نے ایک دم اسے دیکھا۔ اپنی انا اور بدلے کی آگ میں جلتے ہوئے اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ منصوبہ بنا رہی ہے وجاہت ٹھیک کہہ رہا تھا کہ ایک بار پھر بدنامی تو ہاجرہ کے حصے میں ہی آئے گی۔

"یہ شادی کسی صورت نہیں ہوسکتی اور اگر تم نے یہ نکاح کیا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" ہاجرہ اسے ایک بار پھر دھمکی دینے لگیں۔

"میری بات سنیں امی۔ ابھی جو ہورہا ہے ہونے دیں میں آپ کے ساتھ ہوں ہم حالات ایسے پیدا کردیں گے کہ سکینزہ خود ہی انکار کردے۔ ہم پر بات بھی نہیں آئے گی اور آپ کا بدلہ بھی پورا ہو جائے گا۔ طلاق زیادہ بڑا دھبہ ہے امی۔" وجاہت کیسے انہیں اتنی بڑی بے وقوفی کرنے دے سکتا تھا اور اس وقت ان کا دھیان بھی بٹانا ضروری تھا ہاجرہ نے وجاہت کی طرف دیکھا۔ ان کے نرم پڑتے تاثرات سے وجاہت مطمئن ہوگیا لیکن باہر اپنی ڈبل چیئر پر بیٹھے رضا سکندر کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ یک دم انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ زمین میں دھنستے جا رہے ہوں۔

(ان شاء اللہ بقیہ آئندہ شمارے میں)



biazdill@naeyufaq.com

بیاض دل

میمونہ رومان

ادم کمال...... فیصل آباد

اقرار کر گیا، کبھی انکار کر گیا
ہر بار اک عذاب سے دُو چار کر گیا
رستہ بدل بدل کے بھی دیکھا مگر وہ شخص
دل میں اتر کے ساری حدیں پار کر گیا

شگفتہ خان...... بھلوال

اب تلخیوں کا سامنا کرنے کا وقت ہے
اب عمر خواب دیکھنے والی نہیں رہی

کرن شہزادی...... مانسہرہ

تمہیں جب بھی ملیں فرصتیں میرے دل سے بوجھ اتار دو
میں بہت دنوں سے اداس ہوں کوئی شام ادھار دو
کسی اور کو میرے حال سے نا غرض ہے نا کوئی واسطہ
میں بکھر گیا ہوں سمیٹ لو میں بگڑ گیا ہوں سنوار دو

پروین افضل شاھین...... بھاولنگر

تاریخ ہزاروں سالوں میں بس اتنی ہی بدلی ہے
تب دُور تھا پتھر کا اب لوگ ہیں پتھر کے

ایس این شہزادی کھرل...... جڑانوالہ

کبھی یوں ملیں کوئی مصلحت کوئی خوف دل میں ذرا نہ ہو
مجھے اپنی کوئی خبر نہ ہو، تجھے اپنا کوئی پتا نہ ہو
تیرے اختیار میں کیا نہیں، مجھے اس طرح سے نواز دے
یوں دعائیں میری قبول ہوں، میرے لب پر کوئی دعا نہ ہو

عنیقہ شہزادی...... جڑانوالہ

ہم تو وہ انا پرست ہیں جو ہار کے بھی کہتے ہیں
وہ منزل ہی بدنصیب تھی جو ہمیں پانہ سکی

شائنہ پرویز شانو...... ایبٹ آباد

جسے مانگا تھا کبھی تہجد کی نمازوں میں رات بھر
اسے طاق راتوں میں بھول جانے کی دعا کرتا ہوں

ثمرہ گلزار...... کوٹلی

پھول کھلتے ہیں کھلتے ہی رہے گئے
دو دل ملتے ہیں ملتے ہی رہے گئے
آپ سے محبت ہے آپ سے ہی رہے گی
لوگ جلتے ہیں تو جلتے ہی رہے گئے

فریدہ فری...... لاہور

میں انسان ہوں اس دنیا میں رہنے والی
میرے سینے میں دھڑکتا اک دل بھی تو ہے
یہ جہاں چیز ہے کیا میں سمجھتی ہوں فری
میرا پیکر یہ صنم پیار کے قابل بھی تو ہے

نگی کھرل...... جڑانوالہ

یہ لوگ فرشتے ہیں؟ خدا ہیں؟ کیا ہیں؟
ان کے معیار پہ کیوں خود کو اتارا جائے

تبسم بشیر حسین...... ٹنگہ

دراز قامت، گلاب چہرہ
خمار آنکھیں اجال رکھنا
تیری اداؤں پر مر نہ جائے
خدا کی بندی خیال رکھنا

نمرہ فرحان...... قصور

اس کی آنکھوں تک آکے سوچتا ہوں
میں خدائی کی راہ پر تو نہیں

انعم زھرہ...... ملتان

بن تیرے ویران ہے بنجر ہے زندگی
کوئی اجڑا ہوا کھنڈر ہے زندگی
تم کو پایا تھا تو پانی پہ بھی چل سکتی تھی
جو تو نہیں تو اک گہرا سمندر ہے زندگی

ادم صابرہ...... تلہ گنگ

جو دیکھتا ہوں وہی بولنے کا عادی ہوں
میں اپنے شہر کا سب سے بڑا فسادی ہوں

دلشاد نسیم...... لاھور

میری نیندوں سے سڑ پڑی دنیا
اس کو خوابوں میں دیکھتا تھا میں

ام ھانی شاھد...... ڈگری

اس کی محبت کا سلسلہ بھی کیا عجیب تھا
اپنا بھی نہ بنایا اور کسی اور کا ہونے بھی نہ دیا

اقرأ جٹ...... منجن آباد

زندگی پہلے بھی اتنی حسین تو نہ تھی

مگر بس پہلے تم تھے، اب نہیں ہو!

کوثر ناز...... حیدرآباد

آج دنیا نے ستم ڈھائے تو دل ٹوٹ گیا
تیری باتیں، تیرا انداز وفا یاد آیا
کاش ہم تم کو منا لیتے نہ جانے دیتے
مدتوں بعد احساسِ خطا یاد آیا

ھالہ سلیم...... کراچی

ادا ہے، خواب ہے، تسکین ہے، تماشا ہے
ہماری آنکھ میں اک شخص بے تحاشا ہے

ایم سحر ہزارہ...... ایبٹ آباد

یتیمی ساتھ لاتی ہے جہاں بھر کے دکھ
سنا ہے باپ زندہ ہو تو کانٹے بھی نہیں چبھتے

علشبہ خان...... بھیر کنڈ

جنوری کی سرد خنک شام میں
اس کا سرد لہجہ رلاتا ہی رہا
بے رخی سے رخ موڑ کر
وہ چلا گیا اور میں پکارتا ہی رہا

عثمان عبداللہ...... کراچی

باتوں میں یہاں ہر شخص ہے ماہر
آئینہ ہے اپنا پر دکھائے دوسرے کو

نوشین ظفر ملک...... فیصل آباد

ضبطِ غم اس قدر آسان نہیں ہے عالی
آگ ہوتے ہیں وہ آنسو جو پیے جاتے ہیں

امبرین ابدال...... سیالکوٹ

رہا نہ دل میں وہ بے درد اور درد رہا
مقیم کون ہوا ہے، مقام کس کا تھا

پروین چنگیزی شیخ...... ڈی آئی جی خان

دیوار انا اتنی میری جان نہ بڑھاؤ
ہے ضروری کھلا رکھنا کوئی در بھی
تم کو ہی مسافت نے بخشی نہیں تھکن
اس سفر میں تو ٹوٹے ہیں میرے پر بھی

سحر ملک...... آزاد کشمیر

یہ دل کہ میں نے جسے سنبھالا بہت
وہ چاہ کہ جو تھی بے نوا بہت
نجانے وہ نظر کیوں بدل گیا
کہ جس میں اٹھی تھی تیری نظر بے ارادہ بہت

علشبہ سلیم...... کراچی

کتنا اچھا اس کا لہجہ تھا
اچھا لگتا تھا ڈانٹنا اس کا
کیا بتاؤں کہ قیامت تھا
ہونٹ دانتوں سے کاٹنا اس کا

ثریا شاہ...... کھروڑ پکا

یہ کہہ کر کاٹ دیں زبانیں اہلِ دانش نے
نہ ہو مصرف کسی شے کا تو وہ بے کار ہوتی ہے
سروں کی فصل پکنے کا کوئی موسم نہیں ہوتا
کبھی مطلق صداقت بھی زمین پر بار ہوتی ہے

صبا ایشل...... فیصل آباد

آنچل میں پھول لے کے کہاں جا رہی ہوں
جو آنے والے لوگ تھے وہ لوگ تو گئے
کیا جانے اُفق کے ادھر کیا طلسم ہے
لوٹے نہیں زمین پر اک بار جو گئے

روبینہ زکریا روبی...... چک کھلتی

جذبے کی لو کو میرے جنوں نے چھوا تو ہے
اتنا ہوا وہ خواب میں آ کر ملا تو ہے
وہ دشمنی کے ساتھ سہی، دیکھتا تو ہے
ہم مطمئن کہ اس سے کوئی رابطہ تو ہے

شازیہ خلیل...... میانوالی

بڑے اسرار پوشیدہ ہیں اس انتہا پسندی میں
یہ مت سمجھو کہ دیوانے جہاندیدہ نہیں ہوتے
تعجب کیا اگر اقبال دنیا مجھ سے ناخوش ہے
بہت سے لوگ دنیا میں پسندیدہ نہیں ہوتے

ناجیہ ملک...... چنگری آزاد کشمیر

محبت موسموں کی قید سے آزاد ہوتی ہے
سنو، سورج نکلنے کا کوئی موسم نہیں ہوتا
ابھی بھی یاد آئے تو نگاہیں بھیگ جاتی ہیں
پرانی راکھ جلنے کا کوئی موسم نہیں ہوتا



ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

قیمے والا برگر

اجزاء:۔

قیمہ	ڈیڑھ کپ (باریک مشین کا بنوائیں)
پیاز	ایک عدد (لچھے دار کاٹیں)
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچ
مسٹرڈ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
نمک، مرچ	حسب ذائقہ
ٹماٹو ساس	آدھا کپ
آئل	حسب ضرورت
برگر بن	چار عدد

ترکیب:۔

تھوڑے سے آئل میں پیاز سرخ کریں پھر قیمہ ڈال کر بھونیں، نمک، مرچ، سویا ساس، مسٹرڈ پاؤڈر اور ٹماٹر ساس ڈال کر بھونیں اور تھوڑا سا پانی ڈال کر قیمہ گلا لیں، خشک ہوجائے تو آنچ بند کردیں۔ برگر بن درمیان سے کاٹ کر کٹے حصے ہلکے سے سینک لیں قیمہ کی تہیں لگا کر اوپر کیچپ ڈالیں اور پیش کریں آلوؤں کے چپس بھی ساتھ رکھیں۔

تبسم بشیر حسین.....ڈنگہ

ہرے بھرے قیمے کے پراٹھے

اجزاء:۔

آٹا	تین کپ
بیسن	ایک کپ
قیمہ	ایک پاؤ
پیاز	ایک عدد
ہری مرچ	چھ عدد
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ	ایک چمچ
انڈہ	ایک عدد

اجزا:۔

تمام اجزا کو بڑی پرات میں ہاتھ سے مکس کریں خیال رہے ہری مرچ، پیاز بالکل باریک چوپ کیے ہوں سب چیزوں کو مکس کر کے نیم گرم پانی سے آٹا گوندھ لیں پھر آدھا گھنٹہ گیلے کپڑے سے ڈھانپ کر رکھے رہنے دیں پھر بیلن پر آہستہ آہستہ بیل کر ہلکا گھی لگے توے پر پراٹھا ڈالیں درمیانی آنچ پر گھی لگا کر براؤن ہونے تک سینک لیں۔ پودینے کی چٹنی کے ہمراہ گرما گرم پراٹھوں سے لطف اندوز ہوں اور اپنا سنڈے یادگار بنائیں۔

خوشی.....سرانوالی

فرائیڈ ڈرم اسٹکس

اجزا:۔

چکن ڈرم اسٹکس	چھ عدد
میدہ	آدھا کپ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچ
انڈہ	ایک عدد
نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
مسٹرڈ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:۔

ڈرم اسٹکس کو دھو کر خشک کرلیں اب اسے تھوڑے سے گرم پانی تیل میں فرائی کرلیں۔ اس کے بعد نکال کر کچن پیپر سے چکنائی جذب کرلیں ایک پیالے میں میدہ، کارن فلور، نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر اور مسٹرڈ پاؤڈر مکس کریں اب اس میں انڈہ اور تھوڑا پانی ڈال کر مکس کریں فرائی کی ہوئی ڈرم اسٹکس کو اس بیٹر سے کوٹ کر پہلے سے گرم تیل میں ڈال کر درمیانی آنچ پر کرسپی گولڈن ہونے تک فرائی کریں فرائی ڈرم اسٹکس تیار ہیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر فرنچ فرائز کے ساتھ پیش کریں۔

پروین افضل شاہین.....بہاولنگر

مٹن منچورین

اجزا:

بون لیس مٹن (کیوب کٹ)	۵۰۰ گرام
کچری پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
انڈہ	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچ
میدہ	تین کھانے کے چمچ
کھانے کا تیل	دو کھانے کے چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
سویا ساس	ایک چائے کا چمچ

منچورین ساس کے اجزا:

کھانے کا تیل	چار پانچ کھانے کے چمچ
لہسن (چوپ کیا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
لیموں کا رس	ایک کھانے کا چمچ
واسٹر شائر ساس	ایک چائے کا چمچ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچ
ٹماٹو کیچپ	پانچ کھانے کے چمچ
چلی گارلک ساس	پانچ کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ پاؤڈر	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچ
پانی	آدھا کپ

ترکیب:

ایک باؤل میں بون لیس مٹن، کچری پاؤڈر، سویا ساس، لہسن پیسٹ، انڈہ، نمک، کالی مرچ، کارن فلور، میدہ، کھانے کا تیل ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ دو تین گھنٹے کے لیے میرینیٹ کریں۔ اب ایک برتن میں کھانے کا تیل ڈالیں اور میرینیٹ مٹن درمیانی آنچ پر فرائی کرلیں۔

منچورین ساس بنانے کا طریقہ:

ایک پین میں کھانے کا تیل گرم کریں پھر اس میں لہسن ڈال کر ہلکا سا براؤن کرلیں۔ اب اس میں لال مرچ، کالی مرچ، لیموں کا رس، سویا سا اور واسٹر شائر ساس ڈال کر ایک منٹ تک پکائیں پھر اس میں ٹماٹو کیچپ، چلی گارلک ساس اور نمک ڈال کر مکس کرلیں۔ اب اس میں پانی ڈال کر دو تین منٹ پکالیں پھر اس میں فرائی کیا ہوا مٹن ڈالیں اور چمچ ہلاتے ہوئے کارن فلور اور پانی کا مکسچر (کارن فلور ایک کھانے کا چمچ اور آدھا کپ پانی) ڈالیں اور ایک منٹ کے لیے پکائیں۔ ہرے پیاز کی گارنش کرکے فرائیڈ رائس کے ساتھ ہاٹ پلیٹ میں سرو کریں۔

نزہت جبین ضیاء......کراچی

کھڑے مصالحے کا پیاز گوشت

اجزا:

پیاز (چھوٹی)	آدھا کلو
لہسن کے جوے (چوپ کرلیں)	آٹھ عدد
ادرک (چوپ کرلیں)	ایک انچ کا ٹکڑا
ثابت لال مرچیں	دس عدد
دہی	ایک کپ
گوشت	آدھا کلو
مکس ثابت گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
چھوٹی الائچی	چار عدد
گھی	آدھا کپ
پانی	ایک گلاس

ترکیب:

سوس پین میں گھی گرم کرکے ثابت گول پیاز کے ساتھ فرائی کرکے نکال لیں۔ الائچی، مکس ثابت گرم مصالحہ، گوشت، لہسن، ادرک اور ثابت لال مرچیں ڈال کر بھونیں پانی ڈال کر گوشت گلالیں۔ گوشت گل جائے تو دہی اور فرائی پیاز ڈال کر بھونیں۔ پانچ منٹ دم پر رکھیں اس کے بعد بھون کر نان چپاتی کے ساتھ سرو کریں۔

ارم صابرہ......تلہ گنگ



biazdill@naeyufaq.com



ایمان وقار

غزل

دوست نے مجھ کو ستایا خوش ہوا
مجھ پہ لوگوں کو ہنسایا خوش ہوا
مہرباں ہونے کا دعویٰ تھا جسے
خاک میں اس نے ملایا خوش ہوا
خود ہی میرا حال پوچھا اور پھر
مضحکہ میرا اڑایا خوش ہوا
کیا زمانہ ہے کہ قصۂ الم
میں نے جس کو بھی سنایا خوش ہوا
رو دیے دشمن بھی حالت دیکھ کر
دوست لیکن مسکرایا خوش ہوا
کس سے ہو تہذیب امید وفا
ہر کسی نے دل جلایا خوش ہوا

راؤ تہذیب حسین......رحیم یار خان

نظم

تمہیں معلوم تو ہوگا
مجھے معلوم ہے سب کچھ
بتاؤ پھر کبھی آؤ تو کیا کہہ کر
ستاؤ گے
مجھے کیا کچھ جتاؤ گے؟
بتاؤ کس طرح پھر سے
مجھے اپنا بناؤ گے

سباس گل......رحیم یار خان

نظم

شام کے دھندلکے، تیرے دامن میں
آہٹوں کے نام پر خواب سجے ہیں
فرطِ غم سے میری چشمِ انتظار بھی
ساعتوں پہ کیوں ہے بے قرار
تجھ سی کئی شامیں میں نے دیکھی ہیں
مگر تجھ میں اک روپ ہے مدھم مدھم
ڈھلتے سورج کی کرنوں پہ فدا ہر سمندر!
سن ذرا مجھے کہ میری سوچ ہے تو
اور تیری سوچ پہ عکس میری باتوں کا
گزرتے لمحوں ذرا ٹھہرو کہ کس راحت تمہارا
میرے وجودِ نازک کو چھوتا گزر تو رہا ہے
مگر پھر نئے سال تجھے عشق کی راہوں کا
مداوا پھر سے بھرنا ہوگا
دسمبر کی ٹھٹھرتی شام سن ذرا
کہر زدہ خواہش میں بدن ٹوٹ رہا ہے
دسمبر ٹھہر ذرا! اک سوچ ہے ابھری
کیا اگلے سال پھر سے ملے ملیں گے
کہ جو حسرتیں تھیں سبھی سو گئیں
خواب سب سراب ہوئے
چل گزر جا کہ لو اپنی تڑپ پر
بہت تیری اداس سانسیں سہہ چکی!

ماہ نور نعیم......ضلع بھکر

سوچ کے مسکرا دیتا ہو!
اس کی خواب بھری آنکھوں میں
فقط ایک خواب پہ میرا نام ہو
اس کی یادوں کی چلمن میں کاش
میری یاد کا اس طرح سے آنا ہو
اس کی پیار بھری باتوں میں کاش
کوئی لفظ میرے نام کا بھی ادا ہو
کہیں بے خیالی میں میرا عکس بھی
کچھ اس طرح سے جھلملا جائے
لاکھ مصروف ہو اپنی زندگانی میں
ایک لمحہ مجھے سوچ کے مسکرا دیتا ہو!

مریم ماہ منیر......لاہور

غزل

کسی بھی رائیگانی کو کبھی بھی تم نہ سمجھو گے
ہماری زندگانی کو کبھی بھی تم نہ سمجھو گے
فقط دو چار آنسو ہی محبت ہو نہیں سکتے
دلوں کی راجدھانی کو کبھی بھی تم نہ سمجھو گے
ہمارا المیہ شاید بیاں ہرگز نہ ہو پائے

محبت کی کہانی کو کبھی بھی تم نہ سمجھو گے
تمہارے نام کی نظمیں تمہارے نام کی غزلیں
مرے شعروں کے معانی کو کبھی بھی تم نہ سمجھو گے
ہزاروں خواب رکھتے تھے فقط تیری محبت کے
مری آنکھوں کے پانی کو کبھی بھی تم نہ سمجھو گے
تمہیں چاہت سے بھیجے تھے وہ سب تحفے محبت کے
مری پہلی نشانی کو کبھی بھی تم نہ سمجھو گے
کہ تم سے پیار کر بیٹھے یہ صد افسوس ہے راشد
مری رسوا جوانی کو کبھی بھی تم نہ سمجھو گے

راشد ترین...... مظفر گڑھ

غزل

محلے سے دل کے تو جانا نہ اب کے
مری جان! مجھ کو رلانا نہ اب کے
یہ لمحات وصلت عجب جاں فزا ہیں
مجھے زہر فرقت پلانا نہ اب کے
ہے گر شہرِ دل غیر کا تم کو پیارا
مرے دل کی بستی میں آنا نہ اب کے
ہمہ وقت تکرار سے ہوں میں عاجز
ذرا سن! تو جھگڑا بڑھانا نہ اب کے

محمد زید...... فیصل آباد

آنکھیں

تجھے ملنے کو ترستی ہیں آنکھیں
اب تو دن رات برستی ہیں آنکھیں
ہم نے دیکھا نہیں سالوں سے تجھے
اب تو ہر وقت تڑپتی ہیں آنکھیں
کانچ، پتھر سے بھری رہتی ہیں
ٹوٹے ہوئے خوابوں کی بستی ہیں آنکھیں
دل سے اک روز دعوے سے کہیں گے
تجھ کو ہر طور سمجھتی ہیں آنکھیں
دھیرے دھیرے یقین آنے لگا ہے
اس پہ، چپ چاپ جو کہتی ہیں آنکھیں
اے ان آنکھوں کے مجرم آکے دیکھ
کیسے تیرے ذکر پہ چھلکتی ہیں آنکھیں
اب تو وحشت ہمیں ہونے لگی ہے
اس قدر سرخ سی رہتی ہیں آنکھیں
ڈوب جانے کو جی کرتا ہے فوراً
یوں روانی سے بہتی ہیں آنکھیں
اک زمانے کی تپش ہے ان میں
غم سے اپنے جو سلگتی ہیں آنکھیں

عائشہ اختر بٹ...... سرگودھا

گزارش

تیری......
یادوں سے
اب گزار
مشکل سے ہوتا ہے
میری......
اس مشکل کو
مٹانے کے لیے
فقط اتنی گزارش ہے
کہ تپتی دھوپوں میں
ان خاموش راتوں میں
تم......
لوٹ آؤ......
کہ گزارہ
مشکل سے ہوتا ہے

انعم...... برنالی

اداس رتوں میں

اداس موسم کی
اداس رتوں میں
وہ ساتھ ہوتا تو
یہ کہتا
وہ جو روشن ستارہ ہے
سب میں
پوچھو کہ کون ہے وہ؟
میں دھیرے سے مسکراتی
دھیما لہجہ لیے یہ کہتی
وہ جو روشن ستارہ ہے ہمدم
تم ہو وہ
ہاں
تم ہو وہ

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

نظم

عجیب مزاج تھا اس کا

پکڑ لیتا ہاتھ میرا وہ
انجان رستوں پر اکثر
کبھی وہ مجھ کو ٹھوکر سے گرا دیتا
کبھی میری آنکھوں میں
اک آنسو تک نہ دیکھ پاتا وہ
کبھی خود ہی رلا دیتا
عجیب مزاج تھا اس کا
کبھی دیکھ کر اداس مجھ کو
گلے سے لگا لیتا
کبھی تڑپتا دیکھ کر نظریں چرا لیتا
کبھی نہ بھولنے کا وعدہ لیتا مجھ سے
کبھی خود ہی بھلا دیتا
عجیب مزاج تھا اس کا
کبھی وہی صرف اپنا لگتا تھا
کبھی خول اجنبیت کا چڑھا لیتا
کبھی لگتا کہ مجھ کو دیکھ کر وہ جیتا ہے
کبھی میرا جینا مشکل بنا دیتا ہے
عجیب مزاج تھا اس کا

عتیقہ مظہر...... ضلع وہاڑی

اداسی روٹھ جاؤ

اداسی! روٹھ جاؤ ناں
مجھے تم کیوں رلاتی ہو؟
مانا کہ باوفا ہو تم
میرے سنگ بین کرتی ہو
کبھی جو اشک بہہ نکلیں
اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتی ہو
تمام شب میرے بستر پر
میرا تم ساتھ دیتی ہو
کسی منچلے محبوب کے جیسی
مجھ میں کھلکھلاتی ہو
مجھے تنہا نہیں کرتی
مجھ پہ بیت جاتی ہو
ہمیشہ ساتھ دیتی ہو
ہمیشہ پاس رہتی ہو
مگر اب مان لو نہ تم
مجھے اب چھوڑ جاؤ ناں
اداسی روٹھ جاؤ ناں......!

مدیحہ کنول سرور...... چشتیاں

غزل

وفاء کی راہیں اجال رکھنا
محبتوں کا خیال رکھنا
میری یادیں رہیں گیں روشن
میرے خطوں کو سنبھال رکھنا
مقدروں پر ہے زور کس کا
نہ لب پہ حرف ملال رکھنا
یہ دل تمہارا سدا رہے گا
تم آئینے میں نہ بال رکھنا
یہ کیسی الفر جدائیاں ہیں
خود کو پہروں نڈھال رکھنا

نعیمہ الفر ہاشمی...... جھنگ صدر

غزل

چاند تاروں سی حسیں ذات میرے نام کرو
اپنی زلفوں کی سیاہ رات میرے نام کرو
تم سے ممکن ہو اگر جاں وفا جیون میں
اک دسمبر کی کوئی شام میرے نام کرو
اپنی آنکھوں میں مچلتے ہوئے دریا سارے
اپنی آنکھوں کی یہ برسات میرے نام کرو
تتلیاں پھول محبت کے گلابی لمحے
اپنی یادوں کی یہ بارات میرے نام کرو
میری غزلیں، میری نظمیں تو تیرے نام ہوئیں
اپنے ہونٹوں کے یہ نغمات میرے نام کرو
تم محبت میں کوئی کھیل اگر کھیلو تو
میرے حصے کی مگر مات میرے نام کرو

فریدہ فری...... لاہور

تم سے مل کر دیکھتے ہیں

چلو کر کے دیکھتے ہیں
تم سے مل کر دیکھتے ہیں

ایک نیا خواب، ایک نئی امید
سوچوں کے دھنک رنگ پیراہن
چلو اوڑھ کے دیکھتے ہیں......
کہتے ہو ازل تک رہتے ہو
ہم بھی تمہیں پا کر دیکھتے ہیں
خاموش ہو کر بھی گیت اور ساز رکھتے ہو
ہم بند لبوں میں تمہیں چھپا کر دیکھتے ہیں
مگر دیکھو......!
مکرنا نہیں، منہ موڑنا نہیں
ہم تھوڑے حساس ہوتے ہیں
کانچ سے نازک
کبوتر سے معصوم ہوتے ہیں
نم بوندوں سے نرم......
پہلی بارش سے خاص ہوتے ہیں
چلو کر کے دیکھتے ہیں
تم سے مل کر دیکھتے ہیں
ہم بھی ایک بار
"محبت" کر کے دیکھتے ہیں

راؤ سیرا ایاز......کراچی

سالِ نو

مسکراتے ہوئے چہروں پہ الگ رونق ہے
کیا کوئی عید کی خوشیوں کی خبر لایا ہے
یہ دیکھو وقت کی رفتار تھم گئی پھر سے
لگتا ہے سالِ نو کا جشن لوٹ آیا ہے
کوئی عزم رکھتا ہے میں اقرارِ محبت کرلوں
کسی کو چاہ ہے میں چھوٹی سی شرارت کرلوں
سالِ نو کا وہ اک لمحہ سجانے کے لیے
کوئی مگن ہے میں تھوڑی سی عبادت کرلوں
کوئی گھر سے روٹھوں کو منانے نکلا
کوئی احباب کی محفل کو سجانے نکلا
سامنے اپنوں کو دیکھ، بہت سی آنکھیں نم ہیں
آج کی دنیا میں خوشیوں کے مواقع کم ہیں
چلو اس دن کو ذرا دھوم سے مناتے ہیں
کورے ہاتھوں کو حنائی پھولوں سے سجاتے ہیں
مایوسیوں کے بسیرے کو چھوڑ کر ہم بھی
اداس آنکھوں کو کاجل کی راہ دکھاتے ہیں
یادِ ماضی کی اس صدا کو چھوڑ کر پیچھے
نئے برس اپنی قسمت کو آزماتے ہیں
سنا ہے آج جو مانگو ضرور ملتا ہے
دل سے نکلی صدا اللہ قبول کرتا ہے
ان مسکراتے ہوئے چہروں کو دیکھ کر دل سے
دعا ہے ان کی رونق کو سلامت رکھنا
جو دل دھڑکتے ہیں محبت میں آج بھی یکتا
ان کی پاکیزہ محبت کو سلامت رکھنا
میرے اللہ......
وطن عزیز پناہ گاہ ہے زمانے بھر کی
اسے ناپاک ارادوں سے بچائے رکھنا
اور جو عزت تو نے قلمِ انعم کو بخشی ہے
رہتی دنیا تک یہ سماں، مان بنائے رکھنا......

انعم زہرہ......ملتان

نظم

قصہ ایک رات کا
ہوا کچھ یوں تھا
کہ دہلیز پر بیٹھی سوچ
میں ڈوبی اداس لڑکی
غالباً نیند سے روٹھی تھی
یا نیند اس سے روٹھی تھی
کون جانے خاموش آنکھوں میں
کتنے خواب لیے حسرت سے آسمان کو دیکھتی تھی
ہوا کے چھیڑ چھاڑ پر بھی وہ
نہ زلف سوارتی تھی نہ مسکراتی تھی
وہ معصوم لڑکی رات کے آخر پہر
محبت کے روٹھ جانے پر اور
اس کی چھوڑ جانے پر
دکھ کی چادر اوڑھے
اداس بیٹھی تھی

عثمان عبداللہ......کراچی



dkp@naeyufaq.com



ہما احمد

بہنوں کے نام

اس بار بھی میں اپنی لاڈلی نند فریدہ جاوید سے مخاطب ہوں۔ فری آپی آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے آمین۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ شگفتہ شفیق، شبانہ خالہ کو بھی مکمل صحت دے آمین۔ ام ہانی شاہد، شہرین زرناب خان، تابی کھرل، ماریہ نذیر میرے بیٹے منیب الحسن کو دعائیں دینے کا شکریہ۔ مدیحہ نورین مہک شادی کی مبارک باد قبول کریں۔ لبنیٰ شکیلہ، اقرأ جٹ، تحریم اینڈ رابعہ نور چوہدری، ام ہانی شاہد، ارم آصف، رمشا آصف، تابی کھرل، فائزہ بھٹی، رقیہ ناز میری نگارشات پسند فرمانے کا شکریہ۔ ایم سحر، ہمارا آنچل میں تمہارے جوابات پڑھ کر مسکرائے بنا نہیں رہ سکے۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ تمام آنچل فرینڈ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔

(پروین افضل شاہین...... بہاولنگر)

دل میں محبت کی کلکاریاں کھلانے والوں کے نام

پیاری دلاری بہنوں میری طرف سے سب کو نئے سال کی بہت بہت مبارک ہو، نیا سال سب کے لیے خوشیوں کا پیامبر بن کر آئے۔ سب کی مرادیں پوری ہوں، جو بے روزگار ہیں انہیں روزگار ملے۔ جن کی گود سونی ہے ان میں پھول کھل جائیں۔ سونی ہتھیلیوں والیوں کی ہتھیلیاں مہندی سے رچ جائیں۔ شگفتہ شفیق اللہ آپ کو کامل شفا عطا کرے آمین۔ افشاں علی آپ کو ''ڈھلتی شام کے گہرے سائے'' کی اشاعت پر بہت بہت مبارک میری مٹھائی پکی ناں، سباس گل آپ کو شعری مجموعے کی اشاعت پر بے حد مبارکاں پھر کب کھلا رہی ہیں مٹھائی۔ حرا قریشی اور مدیحہ نورین مہک آپ دونوں کو پیا کے گھر جانے کی بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو ہمیشہ شاد آباد رکھے آمین۔ پروین افضل شاہین آپ تو منیب الحسن کے ساتھ خوب مصروف ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ منے کو صحت و تندرستی والی لمبی زندگی دے آمین۔ کوثر خالد آپ کہاں ہیں میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں۔ نجم انجم اعوان آپ کو بہت سلام اور دعائیں۔ ہاجرہ کشف میں آپ کے لیے اور آپ کی بہن دونوں کے لیے نماز میں دعا کرتی ہوں۔ اللہ آپ دونوں کی گود جلد از جلد بھر دے۔ رقیہ ناز، انجم زہرہ، شاہ کنول، زرناب خان، زری ایمان غفور چوہان، فائزہ شاہ، ایمن فلک آپ سب میری نگارشات پسند کرتے ہیں آپ سب کا جزاک اللہ آپ سب کو بہت بہت سلام۔

(ارم کمال...... فیصل آباد)

آنچل دوستوں کے نام

السلام علیکم کیا حال ہے آپ سب کا امید کرتی ہوں کہ آپ سب خیریت سے ہوں گی۔ رقیہ ناز سلامت رہو۔ نور چوہدری، آپی حرا گل، میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟ میری پڑھائی بہت اچھی جارہی ہے۔ مصروفیت بڑھ گئی ہے۔ فائزہ شاہ آپی، ام ہانی شاہ، آنٹی ارم کمال کیا میری نگارشات آپ کو کبھی بھی اچھی نہیں لگتیں؟ کبھی تعریف بھی کرلیا کریں پلیز...... رمشا آصف، ارم آصف، ایمن فلک، ایمان غفور چوہان، زرناب خان، شاہ کنول، افشاں سراج، نجم انجم، (مما جانی) صائمہ مشتاق، ماریہ نذیر شانزہ پرویز شانو، آپ سب نے میری نگارشات پسند فرمائیں شکریہ۔ سدا سلامت رہو، اپنی اس فرینڈ کو بھی دعاؤں میں شامل کرلیا کریں۔ آپ سب کو نیا سال مبارک ہو۔ آپی اقرأ جٹ میں ٹھیک ٹھاک ہوں اور آپ؟ ام ہانی شاہد، ماریہ نذیر، عائشہ شکیل آپ سب فرینڈ سلامت رہیں۔ عزیزی گلشن چوہدری سلامت رہیں۔ فائزہ بھٹی، اقرأ ممتاز، کبریٰ خان چوہان، مدیحہ نورین آپ سب کو بہت سارا پیار۔

(نورین انجم اعوان...... کراچی)

پیاری شہزادیوں کے نام

السلام علیکم! پیاری بھابی پروین افضل شاہین اور پیارے بھتیجے منیب حسن کو بے حد سلام دعا اور پیار۔ سباس گل فصیحہ آصف، کرن شہزادی، انیلا طالب، نجم انجم، تبسم بشیر، اقرأ جٹ، کوثر خالد، رقیہ ناز، فائزہ شاہ، عنزہ یونس، زرناب خان، طیبہ خاور، مدیحہ نورین مہک، ام ہانی، شہلا عامر، شمائلہ کاشف، جازبہ عباسی، محترم طاہر قریشی، مشتاق قریشی، سعیدہ نثار، جویریہ احمد۔

(فریدہ فری...... لاہور)

اپنے پیاروں کے نام

آنچل اسٹاف رائٹرز اینڈ ریڈر کو میرا پیارا سا محبت بھرا سلام قبول ہو۔ لکھنے بیٹھوں تو آپ کے لیے الفاظ تو نہیں لیکن دل چاہتا ہے پھر بھی کچھ نہ کچھ لکھوں جو بھی لکھوں جیسا بھی لکھوں قبول کرنا۔ سب سے پہلے مقدس بی بی آپ کو ہماری طرف سے شادی مبارک ہو، ہمیں پتا ہے کہ آپ یہ لیٹر شادی کے بعد ہی پڑھو گی۔ اس لیے ایڈوانس شادی کی مبارک باد قبول ہو۔ آپ کی شادی کی ہمیں بہت خوشی ہے کہ ماں باپ کا فرض ادا ہورہا ہے۔ ساتھ ساتھ افسوس بھی کہ ایک عالمہ ہم سے دور چلی جائے گی۔ پھر ہم کس کی شکل دیکھ کر عمرے کا ثواب لیا کریں گے۔ حنظلی بی بی تم کیوں جیلس ہورہی ہو۔ تم بھی بن جاتیں عالمہ مذاق کررہی ہوں، آپ بھی کچھ کچھ اچھی ہو تو مائنڈ مت کرنا۔ اپنی بیٹی ام ہانی کو ہماری طرف سے پیار کرنا، عدیلہ عرف موٹی بلی کالا چوہا کیا کرتا ہے آپ کا سفید تو اسکول گیا ہوگا، اتنا گھور گھور کر نا دیکھو یار ہمیں اپنے بھانجے بہت پیارے ہیں۔ سیف اللہ اور عبداللہ ارے او عبیلہ آپی تم بھی اٹھ جاؤ تمہیں ہر وقت سونے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے اگر جو اٹھ جاؤ تو

کھاتی رہتی ہو۔ سناؤ آپ کی چڑیلیں کیسی ہیں، اللہ آپ کو اب نیک صحت مند لمبی زندگی والا بیٹا عطا کرے آمین۔ اب آپ سناؤ ڈاکٹر صاحب کیا حالات چل رہے ہیں آپ کے اب تو ہم سے کبھی بات بھی نہیں کی لگتا ہے بہت مصروف ہوگئے ہو، ہمارا لاڈلا اور شہزادہ عزل حسین تو کہیں گم ہی کردیا ہے یار یاد تو کرلیا کرو۔ جبین جی آپ جامعہ کا کوئی کام بھی کرلیا کرو بس پڑی سوئی رہتی ہو، اگر جو اٹھ جاؤ تو بالکل ایسے فریج کو چمٹی رہتی ہو۔ مریم جی آپ نے لپ اسٹک لگانی چھوڑی ہے یا پھر بات کروں امی سے تیری، سمجھ گئی ہونا ہمارا اشارہ۔ ایک دن چھوڑنا پڑے گا یہ آکلن سارا اور میرے پیارے ویر طلحہ احمد جی دانت صاف کرلیا کرو اور مجاہد جی تم کیوں ہنس رہے ہو کم ہنسا کرو ورنہ عینک پھر ٹوٹ جائے گی اور میرا پانچ سو روپیہ اب واپس کردو۔ اب یہ مت پوچھنا کون سا۔ اب بات ہو جائے دوستوں کی تو مصباح بتول کیسی ہو تم اور آپ کی بیٹی، امامہ کیسی ہے اب تو چلنا شروع کردیا ہوگا، اللہ سے دعا ہے اللہ آپ کو پیارا سا لمبی زندگی والا بیٹا عطا کرے اور ہماری دوستی کو برقرار رکھے آمین۔ عالمہ جی آپ کو عمرہ کی مبارک ہماری طرف سے بہت بہت آپ بہت لکی ہو جو شادی سے پہلے ہی اللہ کا گھر دیکھ آئی ہو ہمارے لیے بھی دعا کرلیا کرو۔ راحیلہ جی آپ کو اللہ نے بیٹا تو دے دیا ہے۔ اب ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کو اپنے گھر اور بچوں کا سکون عطا کرے۔ سعدیہ مہران آپ کو بیٹے کی ایڈوانس مبارک ہو، آنچل کے ذریعے۔ بھابی نبیلہ اور بھابی سعدیہ تم دونوں ہمیشہ ایسے ہی مسکراتی رہو اللہ بد نظر سے بچائے۔ دونوں کو، دونوں دیورانی جٹھانی ہمیشہ بہنیں بن کر ہی رہنا، ہماری پیاری ماں دل چھوٹا مت کریں آپ کے نواسے نواسیوں سے زیادہ پیار کرتے ہیں ہم آپ سے...... یہ شکوہ تو نا کیا کریں کہ آپ ہمیں یاد نہیں کرتیں، میرے نواسے نواسیاں ہی یاد کرتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے اللہ آپ کو صحت و تندرستی والی لمبی زندگی عطا کرے آمین ثم آمین اور آپ پانچوں کا سایہ ہم سب کے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے دادی، ابو، آپ امی چاچو جی جو کہ سب سے اہم ہیں، ہمارے لیے اور چچی جان لیلیٰ جی سب ہنستے مسکراتے رہیں، ہمیں آپ کی دعاؤں کی بہت بہت ضرورت ہے۔ بس دعا کیا کریں اللہ ہمیں صراط مستقیم پر چلائے آمین اور باقی جو بہنیں رہ گئی ہیں ان کو بھی ہماری طرف سے سلام قبول ہو۔ لائبہ میر آپ نے میرے بارے میں ایک بار لکھا تھا لیکن میں جواب نہیں دے پائی، کیسی ہو آپ جی میں وہی عقیلہ ہوں جو پہلے عقیلہ رضی اور عقیلہ شمائل کے نام سے لکھا کرتی تھی۔ اب اللہ حافظ یہ نہ ہو کہ جگہ ہی نہ ملے۔ فی امان اللہ۔

(عقیلہ انجم فضیلہ انجم......۴۰ چک ستیانہ بنگلہ)

آنچل فرینڈ کے نام

السلام علیکم کیسی ہیں آپ سب آنچل کی پریوں، ارے یار دیکھنا کہ کون آیا ہے۔ اچھا کرو صبر کڑیوں بتاتی ہوں صبر کرو تو میں رضوان احمد کی بیوی اور ایمان فاطمہ کی ماما ریمن غفور اور حرا گل غفور کی بھابی (اور آپ بھی بلا سکتی ہیں بھابی ٹھیک ہے) ہوں فائزہ بھٹی پیاری بہن آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں میں نے سوچا کہ آپ سب سے بات کروں تو فائزہ ایمن حرا گل تھی مہکا شاہ کی پھوپو ہیں تو میں مہکا شا کی چچی ٹھیک ہے اور فائزہ جی ویسے اب ہم رشتے دار ہوگئے ہیں، پھر ملنے کب آرہی ہو خانیوال (ہاہاہا) اچھا فائزہ آپ اپنی بھابی کا نام بھی تو لکھو پیاری فائزہ کو مجھے بھی پتا چلے کہ مہکاشہ کی ماما کا نام کیا ہے۔ فائزہ ہمیشہ خوش رہو ڈیئر سسٹرز ارم آصف اینڈ رمشاء آصف کیسی ہو آپ دونوں سسٹرز آپ بھی مجھے بہت اچھی لگتی ہو، ایمن حرا کو بھی اور اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے (آمین ثم آمین) ام ہانی آپ بھی مجھے اچھی لگتی ہو ڈیئر خوش رہو، نور چودھری نٹ کھٹ سی گڑیا آپ بھی خوش رہو، مدیحہ نورین مہک آپ ہم سب کو اچھی لگتی ہو۔ مطلب ایمن، حرا بھابی مہناز اور مجھے بھی جنوری میں آپ کی سالگرہ ہے۔ میری طرف سے ایڈوانس سالگرہ مبارک ہو اور شادی مبارک بھی۔ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے (آمین) رقیہ ناز، کرن شہزادی، افشاں سراج، جاذبہ عباسی، صائمہ مشتاق، عائشہ شکیل، ماریہ نذیر، رابعہ اینڈ تحریم، گلشن چودھری، زرتاب خان، تبسم اینڈ ماہا بشیر، فائزہ شاہ، شانزہ شالو، سعدیہ حورعین، انجم زہرہ، پرنسز، اریج خان، پروین افضل شاہین، نجم انجم نورین اور نجم، آپ سب مجھے بہت اچھی لگتی ہیں کیا آپ مجھ سے دوستی کرنا پسند کریں گی۔ میں منتظر رہوں گی آپ کے جواب کی ہمیشہ خوش رہو (آمین) اب میری کزنیں، نادیہ آپی، رانیہ، مہوش، عائشہ، سعدیہ ناز، صائمہ، روبیہ، کلثوم مہک، رالیحہ اقراء، مہرین، باجی نسیم، میں ایمن اور حرا آپ سب کو بہت یاد کرتی ہیں لو یو آپ آنچل فرینڈز اینڈ کزنز اور اس کے ساتھ مجھے اپنے دلوں اور آنچل میں جگہ دیں اپنا بہت خیال رکھنا اللہ حافظ۔

(شکیلہ رضوان چوہان......خانیوال)

کچھ اپنوں کے نام

السلام علیکم ڈیئر آنچل اسٹاف، ریڈرز، رائٹرز، حفصہ امید کرتی ہوں کہ آپ سب خیریت سے ہوں گی۔ آپی ہما احمد حفصہ تقریباً پانچ ماہ بعد حاضر ہورہی ہے پھر تھوڑی سی جگہ میرے نام۔ جی ہاں ہمارا نائن کا رزلٹ آچکا ہے اور ہماری امیدوں سے بڑھ کر، ڈاکٹر زارا تعبیر آپ نے کہا تھا کہ میں اپنا رزلٹ آپ کو بتاؤں تو سنیے ہمارے ٹوٹل نمبر ہیں 550 اور میرے حاصل کردہ نمبر 400 اب جلدی سے آپ اپنا بھی بتادیں۔ ماہ اور گل اتنی شاندار کامیابی پر میری طرف سے بہت بہت مبارک۔ مدیحہ اور صائقہ تم دونوں گھبراؤ مت انسان کامیابیوں سے نہیں ناکامیوں سے سیکھتا ہے توشبہ اور سائقہ مریم تم دونوں کو بھی اچھے رزلٹ پر مبارک، شانزہ پرویز شالو آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ہمارے لیے دعا کی اور بھی جس جس نے حفصہ کے لیے دل سے دعا کی اس کا شکریہ۔ ایم سحر اور مدیحہ نورین مہک آپ نے مجھے یاد رکھا شکریہ۔ اس کے علاوہ تابی کھرل، کرن شہزادی، پرنسز اریج خان (زناکس نیم) تبسم

بندر ماہا، نجم انجم، اقرا ممتاز، انعام زہرہ، آپ سب کی کیسی گزر رہی ہے زندگانی۔ سحر نسیم سحر نے اور دلکش مریم پلیز کم بیک آپ دونوں تو واپسی کا راستہ ہی بھول گئی ہیں۔ سحر سحری آپ کو شادی مبارک۔ اللہ آپ کو خوش رکھے آمین۔

(حفصہ نور...... گجرا)

آپی سندس کے لیے

السلام علیکم! سندس ڈیئر کیسی ہیں؟ مجھے پتا ہے کہ آپ ٹھیک ہیں۔ اس لیے پلیز آپی یہ منہ کے زاویے درست کرلیں، پتا تو ہے آپ کو کہ مجھے سندس ڈیئر کہنا کتنا اچھا لگتا ہے (ہاہاہا) آپی جی آج کل تو آپ ویسے ہی لفٹ نہیں کروا رہی بس عاصمہ کی کہانی سن لو زینب کی سن لو اور جب کلاس میں کسی کو سبق نہیں آتا تو پھر الزام دھر دینا کہ میں تو آپ لوگوں کی کہانی سن لیتی ہوں لیکن تم لوگ سبق نہیں یاد کرتے (ہاہاہا) اور اللہ معاف کرے میری طرف تو ایسے دیکھتی ہیں جیسے سارا قصور میرا ہو، دیکھ لیں اس دفعہ پھر آپ کے لیے آنچل میں پیغام تحریر کررہی ہوں۔ نورین فاطمہ کے لیے۔ یقین مانو صبح سی شام ہوتی ہے روزانہ ہزاروں لوگ ملتے ہیں کوئی ہم نام تم جیسا، کسی کی آواز تم جیسی، کوئی دوست تم جیسا کبھی تم بھی تو نظر آؤ...... مس یو دوست اور دوست (نورین) تمہیں شادی مبارک ہو اور ایک بیٹا بھی تمہارا ہے اس کی بھی مبارک ہو بھئی بہت کلی ہو اور بڑی چھپی رستم نکلی چپ کرکے شادی کرلی اور بتایا بھی نہیں۔ واہ کہاں کی دوستی اور کون سی دوستی، تم نے یہ بھی نہ سمجھا، چلو خیر جہاں بھی رہو اللہ تمہیں خوش رکھے آمین۔ یار کبھی ملنے کے لیے ہی آجاؤ دوستیں تو ہزاروں مل گئی پر یار تمہارے جیسی دوست ابھی تک نہیں ملی۔ میرے پاس ٹائم کم تھا۔ تین سال پہلے خبر ملی تھی کہ تمہاری شادی ہوگئی ہے۔ تین سال بعد آپ کا قاصد ملا ہے جس سے تمہاری خبر ملی تھی کہ تم واقعی شادی شادہ ہو اب تمہارا ایک بیٹا بھی ہے اور یہ بھی کہ لاہور میں رہتی ہو اگر اب یہ پیغام پڑھو تو ری پلائی ضرور لکھنا پلیز دوست میں انتظار کروں گی اور اگر تمہاری کوئی کزن یا دوست وغیرہ ڈائجسٹ پڑھتی ہے تو میں اس سے درخواست کروں گی۔ اگر وہ میرا یہ پیغام دیکھے تو نورین فاطمہ ولدم محمد نواز (مرحوم) کو ضرور بتائے (گ ب 351) پائی لاہور والیوں آسیہ خدیجہ، کیسی ہو یار 22 فروری کو تم بیس سال کی ہوجاؤ گی، ہپی ہپی ہپی برتھ ڈے ٹو یو دل لگا کر پڑھو ٹھیک ہے نا اور مس کومل شعیب آپ کیسی ہیں سوری کومل شعیب کہنے پر ہے تم میرے اور آسیہ سے چھوٹی لیکن اب ہم سے سینئر ہوگئی ہو اس لیے تھوڑا ادب سے مخاطب کرنا پڑے گا۔ کومل اینڈ کیسر اور آخر میں چھوٹی سی خالہ عذرا کو میرا اسلام ہو۔

(ایس صغریٰ شہزادی...... جڑانوالہ)

ڈریم گروپ کے نام

السلام علیکم! تو جی چاہنے والوں میں حاضر ہوگئی، آپ کی محفل میں۔ تو سنائیے کیا حال ہے ٹپ ٹاپ ہیں ناں سب، ہم اسلام آباد اسکول ٹور پے کرنے گئے تھے۔ بہت مزہ آیا سارا راستہ گاڑی میں ہم گاتے، چلاتے اور مزہ کرتے گئے۔ یوں تو اسلام آباد میں سینکڑوں بار گئی ہوں، کیونکہ میرا ننھیال وہاں ہے مگر ڈریم گروپ کے ساتھ جو مزہ آیا ساری زندگی یاد رہے گا۔ یہ ہمارا اسکول سے آخری ٹور تھا۔ آگئے کالج سے پتا نہیں جاپائیں یا نہیں۔ میوزیم، درشہ، شکر پڑیاں، فیصل مسجد، مونومینٹ، چڑیا گھر میں سب سے زیادہ مزہ فیصل مسجد میں آیا اور ان سب لوگوں کو رئیلی سوری جن کو میں نے تنگ کیا۔ موسٹلی ان دو کپلو سے شکر پڑیاں اور فیصل مسجد والے۔ حفصہ تم ساتھ نہیں تھیں۔ ہم نے تمہیں بہت مس کیا تھا۔ ڈریم گروپ ہمارے پورے اسکول میں فیمس ہے۔ تو شیبہ، مریم، حفصہ، اور ڈیئر ماہ جبیں تم سب اس گروپ کا حصہ ہو، آئی وش ہم کالج بھی ساتھ رہے۔ ان چاروں کے علاوہ آپ سب کی گلشن بھی اس گروپ کا حصہ ہے۔ (آہم آہم) تم چاروں میری زندگی کی سب سے اچھی فرینڈز ہو۔ میں نے ان چاروں کے نک نیم رکھے ہیں (شیب، مرم، خفا اور ماہی) بتائیے کیسے لگے۔ ہمارا اسکول میں ہمارا گروپ شرارتوں کے ساتھ ساتھ پڑھائی میں بھی فیمس ہے۔ ہمیشہ کلاس کی فائیو ٹاپ ممبرز ہم پانچوں کے ہوتے ہیں۔ اگر زندگی میں میری کوئی بھی بات بری لگی ہو یا دل دکھا ہو تو آئی ایم رئیلی سوری اور باقی پوری دس کلاس میں تم لوگ کو بہت تنگ کرتی (گل جو ہوتی) تو اس کے لیے رئیلی سوری تم سب بہت اچھی ہو خاص طور پر مدیحہ، میمونہ اور علشبہ تم تینوں میری بات کا برا نہ منانے کے لیے شکریہ۔ ایمان (مجھے تنگ مت کیا کرو) صاعقہ اور نسرین تم بھی اچھی ہو اور میری جنگلی بلی (ماہی) تم مجھے ذلیل کرنا چھوڑ دو۔ شیب ٹینشن مت لیا کرو۔ مرم (یار پڑھ لیا کرو تو کچھ کیونکہ تم میری ناک کٹواؤ گی) اینڈ ڈیئر خفی (حفصہ) پلیز میری باتوں کا برا مت منایا کرو اور تم چاروں نکمیاں میری قدر کرو۔ نہیں ملوں گی میں دوبارہ اینڈ تبسم اینڈ ماہا بشیر ہم اگلے سال آپ کے شہر ڈگری کالج آرہے ہیں۔ ہم سے ملنے ضرور آنا پلیز۔ آپ کا گھر ڈنگہ میں کس طرف ہے پلیز بتانا۔ شکر ہے نبیلہ آپی آپ نے جواب دیا۔ شازیہ آپی ہیں آپ اور سر آپ کے ساتھ ٹور پر جانے میں مزہ آیا۔ پچھلی بار لاہور گئے اس بار اسلام آباد۔ آپ نے ایک بھائی اور باپ کی طرح خیال کیا کی تھینک یو۔ اللہ آپ کو خوشیاں اور صحت دے۔ ڈریم گروپ کی فیورٹ ٹیچر نفیسہ آپ کا بھی شکریہ۔ آپ کے ساتھ بھی بہت مزہ آیا۔ اور میرے نمبر نائن کلاس میں 449 آئے تھے۔ چار دفعہ پہلے بھی میں نے بتایا مگر شائع نہیں ہوا۔ زارا تعبیر رزلٹ کیسا آیا۔ ڈیرا اور نورین انجم دعاؤں میں یاد رکھنے کا شکریہ۔ کیسی ہو آپ اور جنہوں نے مجھے یاد رکھا بے حد مشکور ہوں کہ زندگی کے کچھ لمحے میرے نام کرنے کے لیے، اس بار آنچل آنے سے پہلے لیٹر لکھ رہی ہوں کیونکہ لیٹ ملتا ہے اس لیے۔ ماہ رخ آپی پلیز خوش رہا کریں (اٹس مائی آڈر) اور مجھے آپ سے بات کرکے اچھا لگا۔ کرن شہزادی، اقرا آپی، نجم انجم کیا حال، حور عین حوری، افشاں

سراج، ماریہ دلکش مریم، مینا اینڈ حسینہ، زرکا زرگر، شانزہ، تابی کھرل کیسی ہو ڈیئر اور جن کے نام رہ گئے سوری۔ زندگی رہی تو پھر یاد کرو گی۔ پلیز دعاؤں میں یاد رکھنے کا اور آخر میں نیا سال آنے والا ہے، اگر کوئی غلطی ہوگئی مجھ سے تو معاف کردیجیے گا اور نیا سال مبارک ہو۔

(گلشان چوہدری...... گجرات)

محبت کرنے والوں کے نام

تمام دل رکھنے والوں کو میرا محبت بھرا اسلام، آپ سب نے جو محبت مجھے دی ہے اس کے لیے لفظ کم پڑ رہے ہیں۔ آپ کی پر خلوص دعاؤں کے لیے بہت بہت شکریہ۔ ''حرا غفور'' مجھے بھی آپ سے دوستی کرکے خوشی ہوگی۔ آج سے ہم پکی والی سہیلیاں۔ ''زیلش ارشان'' شکریہ کی ضرورت نہیں ڈیئر، ''گلشن چوہدری'' مجھے یاد رکھنے کا شکریہ۔ ''رابی این تحریم بھٹی'' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ ''ماریہ'' ڈیئر وسلام یاد کرنے کا شکریہ۔ ''افشاں سراج'' وسلام اور آپ کو بھی گزشتہ عید مبارک۔ ''جاذبہ عباس'' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ، آپ کا نام بہت خوب صورت ہے۔ ''سعدیہ حورعین حوری'' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ اور میری بھانجی ''عندلیب'' کے لیے خیر مبارک۔ جان کر خوشی ہوئی کہ میں آپ کو اپنی اپنی سی لگتی ہوں۔ میں بھی آپ کو اپنے دل کے قریب محسوس کرتی ہوں۔ پر آپ سب کی محبت اور ساتھ ہی تو ہے کہ میں زندگی کو پھر سے محسوس کرنے لگی ہوں۔ ''ثمرہ آصف'' ''منی منی ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، خدا آپ کی ہر خواہش پوری کرے اور آپ کو آپ کے اپنوں کے ساتھ شاد وآباد رکھے آمین۔ ڈیئر ''پروین افضل شاہین'' ننھے شہزادے کی آمد بہت بہت مبارک ہو خدا آپ کو اس ننھے پھول کی بہاریں دیکھنا نصیب فرمائے آمین۔ ''اقراء جٹ'' میری ''نیرنگ خیال'' میں غیر حاضری کو محسوس کرنے کا شکریہ۔ ''شانزہ پرویز شانو'' آپ کو میرا تبصرہ پسند آیا بہت شکریہ۔ نور چودھری ''آنسو'' ایک نظم نہیں ایک لمحہ کے لیے ایک خوب صورت یاد ہے۔ آپ کو پسند آئی جان کر بہت خوشی ہوئی۔ عائشہ شکیل ارم کمال، بنت حوا، حرا گل، ایم سحر ہزارہ، ماریہ نذیر اور پروین افضل شاہین میری شاعری کو پسند کرنے کا شکریہ۔ خدا آپ سب کو اور تمام آنچل فرینڈز کو بے پناہ خوشیوں سے نوازے ''آمین'' اجازت دیجیے خدا حافظ۔

(ام زہرہ...... جہانگیر آباد ملتان)

بڑے لوگوں کے نام

گلابوں میں مہکتا ہر دلعزیز سلام عرض ہو، کیسی ہو شہزادیوں، (آہم آہم) نور چودھری بالکل دوستوں میں تھینکس نہیں ہوتا بلکہ لڑائی ہوتی ہے (ہے ناں) ہاہاہا ہی ہی۔ ویسے جس خلوص کے ساتھ آپ نے مجھے خط لکھا تھا اتنا تو بنتا تھا آپ کو کیا معلوم؟ مجھے کتنی خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کا ڈریم پورا کرے آمین۔ کیا آپ ڈاکٹر بننا چاہتی ہیں؟ لیکن اب تو ہم سسٹرز ہیں ناں (اوکے ڈن)

تبسم بشیر اور ماہا بشیر کیسی ہو یار، مدیحہ نورین مہک یار آپ نے مجھے یاد نہیں کیا۔ ناراض ہو گیا مجھ سے۔ فائزہ بھٹی آپ کیسی ہیں۔ شانزہ پرویز بھی غائب تھیں۔ سحر سحری شادی کی مٹھائی تو کھلاؤ ہم نے آپ کو غائب نہیں ہونے دیا۔ (ہاہاہا) ثنا فرحان یار آپی آپ ادھر بھی انٹری دیا کرو ناں بروقت۔ مہر نزاکت نے شاید حساسیت طاری کرلی ہے خود پر (ڈونٹ مائنڈ فرینڈ) گلشن چودھری یار آپ بھی مجھے اپنی دوست بنائیں جلدی سے۔ ڈاکٹر تعبیر صاحبہ (یو آر ویری ناکس) اب تشریف لارہی ہیں بڑی شخصیت (آنی سودائے محمد سردار اور آنی ارم کمال) ذرا ادب سے بیٹھیے سب (ہی ہی ہی) دونوں آنی آپ کیسی ہیں؟ ارم آصف، نجمہ نذیر، ماریہ نذیر، اقراء جٹ، رقیہ ناز، عائش کشمالے، زیلش ارشان، گل مینا، ایچ ایس حسینہ، پروین افضل شاہین، نورین انجم، سمیہ کنول، یاسمین کنول، شرمیلا نگین، سعدیہ حورعین، فائزہ شاہ، زرناب کان، ثمرین اینڈ رباب ثانیہ الطاف، شازیہ ہاشم، سحرش میانوالی، فریدہ فری، حفصی بتول، نجم انجم، عائشہ وہالہ تکیم، عائشہ پرویز، ام ہانی، لائبہ علی، ام زہرہ، کنول ناز، حرا گل، ایم سحر سب کو سلام اور دوستی کی ریکوئسٹ ہے۔ اور آخر میں التماس ہے کہ خود کو اچھا ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ خود کو اس قابل بنائیں کہ آپ کو ثابت کرنے کی کوشش نہ کرنا پڑے اور پلیز میرے لیے دعا کیجیے۔ فی امان اللہ۔

(عائشہ شکیل...... گوجرہ)

گول گپیوں کے نام

میری پیری نٹ کھٹ کھٹی مٹی اور کڑوی شہزادیوں کی خدمت میں سلام، کیسے مزاج ہیں سب کے؟ ان شاء اللہ امید واثق ہے 2020ء کا پہلا مہینہ خوب انجوائے کررہی ہوں گی۔ کرن شہزادی وعلیکم السلام اور دعاؤں کے لیے شکریہ۔ سویٹی خوش رہو بہنا...... ثمرہ گلزار اکس ناٹ فیئر یار پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ اگر آپ نے دوستی کا نہیں کہنا تو میں کہہ دیتی ہوں۔ کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی ثمرہ گلزار؟ (ہاہاہا) پیاری عائشہ آپ مجھے آنٹی کی جگہ دادی پرداری سمجھ کر بھی نکال سکتی ہیں (ہاہاہا) اگر آپ مجھ سے لو کرتی ہیں تو جب میں پیپر دینے گوجرہ آؤں گی تو کیا آپ مجھ سے ملنا پسند کریں گی؟ مجھے بہت شوق ہے عائشہ چڑیل کو دیکھنے اور ملنے کا۔ ارے یار گھورو مت میں چڑیل ہوں اور آپ میری پیاری بہنا تو اس کا مطلب یہ کہ آپ بھی چڑیل ہیں (ہاہاہا سوری) اتنی محبت دینے کا شکریہ۔ اللہ پاک آپ کو لمبی زندگی دے اور ڈھیروں ساری خوشیاں آمین...... مینا دعا فرام ملتان پیاری بہنا آپ خود بہت اچھی ہوں گی تب ہی میں آپ کو اچھی لگی۔ یاد کرنے کا شکریہ۔ میری پیاری اداس سی دوست تبسم بشیر میں آپ سے نہیں لڑ سکتی یار وہ تو بس دھمکی دیتی ہوں تاکہ آپ آتی رہا کریں۔ میں سب سے پہلے آپ کو ہی ڈھونڈتی ہوں لیکن آپ گم ہوجاتی ہیں، ایسا نہ کیا کریں پلیز...... آنٹی جی کو اللہ پاک حیات خضر عطا فرمائے (آمین) کیا آپ بتاسکتی ہیں کہ آنٹی جی کو ہوا کیا ہے؟ کیا پتا میں

کچھ مدد کروا دوں آپ کی...... پیاری بہنا مجھے امید ہے بلکہ پختہ یقین ہے، آپ کو ہر قدم پر کامیابی ملے گی اور آپ کی ہر جائز خواہش پوری ہوگی ان شاء اللہ۔ آئی لو یو تبسم بشیر۔ مدیحہ طارق میں ٹھیک ہوں اور آپ کیسی ہیں بہنا؟ رابعہ احمد مبارک ہو بھانجی کی میں ایڈریس بتا دیتی ہوں لیکن آپ کو ضرور آنا ہوگا۔ پیر محل روڈ پر 54/2 ٹکڑا آتا ہے وہ ہمارا گاؤں ہے اور ہم محلہ گلبہار نزد ٹی ہاسپٹل کے پاس رہتے ہیں، آپ وہاں آ کر کسی سے بھی حافظ بشیر یا ماسٹر بھٹہ کے گھر کا پوچھ سکتی ہیں اب جلدی سے آ جانا اوکے...... شانزہ پرویز کدھر غائب ہو؟ اب جلدی سے آنچل میں انٹری دو مدیحہ نورین زندگی کا نیا سفر مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نئے سفر میں ڈھیر ساری خوشیاں اور سکون دے آمین۔ میری روٹھی ہوئی پیاری آپی تبسم چشتی آپ کو کیا لگتا ہے میں آپ کو بھول گئی ہوں؟ دراصل مجھے بھی غصہ ہے آپ لوگ صرف ایک دفعہ آئے اور اس کے بعد گدھے کے سینگوں کی طرح غائب ہو گئے۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں اقرا اور آمنہ کیسی ہیں؟ اگر یہ دونوں اکیڈمی آتی ہیں تو شازمہ سے میرا نمبر لے کر مجھ سے بات کرو اور ہاں وہ چڑیل بدر کیسی ہے؟ میں نے سنا ہے ہاں ہاں وہی آگے خود سمجھدار ہو سمجھ جاؤ (ہاہاہا) اقرا ممتاز کم بیک سون پلیز اوکے ڈیئرز اپنا خیال رکھیے گا اور اپنے آس پاس والوں کا بھی، عائشہ شکیل سدھر جا (ہاہاہا) فی امان اللہ۔

(نورے ایمان چودھری...... کمالیہ)

کیوٹ کیوٹ لڑکیوں کے نام

ہما آپی آپ اتنا غصہ میں؟ ہائے اللہ قسم سے اب تو غصہ میں آفت لگ رہی ہیں تو مسکراتے ہوئے کیا قیامت ڈھاتی ہوں گی؟ میں بہت مختصر پیغام لکھوں گی آپ شامل کر دیجیے گا پلیز۔ پیاری پیاری لڑکیوں کیسی ہو آپ سب؟ جو جو مجھے ہر ماہ یاد کرتا ہے اس کا تہہ دل سے شکریہ۔ آپ لوگوں کی بے لوث محبت کی میں دل سے قدر دان ہوں۔ خصوصاً تبسم بشیر، ام ہانی، فائزہ شاہ، نور، شانزہ اور عائشہ شکیل، آپ سب بہت اچھی ہو یار۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ خوش رکھے آپ لوگوں کو۔ عائشہ پرویز، کرن شہزادی، ثمرہ گلزار (ثمرہ آپ کو تو میں نے پکی دوست بنانا ہے پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، کسی ایک نے بھروسا توڑا ہے۔ اس کی سزا دوسروں کو نہ دیں جی آپ میری دوست ہوا اوکے۔ عائشہ شکیل، ایمن غفور، حرا غفور بہت کمی محسوس ہوئی' بینا دعا، عظمیٰ بتول میری دوست بھی رہتی ہے تلہ گنگ میں رقیہ خاتون' انجم زہرہ، رقیہ ناز، تبسم بشیر، مدیحہ طارق، صائمہ مشتاق، فائزہ بھٹی، زرنات خان، رمشا آصف، ارم آصف، فائزہ صغیر، پری وش، رابعہ اینڈ تحریم، رابعہ عمر، فاریہ، ثوبیہ سحر، سمعیہ سجاول، نمرہ اکرم، مدیحہ نورین، ارم کمال، یاسمین کنول، ارم ماہرہ، عنبر مجید، یاسمین کنول، ارم ماہرہ، عنبر مجید سمیعہ خان، شیریں اسلم، عظمیٰ بتول، اسماء صدیقہ، امن فلک اور جن جن کے نام رہ گئے ان کے لیے سوری، یاد مجھے آپ سب ہی ہو۔ خوش رہو اور خوشیاں بانٹو۔ اللہ کی امان میں۔

(ماریہ نذیر...... بھاگٹانوالہ)

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! مائی سویٹ ہارٹ اریج خان، تبسم بشیر حسین، ام ہانی، زارا تعبیر اور چلبلی عائشہ شکیل کیسی ہو سب' کیا ہو رہا ہے؟ آئی مس یو ویری مچ، رمشا آصف، ثمرہ گلزار، ارم کمال، شیریں کمال، اسماء صدیقہ، ثمینہ مصری، امن ملک، رضوانہ وقاص، ام ہانی، کرن شہزادی اور عائشہ شکیل آپ سب کو میرا انٹرویو پسند آیا بہت شکریہ اور میری طرف سے آپ سب کو ڈھیروں دعائیں خوش رہو۔ مدیحہ نورین آپ کو شادی مبارک ہو رابعہ احمد بھٹی اور تحریم آپ نے یاد کیا آئی ایم فائن تھینک یو۔ رقیہ ناز، کوثر خالد، ماریہ نذیر اقرا ممتاز، حرا گل، غفور، انجم زہرہ، ثنا کنول، علشبہ خان، انیلہ طالب، شانزہ شانو، نور چوہدری، فیاض اسحاق تالی گھرل، فائزہ بھٹی، فائزہ شاہ، رمشاء آصف، مدیحہ طارق، عیشا شوکت، مدیم روبی، نجم انجم اعوان، ثنا فرحان، گلشن چوہدری حفصہ، نجمہ نذیر اور ثوبیہ سحر آپ سب کو اور جن کے نام رہ گئے ہیں انہیں بھی میری طور سے محبتوں بھرا سلام قبول ہو۔ دعا ہے کہ اللہ پاک اس نئے سال میں آپ کو ڈھیروں خوشیاں دے آپ سب جو بھی دعا مانگیں وہ قبول ہو آمین۔

(ایم سحر ہزارہ...... ایبٹ آباد)

فاطمہ ظفر' صبیحہ گلفام' عشرت کے نام

السلام علیکم، مائی ڈیئر فرینڈز عشرت، فاطمہ مجید آپ سب کیسی ہو ٹھیک ہی ہو گئیں۔ تم ویلیوں کو کیا ہونا ہے مجید جی آپ کی برتھ ڈے جنوری میں منی منی آپی برتھ ڈے ٹو یو تم خوش رہو اپنے خرچے پر۔ اللہ تمہیں خوش رکھے ہمیشہ، فاطمہ ظفر، عشرت فاطمہ ہاؤ آر یو یار تم دونوں تو کسی کو لفٹ ہی نہیں کرواتیں، مارچ میں آپ دونوں کی برتھ ڈے ہے مبارک ہو جناب سب سے پہلے میں وش کر رہی ہوں سب سے پہلے آپ دونوں نے کیک بھی مجھے ہی کھلانا ہے۔ ویسے تم دونوں سے امید تو نہیں ہے پھر بھی چلو ہم وش کر ہی دیتے ہیں منی منی آپی برتھ ڈے ٹو یو تم دونوں پھولوں کی طرح مہکتی رہو۔ چاند کی طرح چمکتی رہو اللہ تم دونوں کو نظر بد سے بچائے (ہاہاہا) زیادہ خوش نہ ہو جانا صبیحہ جی (ہاہاہا) ایویں میں مدیحہ ظفر مائی ڈیئر کزن جنوری میں تمہاری بھی برتھ ڈے ہے میری جانب سے مبارک ہو، ہمیشہ خوش رہو۔ میری سویٹ سی پیاری سی بھتیجی سی بھتیجی نور سحر کی بھی برتھ ڈے جنوری میں ہے۔ اللہ میری بھتیجی کو لمبی زندگی عطا فرمائے اور ہمیشہ خوش رکھے آمین عائشہ شکیل ڈیئر جب میرے پاس بھی سیل ہوگا تو میں بھی آپ کی آئی ڈی دیکھوں گی آپ تو میری پیاری سے دوست ہو نا گلشن چودھری یار آپ نے کتنے اچھے نمبر لیے ہیں، آپ تو لائک فائٹ عورت ہیں ہاہاہا، عورت مذاق کر رہی ہوں آپ تو میرے جیسی معصوم سی بچی ہیں، نور چوہدری کیسی ہو۔ آپی حنا شاد، آپی نجمہ نذیر، آپی جویریہ دبی، آپی شازیہ ہاشم ایمن غفور، سب کو سلام آپی شاہیہ ہاشم آپ اپنا نمبر دو نا

مجھے آپ بہت اچھی لگتی ہیں اللہ حافظ۔

(ثمرہ گلزار.....کوٹلی گجرات)

آنچل کی پریوں کے نام

السلام علیکم! تمام آنچل اسٹاف، قارئین اور لکھاریوں کو میری طرف سے بہت بہت دعائیں اور سلام قبول ہو۔ مائی سویٹ حرا غفور اگر اگست کے شمارے میں غور کرتی تو ہمیں اپنا منتظر پاتیں، غائب نہیں ہوئے نہ آنا چھوڑا ہے۔ رانی اینڈ تحریم بھٹی ڈیئر کیسی ہو یار اتنے پیارے سے نام لیتی ہو کہ بندہ ڈیش ہو جاتا ہے، سمجھ گئی ناں۔ افشاں سراج، ہمیں ادھر ادھر مت ڈھونڈو اپنے دل میں چھپا کر، سعدیہ فیض یار ملتان آ بھی جاؤ۔ فرزانہ مہر رزلٹ کیسا آیا تمہارا مجھے میسج کردو اور کیا کرو گی آگے علینہ کا کچھ اتا پتا ہے یا نہیں۔ سدرہ ریاض تم تو ایسے غائب ہو جیسی میں نے تمہاری بھینس چرائی ہو۔ عائشہ شکیل، اقرأ جٹ، علشبہ خان، پرنسز اریج خان، (ڈاکٹر زارا تعبیر یار ہے ہما احمد نے آپ کا لیٹر فرسٹ پر کیوں لگایا کیوں کہ وہ ڈرتی بھی نہیں آپ اسے انجکشن نہ لگا دو) یار اپنے نمبر تو بتادو بہت انتظار کیا آپ کے رزلٹ کا ڈیئر شانو، کنول ناز، حفظی بتول ساتھ بیٹھنا چینا خالد کی طرح چھوڑ مت جانا اور شازیہ شمائلہ، نرگس ارم یار دو ہو یا چار آپ سب کا تہہ دل سے شکریہ اور دعائیں کہ آپ نے میرا شعر پسند کیا، تھینک یو سوچ۔ اقرأ جٹ ایک بار میرا نام رقیہ لکھا پھر رقیہ بھول جاتی ہو، یار اتنی جلدی غلط بات۔ زیلش ارشمان ویری نائس نیم پرنسز۔ سالگرہ کی بہت بہت مبارک باد ہو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا کی ہر خوشی دے آمین۔ یار آتی رہا کرو اچھا لگتا ہے اینڈ نجم انجم آنی کیسی ہیں یاد بھی نہیں کرتی کیا بات ہے۔ فریدہ فری یوسف، کوثر خالد، مدیحہ نورین، مہک، پروین افضل شاہین، نجم انجم عشنا کوثر سردار، فاخرہ گل، اقرأ صغیر، صائمہ قریشی، ندا حسین، میمونہ رومان، طلعت آغاز، ایمان وقار، ہما احمد، جویریہ سالک، شہلا عامر، شمائلہ کاشف، مشتاق احمد قریشی، انیلا طالب اور سباس گل آپ سب ہمارے آنچل کی وہ جگمگاتے ستارے ہیں اگر ایک بھی نہ ہو تو یہ آنچل نامکمل لگتا ہے۔ میری دعا ہے کہ آنچل کے یہ ستارے ہمیشہ جگمگاتے رہیں اور روز اول کی طرح روشن رہیں اور کامیابیاں سمیٹتے رہیں بہت ساری دعائیں آپ سب کے لیے اور مائی ڈیئر قیصر آرا کے لیے اللہ ان کو خوشیاں دیں آمین۔

(رقیہ ناز.....میلسی)

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! سب لوگ کیسے ہو؟ امید ہے سب خوش باش ہوں گے۔ جن لوگوں نے نومبر کے شمارے میں مجھے یاد کیا ان کے نام لکھ رہی ہوں۔ سب سے پہلے لالہ رخ کھوکھر آپ نے میرا نام تو نہیں لکھا مگر آپ نے پڑھنے والوں کو سلام بھیجا ہے تو وعلیکم السلام اور ٹھیک ہوں میں آپ سناؤ۔ فاریہ آنچل نگری، مدیحہ نورین مہک شکریہ کی کوئی بات نہیں دوستوں کو شکریہ نہیں بولتے اور دوستوں کو یاد تو کرنا چاہیے ناں۔ خوش رہیں ہمیشہ۔ روبینہ کوثر وعلیکم السلام۔ ام

ہانی شاہد آپ کی دوستی قبول ہے۔ آپ کا چھوٹا سا دل نہیں توڑا اور قبول کرلی دوستی۔ حرا گل غفور میں ہی ماریہ ہوں اور بھاگٹا نوالہ والی بھی (ہاہاہا) کنفیوز مت ہو جناب۔ یاد کرنے کے لیے شکریہ۔ افشاں سراج آپ کو بھی سلام اور دعائیں۔ ایم غفور ہاہا سوری گڑیا میں ایک ہی ہوں۔ اب کنفیوز مت ہونا اور حرا کو بھی بتا دینا۔ ایمان فاطمہ لاہور، بہت بہت خوش آمدید جی۔ پھولوں کا ہار آپ کے لیے (ہاہاہا) نجم انجم اعوان بہت شکریہ یاد کرنے کے لیے۔ سب لوگ بہت خوش رہیں خوشیاں بانٹیں۔ جہاں ضرورت ہو مل بیٹھنے کی وہاں مل بیٹھیں جڑ جائیں اور جہاں ضرورت ہو آپ کی تو وہاں آپ ہی کمال دکھایئے کیونکہ کام سے ہی روشن نام اور کام ہی کرے گا روشن نام سب آنچل اسٹاف کو اور سب دوستوں کو سلام و دعائیں۔ جو غیر حاضر ہیں وہ بھی آجائیں۔ فی امان اللہ۔ خدا حافظ۔

(ماریہ نذیر.....بھاگٹانوالہ)

اپنوں اینڈ آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم جی کیا حال ہیں، یقیناً سب کا سردی کی وجہ سے برا حال ہے کیونکہ مجھے تو بہت سردی لگتی ہے اور چھٹیاں کیسی گزر رہی ہیں، سب کی اور ہاں جی میری طرف سے سب کو نیا سال بہت مبارک ہو اللہ پاک آنے والے سال میں میرے ابو، امی کی پریشانیوں کو دور فرمائے انہیں صحت وتندرستی والی زندگی عطا فرمائے ان کا سایہ سلامت رکھے میرے بھائیوں کو ترقی وکامرانی نصیب ہو، پندرہ فروری کو فاطمہ ایمان آپ کی سالگرہ ہے اللہ آپ کو لمبی صحت والی زندگی دے۔ ایسی ہزاروں سالگرہ نصیب ہوں آمین۔ رقیہ آنی اینڈ عامر انکل آپ کو شادی کی سالگرہ مبارک ہو۔ اللہ آپ کا ساتھ ہمیشہ قائم رکھے آپ کو بچوں کے ساتھ خوش وخرم آباد رہیں۔ رضوانہ وقاص جی آپ کے بیٹوں کو سالگرہ مبارک ہو اللہ آپ کو صحت دے۔ آپ کے بیٹوں کو آپ کا فرمان بردار بنائے۔ اریبہ کزن خوش رہو۔ آنچل فرینڈز مدیحہ مہک نورین شادی مبارک ہو، تبسم بشیر، ماریہ نذیر، فائزہ بھٹی، رقیہ ناز، تمنا بلوچ، میری شہلا، فوزیہ سعدیہ، بشریٰ ثمرین، نازش اقرأ، وغیرہ کو سلام۔

(شہرین اسلم.....چوک شاہدرہ)



yaadgar@naeyufaq.com



جویریہ سالک

عذاب کا فیصلہ

"تو کیا وہ شخص جس پر ثابت ہو چکا ہے عذاب کا فیصلہ" (سورت الزمر آیت نمبر ۱۹)

ترجمہ: یعنی جو شخص عذاب کا مستحق ہو چکا ہے کیا وہ اس شخص کے برابر ہو جائے گا جو کہ جنت میں جانے والا ہے؟

ترجمہ: تو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ اس کو بچا سکیں گے جو آگ میں ہے؟

یہ وہ لوگ ہیں جو عذاب سے متعلق اللہ کے قانون کی زد میں آ چکے ہیں۔ تمام حجت ہو جانے کے بعد ان کے دلوں پر مہریں لگادی گئی ہیں۔ وہ گمراہی میں اس حد تک آگے جا چکے ہیں کہ اب ایمان کی طرف ان کی واپسی کا کوئی امکان نہیں۔ چنانچہ اب وہ آگ کا ایندھن بننے والے ہیں اور اس مرحلے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس بھیانک انجام سے نہیں بچا سکتے۔

حسن اختر پریم...... گلشن اقبال، کراچی

فاروق اور فاروق اعظم کا خطاب

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ فرمایا...... کیوں نہیں، تو عرض کیا: حضور ﷺ ہم اپنا دین کیوں پوشیدہ رکھیں؟ چنانچہ مسلمانوں کی دو صفیں بنیں، ایک کی قیادت عم رسول حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے اور دوسری صف کی قیادت حضرت عمر رضی عنہ اللہ نے فرمائی اور مسجد حرام میں داخل ہو کر اسلام کا باآواز بلند اظہار کرتے ہوئے اعلانیہ عبادت کی۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فاروق (حق و باطل میں فرق کرنے والا) کا خطاب عطا فرمایا اور اب دنیا بھر کے تمام مسلمان آپ کا ذکر "فاروق اعظم" کے نام سے کرتے ہیں۔

زبیر اختر...... کراچی

مسافر

☆ معمولی معمولی باتوں کو دل میں رہائش نہ دیں کیونکہ اگر یہ "دل کی مکین" بن جائیں تو بڑے بڑے رشتے "مسافر" بن جاتے ہیں۔

☆ ہر رشتہ معصوم پرندے کی طرح ہوتا ہے۔ سختی سے پکڑو تو مر جائے گا، نرمی سے پکڑو تو اڑ جائے گا مگر محبت سے پکڑو گے تو عمر بھر ساتھ نبھائے گا۔

ایم سحر ہزارہ...... ایبٹ آباد

میری ڈائری سے

"میں نے محبت کو بہت برا بھلا کہا، گالیاں دیں مگر پھر ایک دن یہ رشتہ مجھے مل گیا۔ میرا اللہ مجھے مل گیا، مجھے وہ سب مل گیا جو میں چاہتا تھا۔ میں نے دیکھا تو محبت کھڑی مسکرا رہی تھی۔

ہاں یہ محبت ہی تھی جس نے سب کچھ میرا مجھے لوٹایا۔"

اقرا جٹ...... منچن آباد

سنہری باتیں

☆ مجھے وہ دوست پسند ہے جو محفل میں میری غلطیاں چھپائے اور تنہائی میں میری غلطیوں پر تنقید کرے۔

☆ اگر تم اسے نہ پا سکو جسے تم چاہتے ہو تو اسے ضرور پالینا جو تمہیں چاہتا ہے کیونکہ چاہنے سے چاہے جانے کا احساس زیادہ خوب صورت ہوتا ہے۔

☆ جلد سے جلد تجربہ کار ہونے کے لیے ایک اصول یاد رکھیں زبان بند مگر آنکھیں اور کان کھلے رکھیں۔

☆ مشکلات کو دور کرنے، خواہشات کو دبانے اور تکالیف برداشت کرنے سے انسان کا کردار مضبوط اور پاکیزہ ہوتا ہے۔

☆ پریشان ہونے والوں کو کبھی نہ کبھی سکون مل بھی

جاتا ہے لیکن پریشان کرنے والا ہمیشہ سکون کی تلاش میں ہی رہتا ہے۔

☆ جس گھر میں نیک ماں موجود ہے اس گھر میں اللہ کی خاص رحمت ہے۔

نجم انجم اعوان...... کراچی

بیمار کی مزاج پرسی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور جو شام کے وقت عیادت کرتا ہے اس کے لیے ستر ہزار فرشتے صبح تک دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک باغ ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

رمشا آصف...... خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ

رزق اور اولاد

کہتے ہیں کہ رزق عورت کی قسمت میں ہوتا ہے اور اولاد مرد کی قسمت میں لیکن وقت نے کیسا پلٹا کھایا ہے اولاد نہ ہو تو مرد بیوی کو چھوڑ دیتا ہے اور رزق نہ ہو تو عورت مرد کو چھوڑ دیتی ہے۔

ثمرہ گلزار...... کوٹلی گجرات

سچی باتیں

☆ سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والے زہر کا نام ہے "اگنور کرنا"

☆ زندگی کے جس چاک کو عقل نہیں سی سکتی محبت اسے اپنی تار اور سوئی کے بغیر سی دیتی ہے۔

☆ جدائیوں کے فیصلے...... مشکل سے ہوں یا آسانی سے ان پر عمل یقیناً انسان کو آدھا مار دیتا ہے۔

☆ کسی کا دل مت دکھاؤ ہو سکتا ہے وہ تمہیں ایسے چاہتا ہو جیسے مرنے والا زندگی۔

☆ عبادت گاہ میں داخل ہونے سے پہلے صرف جوتے ہی باہر اتارنا نہیں ہوتا بلکہ انا کو اپنے ہی جوتوں کے نیچے رکھ کر آنا پڑتا ہے تاکہ حقیقت میں سجدہ ہو سکے۔

شگفتہ خان...... بھلوال

ہم لڑکیاں

ہم کیا جانیں ہم کون ہیں؟ کیا کریں اور کیا نہ کریں؟ ہماری گردنوں میں تو نظر نہ آنے والے دھاگے بندھے ہوئے ہیں اور پردے کے پیچھے چھپے ہوئے ہاتھ کبھی ان دھاگوں کو اوپر کھینچتے ہیں اور کبھی گرا دیتے ہیں، ہم تو آٹے کے چراغ ہیں جنہیں کسی نہ کسی کی خوراک بننا ہے۔

اقتباس: قرۃ العین حیدر...... تبسم بشیر حسین...... ڈنگر

جنوری

ج...... جو تم کہو وعدہ کرلیں تم سے لیکن

ن...... نجانے کیوں گمان ہوتا ہے

و...... وعدہ تو ٹوٹ بھی جاتا ہے

ر...... راہ پہ چھڑا بھی جاتا ہے

ی...... یہ دنیا مکر و فریب کی دنیا ہے

یہاں سب کچھ چلتا ہے۔

عائشہ پرویز...... کراچی

دنیا

یہ کیسی دنیا ہے کہ\
کبھی روشن ستاروں سی\
کبھی یہ صحرا ہے\
کبھی یہ خوشبو کی طرح\
فضا کو معطر کرتی ہے\
کبھی گھٹن ہے کبھی سزا\
کبھی بدنام کرتی ہے\
یارب!\
یہ تیری کیسی دنیا ہے

عائشہ شکیل...... گوجرہ

تعلیمی جائزہ

پرائیوٹ میڈیکل کالج میں جب تک بچے ہڈی اور کھال کے بارے میں پڑھ کر فارغ ہوتے ہیں، تب تک ان کے والدین کی کھال اتر چکی ہوتی ہے۔

"بھئی یونیورسٹی کے ہوسٹل سے میرے بیٹے کا خط آتا

ہے تو بہت سے الفاظ کے معنی جاننے کے لیے مجھے ڈکشنری دیکھنا پڑتی ہے۔"
"تم خوش نصیب ہو۔ میرے بیٹے کا خط آتا ہے تو مجھے اپنا بینک اکاؤنٹ دیکھنا پڑتا ہے۔"
"خاور شادی کیوں نہیں کرتا؟"
"اس نے بیچلرز ڈگری لے رکھی ہے۔"
"بیٹا! تم یونیورسٹی کی تعلیم سے فارغ ہو گئے ہو تو اب تمہارا کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"
"ڈیڈی! میں اب آپ کے ساتھ بیٹھ کر خوب صورت ماضی کی یادیں تازہ کروں گا۔"

کرن شہزادی...... مانسہرہ

نئے سال کی دعا

قدم قدم پر ملے اک نئی خوشی تم کو
اندھیری رات میں مل جائے روشنی تم کو
ہے میری دعا لگ جائے تم کو
مل جائے میرے حیات کے لمحوں کی زندگی تم کو

پرنس ارتج خان...... بھیر کنڈ

انتظار

راستہ انجان تھا
اور میں اس راستے کو
اپنی نظر سے ناپنا چاہتی تھی
راستہ اس قدر طویل تھا
کہ میری نظر اس کے ساتھ
سفر کرتے کرتے بہت دور نکل گئی
میں اپنی نظر کی واپسی کی
آج تک منتظر ہوں۔

عروسہ پرویز...... کالس

بھروسا

بھروسا ٹوٹ کر کرنا کسی پر
کہ جان و دل سے یوں مرنا کسی پر
اذیت ہے بڑی یہ جان لیوا
قصور اپنا ہو اور دھرنا کسی پر

سباس گل...... رحیم یار خان

بیویوں کی اقسام

بیویاں دو طرح کی ہوتی ہیں
ایک وہ جو شوہر کو شوہر سمجھتی ہیں
دوسری وہ جو شوہر کو شوہر تو سمجھتی ہیں پر اس سے آگے کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتیں۔

عثمان عبداللہ...... ملتان

عورت

عورت وہ خوب صورت احساس ہے، جس کی تم جتنی عزت کرو گے وہ اتنی تمہاری قدر کرے گی جتنا پیار دو گے سب قربان کردے گی اور اگر یہی عزت پیار کی بجائے ذلیل ورسوا کرو گے وہ نفرت میں جیت جاتی ہے کوئی اس نفرت کو کم نہیں کرسکتا۔

عائشہ خان...... ڈسکہ

اقوال زریں

بیوقوف دوست سے عقل مند دشمن بہتر ہے۔
سب سے بڑی خیانت قوم سے غداری ہے۔
اگر کسی پر احسان کرو تو اس کو چھپاؤ اگر تم پر کوئی احسان کرے تو اس کو ظاہر کرو۔
اچھی کتاب زندگی کا بہترین سرمایہ ہے۔

رابعہ شاہین...... ننکانہ صاحب

تبدیلی

انسان گھر تبدیل کرتا ہے، لباس تبدیل کرتا ہے، دوست تبدیل کرتا ہے مگر پھر بھی پریشان رہتا ہے کیونکہ وہ خود کو تبدیل نہیں کرتا۔

میمونہ خان شیروانی...... کبیر والا





dish@aanchal.com.pk
شہلا عامر

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اس بار کافی تعداد میں آپ سب کے تبصرے موصول ہوئے ہیں اور ابھی تک موصول ہو ہی رہے ہیں جب کہ پرچا تقریباً اپنے تکمیل کے مراحل میں ہے اور جگہ بھی نہیں ہے۔ یعنی صفحات کی کمی ہے، کوشش تو یہ ہی کی ہے کہ سب کو جگہ دی جائے پر شکایت آ ہی جاتی ہے۔ دعاؤں اور محبت کے لیے جزاک اللہ اب بڑھتے ہیں آپ کے تبصروں کی جانب۔

شہرین اسلم...... چوک شاہدرہ بہاولپور۔ السلام علیکم! اسٹاف اینڈ قارئین کیسے ہیں آپ سب لوگ؟ سب کو میری طرف سے نیا سال بہت مبارک ہو اور پلیز شہلا جی میرا نام شہرین ہے شیریں نہیں اور پلیز کسی کو شہرین کا نام کا مطلب معلوم ہو تو لازمی بتادے اور رضوانہ وقاص جی تھینکس مجھے ویلکم کرنے کے لیے اللہ پاک آپ کو صحت وتندرستی دے اب بات ہو جائے ٹائٹل کی نئے سال کے حوالے سے بس ٹھیک لگا اور زیادہ بیسٹ ٹائٹل ہونا چاہیے تھا ہمارا آنچل میں رقیہ ناز سے مل کر اچھا لگا آپ کی چوہے سے ڈرنے والی بات میری طرح ہے مجھے بھی بہت ڈر لگتا ہے ہر چیز سے مگر خاص کر چوہے سے ڈر لگتا ہے اقرأ صغیر جی، پلیز سودہ کو زیادہ بیمار مت کیجیے گا اور زید اب تو عقل استعمال کر کے رضوانہ جی کی عقل درست کریں تاکہ وہ سدھر جائیں، نوفل ایکٹنگ کر رہے ہیں جان کر حیرانی ہوئی، عشق دی بازی جھلی میں شکر ہمارے انداز سے درست نکلے مگر پڑھ کر اچھا لگا، ہاجرہ حسن سے انتقام لینے کے لیے رشتے کی بات کر رہی ہیں، اکائی بس ٹھیک لگتا ہے پلیز جلدی اینڈ کریں اس ناول کا، یاسمین نشاط جی کا نیلا دل انٹرسٹنگ نام اینڈ ناول عبدالمعیز کو عبدالحسیب سمجھ کر ہانیہ کے باپ اور حرا نے مروا لیا ہے باقی افسانے، ناولٹ سب بیسٹ تھے ڈش مقابلہ میں زردہ کی ڈش لاجواب اور آسان تھی۔ اب کی بار آئینہ میں مجھ سمیت سب کے خطوط اچھے لگے اب اجازت اللہ حافظ۔

نازش نور...... نامعلوم۔ ڈیئر شہلا آپی امید ہے آپ خیر و عافیت سے ہوں گی اور دست قدرت سے عطا کی گئی نعمتوں کو دونوں ہاتھ سے سمیٹ رہی ہوں گی پہلی بار آئینہ میں شرکت کر رہی ہوں امید ہے آپ کو اچھا لگا ہوگا سب سے پہلے ٹائٹل پر جما آپی کچھ اداس لگیں "سرگوشیاں" میں قیصر آرا آپی کی نصیحتیں دل پہ لگیں "انٹرویو" میں رقیہ ناز کے جوابات اچھے لگے "عشق دی بازی میں جھلی" صائمہ آپی پہلے بھی آپ نے حسن کے ساتھ اچھا نہیں کیا اب پلیز وجاہت اور سکینزہ کو ملا دیں اب ان کے ساتھ میں کوئی زیادتی برداشت نہیں کروں گی۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" میرا فیورٹ ناول بہت بہترین جا رہا ہے اور "اکائی" سپر ڈیئر ہے۔ "تو ملا جیسے دعا ملے" عروسہ واقعی نہال کے لیے بن مانگی دعا تھی، باقی سب افسانے اچھے تھے۔ "نیلا دل" یاسمین نشاط آپی اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے بیاض دل میں سب ہی اشعار پسند آئے "نیرنگ خیال" میں مدیحہ اکرم، اقصیٰ زریں، عمران فائق، سمعیہ کنول کی شاعری بہت پسند آئی باقی سب سلسلے اچھے ہے۔ جی آپی میں ایم سحر کی سسٹر ہوں۔

☆ پیاری نازش! پہلی بار آمد پر خوش آمدید۔ امید ہے اب محفل میں شامل رہیں گی۔

ادم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری دلاری شہلا جی سدا ہنستی اور مسکراتی رہیں آمین۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے سردی کو انجوائے کر رہی ہوں گی نیا سال بھی آ گیا۔ خدا کرے سب کی امیدوں پر پورا اترے۔ اس دفعہ خون جما دینے والی سردی میں شمارہ بھی لرز لرز کر 28 کو ملا یعنی تھوڑا لیٹ ملا تو پھر میں نے بھی لیٹ کر رضائی کے اندر چارجنگ لائٹ جلا کر پڑھا مت پوچھیں مزا ہی آ گیا، صبیحہ (بیٹی) کا جزاک اللہ اس نے پورے ایک دن کچن کے تمام کام سنبھالے اور میں نے اسی ایک دن سے بھرپور فائدہ اٹھایا رسالہ پڑھا بھی اور اب تبصرہ لکھ رہی ہوں، ٹائٹل پر ماڈل بھی نئے سال کے پلانز سوچ رہی تھی، سرگوشیاں سے قیصر آپی کا پیغام ہم سب کے دل کی آواز سے انہوں نے دریا کو گویا کوزے میں بند کر دیا حمد اور نعت سے دل کو عجیب تراوٹ پہنچی اور آنکھوں سے بے اختیار چشمے رواں ہو گئے در جواب آں سے اقرأ صغیر احمد اولاد کا دکھ سب سے کٹھن دکھ ہے میں خود بھی اسی دکھ سے گزری ہوئی ہوں میرا بیٹا حمزہ جو کہ پانچ سال کا تھا کرنٹ لگنے سے خدا کو پیارا ہو گیا تھا اللہ تعالیٰ آپ کو بھی صبر دے طیبہ عنصر مغل اللہ تعالیٰ آپ کے شوہر کو صحت وتندرستی والی لمبی عمر عطا کرے آمین۔ آپ سے ملاقات کر کے دل کی ساری اداسی، خوشی و مسرت میں بدل جاتی ہے، رہنا

آ تناہے مستفید ہوتے ہوئے ہمارا آنچل سے رقیہ ناز سے ملاقات سرشار کرگئی۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ میں اب تو کلیوں کے کھلنے کا موسم آیا تھا کہ یہ سودہ کو کون سا روگ لگ گیا نوفل کو چاہیے اچھے دل سے شہوانہ کو معاف کردے کیونکہ خدا بھی اسی میں راضی رہتا ہے، ناز یہ جمال کا ”تو میرا ہمراز“ متاثر کن رہا۔ نکاح کے دو بول جو رشتہ باندھتے ہیں وہی اصل میں دمساز اور ہمراز ہوتا ہے باقی سب بے کار، یاسمین نشاط ”نیلا دل“ لے کر آئیں پہلے سیاہ اور سفید تو سنا تھا بہرحال نیلا دل بے حد دلچسپ رہا اگلے حصے کا بے چینی سے انتظار ہے، فرح ریاض کا ”اوقات سے بڑھ کر“ دکھ ہوا آپسی رشتے بھی اگر خود غرض کا چولہ پہن لیں تو بندہ کہاں جائے، ماسی زلیخا فرشتہ بن کر آئیں۔ ”اکائی“ میں جو ہونا ہے اب وہ ہو ہی جائے مزید سسپنس برداشت کرنے کی تاب نہیں وقار الحق کو ایسا کیا مسئلہ ہے کہ وہ فاطمہ سے پیار ومحبت کے دعوے دار بھی ہیں لیکن جدا کرنے کا اٹل فیصلہ بھی لے لیا ہے جبکہ جنت بی بی تو زہریلی ناگن بن گئی ہے۔ ”کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی“ قاریہ احسان فراموش نہیں تھی تبھی اپنے دل کو کچل کر عنایہ کی جگہ عنایہ کو دی، جبکہ یہ مرد حضرات کو اکثر یہ کیڑے دماغ میں رینگتے ہیں اچھی بھلی پیاری سلیقہ شعار بیوی کے ہوتے ہوئے بھی پرانی محبوبہ چاہیے بل بتوڑی ہی ہو یاد کر کے بیوی کا دل جلا کر خوش ہوتے ہیں۔ ”صحبے دی ماری میں جھلی“ میں اب سارے پردے اٹھنے جارہے ہیں، ساری گرہیں کھل گئیں، اب تو بس انتظار ہے وجاہت اور سکینزہ کی شادی خانہ آبادی کا اور ہاجرہ کو چاہیے کہ اب وہ رضا کو اس کا حق دے دے تاکہ خدا کے گھر بھی سرخرو ٹھہرے۔ ”تو ملا تو جیسے دعا ملے“ نہال نے عروسہ کی زندگی کو اپنے پیار اور خلوص سے قوس وقزح بنادیا لیکن کہانی کا اصل ہیرو تو محسن ہی ہے کیونکہ جو محسن نے کہا وہی انسانیت کہلاتی ہے۔ بیاض دل میں سباس گل، مہر دعباس زہرہ عباس، رقیہ ناز، نور چوہدری اور دانیہ مغل کے اشعار اے ون لے رہے، ڈش مقابلے میں بچوں کو صبح نہاری اور کلیجی کھلائے پھر دوپہر کے لیے میٹھی آلو اور گاجر کی سبزی بنا کر رکھی پھر شام کی چائے پر گلاب جامن اور گاجر کا حلوہ مزے مزے سے کھایا، زردہ میرے بچوں کو پسند نہیں، رات کے لیے اسپائسی فش کیوبز کی تیاری شروع کردی اور اپنے ان کے لیے ”میکرونی ودیران“ میز پر سرپرائز ڈش کے طور پر چھپا کر رکھی، نیرنگ خیال میں عمران فائق، اسید عبادت راج، عبدالجبار رومی انصار، حمیرا قریشی اور نیلی ظہیر سرفہرست رہیں، دوست کا پیغام آئے میں کرن شہزادی عائشہ شکیل، بینادعا، جسم بشیر حسین اور مدیحہ نورین مہک آپ سب نے مجھے یاد رکھا میرا ڈھیروں خون بڑھ گیا بہت بہت جزاک اللہ، اللہ آپ سب کا حامی وناصر ہو میں بھی آپ سب کو بہت یاد کرتی ہوں بس یہ ہے کہ اظہار کرنے میں سستی ہو جاتی ہے ویسے 22 فروری کو میری سالگرہ ہے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ یادگار لمحے میں بینادعا، شازنہ پرویز شانو، رمشا آصف اور جسم بشیر حسین کی نگارشات بہترین تھیں، آئینہ میں نئے سال کی خوشی میں سب ہی چمک اور دھمک رہے تھے، ہم سے پوچھئے میں مونا شاہ قریشی، اقرا جازبہ اور کرن شہزادی کے سوالات اور شمائلہ کے بارہ مسالوں کے جوابات نے خوب خوب مزا دیا۔ آخر میں نیا سال سب کے لیے خیر وبرکت والا ہو تمام پاکستان کے لیے اور پوری دنیا کے لیے امن وامان والا ہو آمین۔

☆ پیاری ارم! پرچا تولیٹ کر پڑھا اور کھانا کسی اور نے پکا کر دیا واہ بھئی کیا خوب مزے ہو رہے ہیں ماہ رانی بیگم کے۔

تحسین بیگ...... لنڈھیرا السلام علیکم! شہلا جی کیسی ہیں؟ امید ہے کہ آنچل کا تمام اسٹاف اللہ کی دی ہوئی عزت وصحت اور تمام نعمتوں کے مزے لوٹ رہا ہے، اور ہمیشہ یہ مزے لوٹتا ہی رہے۔ میں آنچل کی خاموش قاری ہوں اور عرصہ دراز سے اس کی محبت میں مبتلا ہوں، چھٹی کلاس میں تھی جب اپنی آپی کو پڑھتے دیکھا تو میرے اندر بھی شوق پیدا ہوا۔ تب سے پڑھ رہی ہوں اور اب تو الحمدللہ تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹس ہوں، ہمیشہ صرف سوچتی ہوں کہ آنچل کے آئینہ میں حاضر خدمت ہوں مگر ہمت نہیں ہوتی کہ شاید اس قابل ہمیں جانا جائے کہ ناں، اس دفعہ ہمت کو ذرا باندھ ہی لیا، جی تو جو مقصد تھا اس طرف آتے ہیں، سب سے پہلے میں ”حمد ونعت“ کی بات کروں تو اسے پڑھ کر ہمیشہ دل کو سرور آتا ہے۔ ”در جواب آں“ میں دل ٹوٹتے بھی ہیں اور جڑتے بھی ہیں۔ مجھے بڑا شوق تھا قرآن مجید کو جاننے کا۔ اس میں پوشیدہ رازوں کو سمجھنے کا۔ جس میں مشتاق احمد قریشی کے تفسیر القرآن نے 80% میری مدد کی ہے۔ یہ سلسلہ مجھے حد سے زیادہ پسند ہے۔ ”ہمارا آنچل“ بھی ایک دلچسپ سلسلہ ہے میرا خیال ہے کہ سوالات تھوڑے تبدیل ہونے چاہیے اب کیونکہ یہ ذرا فریز سا لگ رہا ہے۔ ”سلسلہ وار ناول“ میں اقرا صغیر جی ذرا آپ بتائیں کہ آپ کے ہاتھ کہاں ہیں یقین جانیے بوسہ لینے کو دل کرتا ہے۔ ”اکائی“ ایک خوب صورت سلسلہ ہے۔ وقار الحق بچارے کیا کریں۔ محبت اور محبت کا تقاضہ ہے۔ بالکل گڈ ہے۔ جی لیکن فاطمہ کو چھوڑنا مت۔ ثابت قدم رہو جیت تمہاری ہوگی۔ اس ناول نے مجھے ایسا احساس دیا ہے جیسے میں ظہور پاکستان کے مشکل اور کٹھن وقت میں تھی۔ عشنا کوثر جی اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔ کمال لکھ رہی ہیں لیکن ایک مسئلہ ہے آپ کے اس ناول میں تاج بیگم کے محاوروں کے لیے مجھے ڈکشنری پاس رکھنی پڑتی ہے باقی ”اے دن“ ہے

جی اور "مسمھتے دی ماری میں جھلی" نے واقعی مجھے جھلا کررکھ دیا ہے۔ آپ رائٹر لوگوں کے پاس کیا دماغ ہے یار۔ کہاں ڈبوتی ہیں۔ کہاں الجھاتی اور کہاں جا نکالتی ہیں۔ واہ واہ ویلڈن یار۔ "نیلا دل" نے مجھے اتنا پُر تجسس کیا ہے کہ میں تو ابھی سے ہی شمارے کا ویٹ کررہی ہوں۔ "کچھ عشق تھا کچھ مجبوری" بس ٹھیک تھی۔ "اوقات سے بڑھ کر" حالیہ وقت پر بالکل درست لکھی گئی کہانی ہے اور ہر دوسرے گھر میں بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔ "تو ہمراز میرا" بھی ایک اچھی تحریر تھی۔ جب تک ٹھوکر نہ لگے ہمیں اصلی چہرے کب نظر آتے ہیں۔ ٹھوکر کسی نعمت سے کم نہیں ورنہ ہم ساری زندگی ایسے ہی گزار دیں۔ "بیاضِ دل" اور "نیرنگ خیال" شاعروں کے دل کی حالت بیان کا بہترین گوشہ ہے۔ اگر میں اپنی ذاتی شاعری بھیجنا چاہوں تو کوئی مسئلہ تو نہ ہوگا "یادگار لمحے" کھٹا میٹھا سلسلہ ہے "ہم سے پوچھیے" شمائلہ جی اتنا دماغ کہاں سے لاتی ہیں۔ دیوار کے ساتھ لگا دیتی ہیں آپ۔

☆ پیاری تحسین! پہلی بار آمد پر خوش آمدید۔ نیرنگ خیال میں آپ بھی اپنی شاعری بھیج سکتی ہیں اگر معیاری ہوئی تو ضروری جگہ بنالے گی۔

فلزہ شاہ..... لانڈھی کراچی۔ السلام علیکم شہلا آپی اور پیارے آنچل! امید ہے کہ آپ سب ماشاءاللہ سے صحت مند اور باطنی سکون سے فیض یاب ہوں گی۔ چلیں تبصرہ کرتے ہیں پیاری جمائما ہونٹ کے کنارے ایک ادا سے اپنی شہادت کی انگلی رکھے خاص پر اعتماد لگتی خوب صورت لگ رہی تھی مگر آپ جیسا کوئی نہیں کیونکہ میرے دل کے کینوس پر آپ کا خوب صورت چہرہ سب سے منفرد ہے۔ (آہم) سچ کہہ رہی ہوں مکھن کس بات کا۔ آنچل تئیس کو ملا اور چوبیس تک چاٹ کر اب صبح کے چار بجے تبصرہ کررہی ہوں اس کے بعد باقی سلسلوں میں کچھ لکھوں دراصل آپی آج کل روزے رکھ رہی ہوں جو چھوٹ گئے تھے طبیعت کی ناسازی کے باعث "سرگوشیوں" میں آنی نے مجھ سے کہا کہ سب سے پیار سے پیش آؤ بس اسی پر عمل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس کے بعد حکیم صاحب کی حمد و نعت، سبحان اللہ پڑھ کر اچھا لگا پھر "ربنا آتنا" پڑھ کر بے اختیار مشتاق انکل کے قلم کی داد دینا پڑی پھر رقیہ ناز کا سویٹ سا انٹرویو دل کو بھایا (شاباش لڑکی) اور پھر "جواب دراں" میں ہر کسی کو مختلف انداز بیان کے ساتھ ایک منفرد اسٹائل میں مخاطب کرتی ہوئی اور بچیوں و آنٹیوں کو مناتی نظر آئیں (ہاہاہا آنی مائنڈ مت کرنا آپ کے جذبوں کی قدر ہے مجھے) "بیاضِ دل" میں تابی کھرل، رقیہ ناز، ماریہ مغل، پروین افضل، شبانہ اعجاز، نور چودھری، نگہت غفار، علشبہ خان الغرض سب ہی اپنی مثال آپ تھے کس کس کا نام لکھوں "ڈش مقابلہ" میں ہر جگہ گاجر کا راج تھا اور "سیکروونی ود پران" پسند آیا۔ "نیرنگ خیال" سنبل بلوچ، علمہ شمشاد، سید عبادت راج، عمران فائق، عبدالجبار، ودیعہ یوسف، نورین مسکان اور شائستہ جٹ ٹاپ تھے۔ "دوست کا پیغام" میں اپنا خط پا کر دلی سکون ملا مگر جب کسی نے بھی مجھے یاد نہ کیا اپنے پیغام میں تو بے اختیار خود پر غصہ آیا کہ میں پاگل ہوں جو محبت بھرے پیغام بھیجتی ہوں مگر پھر آنی کی سرگوشیاں یاد آئی تو بس منہ بند کر کے دل کڑا کرلیا میں پھر پیغام لکھوں گی سب کے نام (ٹھیک کیا نا میں نے) "آئینہ" میں اپنا خط دوسرے نمبر پر دیکھ کر دل بلیوں اچھلا آپی آپ ٹھیک کہتی ہیں کہ کہانی کو کہانی ہی سمجھا جائے دراصل فجیعہ جیسا کردار اکثر میرے آس پاس کے لوگوں میں بھٹکتا نظر آتا ہے فجیعہ کے انجام کو دیکھ کر ایک خوف دل میں ہے اور ہاں میں نے 3001 پوزیشن حاصل کی ہے امتحانات میں میڈیکل فیلڈ میں آئی میں بہت خوش ہوں۔ "تیری زلف اور اکائی" کیا سودہ کے مرض کے بارے میں عمرانہ جان کر اس کے ساتھ اپنا رویہ بدل دے گی اور کیا انشرح نوفل کو دو چانٹے مار کر اسے واپس اپنے کھونٹے میں باندھ لے گی مجھے تو سودہ کے ساتھ زید سے ہمدردی ہے صرف دل ہی تو لگایا پھر اتنی بڑی پریشانی اُف آگے جاننے کے لیے مری جارہی ہوں اور فاطمہ بی بی کو رجت سنگھ سے شادی کرلینی چاہیے کیونکہ وہ ایک نیک اور اعلیٰ اوصاف کا حامل سادہ انسان ہے اور فاطمہ بھی اس کی طرح ہے تو کیا خیال ہے کرادے ان کا نکاح (ہاہاہا) "مسمھتے دی ماری" ہائے یہ سورج کہاں سے نکلا ہے جمشید بھائی نے شمع کے ساتھ رویہ بدل دیا اور حسن کے نام کے آگے عبدالمعیز کیسے اور کب لگا اور ہاں مجھے کہانی پڑھتے اندازہ ہوگیا تھا کہ سکندر "رضا" ہے اور مسز سکندر "اکڑو ہاجرہ" اور یہ ہاجرہ کی کوئی نئی چال یا بدلا تو نہیں حسن سے کہ وہ سکینزہ کا رشتہ مانگ رہی ہے وہ اپنے وجاہت کے لیے۔ تم نہیں بلکہ تو میرا ہمراز اور تو ملا جیسے دعا ملے" دونوں افسانے خوب صورت تھے اور اگر دیکھا جائے تو دونوں افسانوں میں لڑکیوں نے اپنی دوسری محبت پائی اور خوش نصیب کہلائے۔ "اوقات سے بڑھ کر" واقعی امیسہ تمہارے سسرالی اس لائق نہیں کہ انہیں پانی تک کا پوچھا جائے۔ بہت خوب "کچھ عشق تھا کچھ مجبوری" شبانہ شوکت آپی مجھے فاریہ سے یہی امید تھی اور عنایہ جیسے لوگ واقعی اسی دنیا کے باسی ہوتے ہیں کاش میں ایسا تجربہ بھی اپنی حیات میں دیکھوں۔ "نیلا دل" آپی یاسمین یہ نیلا دل آخر ہے کس کا ہانیہ کا یا اس ہینڈسم موچی کا یا پھر جرار ابتسام کا، قسم سے آپ کی تحریر بہت عمدہ ہے اس ماہ آنچل کی جان ہے نیلا دل بالکل ایسے

پیارے پیارے ناول لکھا کریں خوش رہیں مگر آپی عبدالحبیب کے ساتھ آپ نے اچھا نہیں کیا اتنے پیارے نوجوان کو موچی بنا کر مگر خیر کوئی بات نہیں ہمیں اگلی قسط کا انتظار قبول ہے۔ آپی شہلا شمائلہ آپی کو کس نام سے پکاروں سمجھ میں نہیں آتی مگر ہاں ہم سے پوچھے میں واقعی اس دفعہ لذت تھی۔ اللہ حافظ۔

تبسم بشیر حسین...... ننکیہ۔ بہت بہت پیاری پیاری شہلی سلام قبول کرو اور سناؤ کیسی ہو؟ بہت وقت بعد آئی ہوں تم بتاؤ یا نہ بتاؤ تجھے معلوم ہے کہ تم نے مجھے رتی برابر یاد نہیں کیا ہوگا ایسا ہی ہے نا؟ چلو چھوڑو اس ماہ کا آنچل 21 کو ملا۔ ٹائٹل پر جمائما اچھی لگ رہی تھیں لیکی ایئر رنگ ماہا کی بھی ہیں۔ اس کے بعد آپی کی "سرگوشیاں" پڑھیں جن سے سو فیصد اتفاق کیا۔ اس کے بعد حکیم خان حکیم کی "حمد و نعت" دونوں پسند آ ئیں۔ "در جواب آں" اقرا اصغر کا دکھ اپنا دکھ لگا کیونکہ یہ میری موسٹ فیورٹ رائٹر ہیں اللہ ان کو اور ان کے گھر والوں کو صبر دے۔ میرے خط کا جواب دینے کا بے حد شکریہ آپی "ہمارا آنچل" میں میری پیاری دوست رقیہ ناز کو پڑھا ان کے جواب پسند آئے۔ "تیری زلف" میرا موسٹ فیورٹ ناول ہے۔ "اکائی" آئی ہوپ کہ اچھا ہوگا پر میں نہیں پڑھتی۔ اس ماہ کا بہترین ناول "کچھ عشق تھا مجبوری" شبانہ آئی لو یو مجھے عشق ہے آپ کی تحریروں سے کم بیک سون پلیز۔ "نیلا دل" ماہا کا خیال ہے کہ اس کا نام نیلام دل ہونا چاہیے تھا بڑی دلجمعی سے پڑھ رہی تھی باقی آئندہ دیکھ کر سارا موڈ غرق ہوگیا افسانے بھی اس بار صرف تین تھے ان میں سے بھی صرف ایک ہی پسند آیا۔ "اوقات سے بڑھ کر" فرح ریاض نے چھوٹی سی تحریر میں بڑی بات سمجھا دی۔ مستقل سلسلوں سے "بیاضِ دل" میمونہ آپی بھی مجھے جگہ نہیں دیتی شانو، مہربان شاہ، انعم زہرہ، ماورا حسین، مہرو عباس، عشبہ خان، امن ملک، آئشہ تاج، دانیہ مغل، نور بانو، فیاض اسحاق، نور چودھری، صفت اللہ، نگہت غفار کے اشعار ڈائری میں نوٹ کر لیے میں نے۔ "نیرنگ خیال" سے شائستہ جٹ، عمران فائق، عبادت راج، عبدالجبار رومی، نیلی ظہیر کا لکھا ڈائری کی زینت ٹھہرا۔ "دوست کے پیغام" میں جس جس نے یاد کیا اس کا تہہ دل سے شکریہ۔ "یادگار لمحے" میرا موسٹ فیورٹ سلسلہ ہے۔ جی یہاں سے بینا دی، شانو، ماریہ نذیر، نور الحسن، حلیمہ زمان، اور رابی اور تحریم نے زبردست لکھا۔ "آئینہ" میں سب خوب جگمگا رہے تھے میں صرف اور صرف "ماریہ نذیر" کی وجہ سے شرکت کر رہی ہوں کیونکہ یہ لڑکی ہر ماہ مجھے اپنے خط میں یاد کرتی ہے عنبر مجید، عائشہ میکس، اسما صدیقہ، ماریہ نذیر، علشبہ خان، رضوانہ وقاص، کرن شہزادی، ام ہانی شاہد نے ایک زبردست تبصرہ نگار کی طرح تبصرہ کیا نور چودھری شانزہ شانو، اریشہ، زاہدہ عرشی، ہنا فرحان کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ "ہم سے پوچھیے" سے ارم کمال، اقرا جاذبہ اور پیاری چھوٹی سی نورین انجم کے سوالات پسند آئے اور شمائلہ بانو کے جواب تو لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتے ہیں "آپ کی صحت" بھی خوب رہا "کام کی باتیں" والا سلسلہ دوبارہ ہونا چاہیے میرا فیورٹ تھا۔ او کے جی مدیحہ کی طرح۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے نہ رہی تو قیامت کے دن ملیں گے۔ اللہ حافظ فی امان اللہ۔

☆ پیاری تبسم! ناراضی والا انداز کچھ اچھا نہیں لگا آپ کو کیوں لگا ہم نے آپ کو یاد نہیں کیا ہوگا یہ تو غلط بات کہہ دی۔

یاسمین کنول...... پسرور۔ محترمہ ایڈیٹر صاحبہ! سدا خوش رہو! دیگر احوال یہ ہے کہ 2020ء کی آمد آمد ہے سب کو نیا سال مبارک، سرورق کی ماڈل بھی خوب صورت سوچ میں ڈوبی مبارکباد دیتی محسوس ہوئی اللہ کرے نیا سال تمام دنیا کے انسانوں کے لیے مبارک ثابت ہو، امن و آشتی کا پیغام لائے آمین ثم آمین۔ باقی "اکائی" میں جنت بی بی اور فاطمہ میں محبت کی جنگ جاری ہے جس میں فاطمہ جیتی نظر آ رہی ہے کیونکہ وہ بے لوث محبت کرتی ہے اور بے لوث محبت لازوال ہوتی ہے۔ باقی افسانے بھی اچھے ہیں تاہم مصروفیات کی وجہ سے آنچل پورا نہیں دیکھ سکی کیونکہ سردیوں کی چھٹیاں مہمانوں کی آمد و رفت کا پیغام بھی لاتی ہیں اور مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں تاہم گھریلو سکون و آرام اور یکسوئی غائب ہو جاتی ہے مہمانوں کی خدمت بھی کرنا ہوتی ہے ناں، مستقل سلسلے البتہ پڑھے "بیاضِ دل" میں شعر لگانے کا شکریہ باقی باتیں 2020ء میں اجازت اللہ حافظ۔

نور ایمان چودھری...... کمالیہ

بھول جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
میں نے نہیں دل نے چنا ہے تجھے

جی ہاں پیارے آنچل کو کہہ رہی ہوں میں کہ اس کے پیچھے اتنا خجل خوار ہونا پڑتا ہے لیکن کیا کیا جائے کم بخت دل پڑھے بغیر نہ خود سکون سے رہتا ہے نہ ہمیں جینے دیتا ہے۔ اس دفعہ آنچل 24 کو ملا۔ یار حد ہوگئی ہے اتنا لیٹ اور آج جب میں خط لکھ رہی ہوں تو 25 تاریخ ہے مطلب قائداعظم کی پیدائش کا دن اور ساتھ کرسمس ڈے بھی، جمائما کا نام جمائی ہونا چاہیے تھا (ہاہاہا) ارے اللہ کے

بندوں یہ بھی ماڈل ہے کیا؟ (ہیں جی بچی؟) سوری جمائی جی ہم آپ کو ریجیکٹ کرتے ہیں اس لیے اب آپ تشریف لے جا سکتی ہیں نمار یہ نذیر میری ہاہاہی ہی یہ نظر مت رکھنا ورنہ آپ کے پاس پٹاخہ پھینک دوں گی (ہاہاہا) فہرست پر نظر ڈالی یہ انٹرویو میں نام کیوں غائب کیا۔ خدا کی پناہ یہ غصے دی ماری جھلی مکمل ناول کیوں اور کیسے (ہیں) بے بتا نازرا؟ تھوڑا آگے پہنچے تو ہلکی سی سرگوشی سنائی دی اتنی میٹھی اور نرم آواز کس کی؟ ذرا غور کیا تو پتا چلا یہ تو ہماری پیاری آنی ہیں قیصر آنی آپ کی تمام دعاؤں پر آمین اور ہاں میں آپ سے ناراض ہوں تو کیا آپ مجھے منائیں گی نہیں؟ ''حمد و نعت'' اپنی مدھر اور سریلی آواز میں پڑھی پھر خود کو چھلکی دی اور پہنچے مدیرہ کے دربار میں جہاں شاہی تخت پر براجمان دربار سجائے بیٹھی تھیں۔ اقرا صغیر آپ تو دادی لگیں میں تو تجھی ابھی آپ ٹین ایج ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور آپ کو ڈھیر سارے پوتے پوتیاں دے آمین۔ نازیہ کنول نازی شکر ہے آپ نے بھی چپ کا روزہ توڑا اب جلدی سے ایک سپر ڈوپر ناول کے ہمراہ تشریف لے آئیں ورنہ ہم نے کندھوں پر اٹھا کر آپ کو آنچل نگری میں لے آنا ہے۔ طیبہ عنصر مغل ان شاء اللہ بہت جلد آپ صحت یاب ہو جائیں گی۔ ''ربنا آتنا'' مشتاق انکل یہ سلسلہ آپ کو دنیا و آخرت دونوں میں سرخرو کرے گا اس کا اجر آپ کو اللہ دے گا۔ ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' عمرانہ تو نہیں سدھر سکتی کم بخت ماری اب تیرے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جائے گی نگوڑی۔ انشراح بی بی تجھ سے ناک سے لکیریں نہ کھنچوائیں تو ہمارے ہیرو کا نام بھی نوفل نہیں (ہاہاہا) اقرا آپی تھوڑا زیادہ لکھا کریں پلیز۔ ''تو ہم راز میرا'' نازیہ جمال کی تحریر بس نارمل لگی سوری ٹو سے نازیہ جی۔ ''نیلا دل'' یا سمین نشاط کا ناول مکمل ہونے پر تبصرہ کروں گی۔ ''اوقات سے بڑھ کر'' فرح ریاض بالکل ٹھیک لکھا آپ نے سب مطلب کے یار ہیں جونہی مطلب پورا ہوتا ہے تو ٹھڈا مار کر جاتے ہیں خود غرض دنیا کے خود غرض لوگ۔ ''کچھ عشق تھا کچھ مجبوری'' کیا واقعی عنایہ جیسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں؟ ریان وہ محبت ہی کیا جس میں قربانی نہ ہو فاریہ نے بالکل ٹھیک کیا اسے ریان کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہیے تھا چلو تھوڑی سی بے ایمانی ہم بھی معاف کر دیتے ہیں۔ ''جھلی دی ماری جھلی'' (ہاہاہا) عائشہ جانو میری دوسری پیشن گوئی بھی سچ ثابت ہوگئی۔ ہاجرہ تیرے منہ میں برفی (ہاہاہا) سکینہ تیری بہو بنے گی وجاہت پتر بہت خوش قسمت ہے تو صائمہ قریشی بہت ہی زبردست ناول ہے آپ کا ویلڈن بہنا۔ ''تو ملا جیسے دعا ملے'' نہال اور محسن جیسے لوگ بہت ہی قابل تعریف لوگ ہیں۔ انعم اور (ایمہ) عروسہ تم دونوں کی کوئی نیکی اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند آئی جو نہال اور محسن جیسے انسان شریک سفر بنے ویسے محسن جیسے ماما نہ بولے لڑکے ساری زندگی پتر پتر ادھر ادھر دیکھتے رہتے ہیں۔ خیر اچھی تحریر تھی۔ شازنہ شانو، مہربان شاہ، انعم زہرہ، اقرا جٹ، رقیہ ناز، کہکشاں سراج، نسرین اینڈ نور چودھری وہاڑی، علشبہ خان، اسن ملک، نور بانو، صفت اللہ، گلشن چودھری، ام ہانی اور تابی کھرل نے بہت اچھا لکھا لیکن گلشن چودھری کا شعر دل کو چھو گیا۔ ''ڈش مقابلہ'' یہ کراچی والے کیا زیادہ لاڈلے ہیں؟ ''نیرنگ خیال'' ودیعہ یوسف ہناء عرب سی علامہ شمشاد اور نیلی ظہیر نے سپرب لکھا لیکن ریاض تحسین قمر کی صحراؤں کی بات ٹاپ پر رہی مزے کی بات تو یہ ہے ریاض قمر میرے انکل ہیں کلیم بھائی کی شادی پر آئے تھے لیکن میں نہیں گئی تھی ورنہ ان سے ضرور ملاقات ہو جاتی۔ ''دوست کا پیغام آئے'' (ہاہاہاہاہا) ہما اپیا اتنا غصہ اللہ خیر کرے۔ کرن شہزادی، ثمرہ گلزار، عائشہ شکیل، مینا دعا، مدیحہ طارق، تبسم شبیر اور رابعہ احمد اینڈ تحریم تھینکس آلاٹ ڈیئر زیاد کرنے کا۔ ''یادگار لمحے'' سب نے خوب صورت لکھا لیکن شانزہ پرویز اور تبسم بشیر بازی لے گئے ویلڈن۔

☆ پیاری نور! تبصرہ تو واقعی بہت طویل ہے پر اس میں کچھ باتیں شائع کرنے کے قابل نہیں ہیں اس لیے اس کو مختصر کر دیا۔ اب اگر لوگوں نے تمہاری محبت میں اپنے نام نور رکھ لیے تو اس میں حیران ہونے والی کیا بات ہے اور صرف ماڈل کی نتھ دیکھی نوری نتھ کہیں کی۔ اس کے ہاتھ میں چوڑیاں بھی تھیں اور پورے ڈھائی کلو کا میک اپ کیا تھا اس کا کیا۔ کانوں میں ٹاپس بھی تھے اور ہیئر اسٹائل اس کا کیا۔

فریدہ فری...... لاہور۔ السلام علیکم! جنوری کا آنچل ملا ٹائٹل بے حد دلکش تھا جنوری کے آنچل میں میری کوئی تحریر نہ تھی نجانے کیوں میں نے پوسٹ کروایا تھا۔ ربنا آتنا مشتاق احمد قریشی نے بے حد اچھا لکھا۔ ہمارا آنچل رقیہ ناز بہترین لاجواب۔ افسانے تمام لاجواب تھے۔ تو ہمراز میرا۔ اوقات سے بڑھ کر۔ نیرنگ خیال میں سب کی شاعری پسند آئی۔ ڈش مقابلہ میں نزہت جی کی ڈش نہاری کلچہ پسند آئی کھا کر مزا آ گیا اور گاجر کا حلوہ تو ہمارا فیورٹ ہے کچھ زیادہ ہی کھا لیا عائشہ سلیم خوش رہو۔ بیاضِ دل میں نگہت غفار کے اشعار پسند آئے، ام ہانی شاہد کے اشعار بہترین تھے۔ سباس گل نے اچھا لکھا۔ کرن شہزادی اور جن کو میری شاعری پسند آئی ان کا بے حد شکریہ۔ شمائلہ کاشف کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں میرے سوالوں کا جواب نہیں دیتیں سب کو دعا اور سلام۔

بشریٰ رضوان...... چوک شاھدرہ بہاولپور۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف کیسے ہیں آپ سب کو میری طرف سے نیا سال بہت بہت مبارک ہو اللہ سے دعا ہے کہ آنے والا سال سب پاکستانیوں اور کشمیریوں کے لیے امن وسلامتی سے بھرپور ہو اللہ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔ اب بات ہو جائے ڈائجسٹ کی تو اس ماہ ٹائٹل گرل اچھی لگی اس کے بعد حمد ونعت سے دل کو منور کیا ہر بار کی طرح رہنا آ تنا بیسٹ تھا سلسلہ وار ناول تیری زلف کے سر ہونے تک اقرا جی کمال اسٹوری تھی پلیز سودہ کو زندہ ہی رکھنا زید سے جدا نہ کرنا اکائی سمجھ سے باہر ہے مکمل ناول نیلا دل یاسمین نشاط کا بہت زبردست تھا صائمہ قریشی جی عشقے دی ماری میں جھلی ہٹ رہا پلیز سکیزہ کے ساتھ ہاجرہ کوئی انتقام نہ لے وہ بہت معصوم ہے ناولٹ کچھ عشق تھا کچھ مجبوری شبانہ جی چھا گیا ناولٹ کچھ الگ پڑھنے کو ملا۔ افسانے سارے ہی بہت زبردست تھے۔ بہت کچھ سیکھنے کو ملا باقی پورا آنچل ہی ہر ماہ کی طرح بیسٹ تھا۔ میری طرف سے سب کو ایک بار سال نو مبارک اللہ سے دعا ہے کہ آپ سب کو خوشیاں، کامیابیاں عطا کرے آمین اب اجازت اللہ حافظ۔

نعیم انصر ھاشمی...... جھنگ صدر۔ السلام علیکم! سب تعریفیں اللہ پاک کے لیے جو سب سے زیادہ لائق تعریف ہے۔ سب سے پہلے میں آنچل اور حجاب کی جملہ ممبران وعہدے داراحباب کا تہہ دل سے مشکور ہوں جن کی بدولت ماہ نامہ آنچل اور حجاب ہر ماہ بنا کسی تاخیر کے قارئین کے لیے اپنی خدمات پیش کررہا ہے۔ میں آنچل اور اس کے زیراہتمام تمام جرائد ورسائل کا اپنے بچپن سے ''کا'' خاموش قاری رہا۔ میرے بچپن سے لے کر آج تک ہمارے گھر میں باقاعدہ آنچل خریدا جاتا رہا ہے اور ان شاء اللہ باقاعدہ خریدا جاتا رہے گا۔ میری بہنیں اور ہمسفر زندگی اس کی باقاعدہ مسلسل قاری ہیں۔ جو ہر ماہ میرے سمیت ان رسائل کا ہر ماہ شدت سے انتظار کرتے ہیں اور جب سے اللہ پاک کا کرم اور ماہ نامہ آنچل میری غزلیات وکلام شائع کررہا ہے تہہ دل سے مشکور اور احسان مند ہوں کہ وہ بندہ عاجز کی شاعری کو شائع کررہا ہے۔ نیز اپنے ان تمام قاری خواتین وحضرات کا انتہائی ادب واحترام سے شکر گزار ہوں جو میرے کلام کو پسند فرماتے ہیں اور وہ خصوصاً جو حوصلہ افزا تنقید کرتے ہیں (امید ہے باقاعدگی سے رائے سے نوازا جائے گا) آخر میں گزارش ہے کہ ''غزل اس نے چھیڑی'' کو دوبارہ سے شروع کیا جائے تاکہ نئے آنے والے لوگوں کا تعارف کا سلسلہ پھر سے شروع ہو جو کسی نہ کسی وجہ سے موخر یا ختم کردیا گیا ہے۔ اللہ پاک تمام لکھنے والے حضرات وخواتین نثر، نظم اور افسانہ اور ناول ہر منصف لکھ رہے ہیں اور جو شائع کررہے ہیں ان تمام شعراء (خواتین ومرد) افسانہ وناول نگار خواتین کی اللہ پاک عمر دراز فرمائے آمین۔ اس طرح جذبہ وجوش سے ادب کی خدمت جاری رکھیں۔ اللہ سبحان اللہ آنچل حجاب ودیگر رسائل کی آب وتاب جاری رکھے آمین۔ فی امان اللہ۔

☆ پیارے بھائی نعیم انصر! صفحات کی کمی کی وجہ سے یہ سلسلہ فی الحال بند کردیا ہے جب بھی موقع ملا یہ سلسلہ دوبارہ شروع کردیا جائے گا۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

ایس این شہزادی کھرل...... جڑانوالہ۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف اینڈ آنچل قارئین سب کو ہمارا پیارا سا سلام ہو، سب خوش رہو سردیاں خوب انجوائے کررہے ہوں گے آپ سب لوگ۔ 25 دسمبر کا سورج غروب ہوچکا ہے۔ مغرب کی نماز سے ذرا پہلے کا وقت ہے ہمارے ہاتھ اور قلم دونوں بول رہے ہیں وقت کی کمی ہے اور کام زیادہ صبح ہر صورت میں خط پوسٹ کروانا ہے تاکہ بروقت پہنچ جائے اور ہماری شمولیت بھی یقینی ہوسکے۔ ٹائٹل اس دفعہ پسند نہیں آیا نرا بورنگ سا (ہاہاہا) لیکن ماڈل کی چوڑیاں بہت پسند آئیں کیونکہ چوڑیاں تو ویسے ہی میری کمزوری ہے کیونکہ مجھے پسند بہت ہیں چاہے جس ڈیزائن کی بھی ہوں چل جائیں گی۔ آپی سب سے پہلے یہ بتایئے کہ جو سرگوشیوں کے اوپر حدیث ہوتی تھی وہ کہاں ہے اب کیوں نہیں لکھتے۔ قیصر آنی کا پیغام پسند آیا اللہ واقعی سب کو ہدایت اور توفیق دے اس نئے سال میں تاکہ روٹھے ہوؤں کو منایا جاسکے اور ایک دوسرے سے خوشیاں بانٹ سکے اس نئے سال کی آمد میں اللہ سب کو خوشیاں عطا کرے اور ملک پاکستان کے حالات پر اپنے رحم وکرم کی بارش کرے آمین۔ حمد اور نعت بہت اچھی تھی۔ درجواب آں میں قیصر آنی سب کے جوابات دے رہی تھیں قیصر آنی اگر آپ نے میرے خط کا جواب نہ دیا تو پکی کٹی وار ننگ (ہاہاہاہا) دانش کدہ میں معلومات رہنا اتنا کی تھی تفصیل سے بیان تھا۔ ''ہمارا آنچل'' رقیہ ناز کا تعارف مجھے لگا میرے بارے میں سارا لکھ دیا ہو۔ واہ رقیہ ناز آپ کا اور میرا تعارف ایک جیسا سا لیکن تمہارے تعارف کے اینڈ پر جو شعر تھا دل پر ٹھاہ کرکے لگا ہے جیسے میرے لیے ہی تم نے لکھا ہو۔ آپی اقرا صغیر احمد اللہ آپ کو آپ کے بیٹا اور بہو کو صبر جمیل عطا فرمائے ننھی پری کو آنکھ کھولتے ہی اپنے پاس بلالیا۔ اللہ ان شاء اللہ اور عطا کرے گا۔ بٹ آپ کا ناول سپرہٹ جارہا ہے۔ چالیس قسطیں ہوگئی ہیں

اب جلدی سے اس کا ہیپی اینڈ کردیں۔ اس کے بعد "عشق دی ماری میں جھلی" صائمہ قریشی ویلڈن۔ صحیح بات بتاؤں میں نے شروع سے اس کی کچھ قسطیں نہیں پڑھی تھی لیکن اب جیسے جیسے آپ کا ناول آگے جارہا ہے میرا دل کررہا ہے شروع والے رسالے لے کر لازمی پڑھوں گی۔ مزے کی بات یہ ہے شروع میں آپ کا ناول دیکھ کر لگ رہا تھا کہ چار یا پانچ قسطوں میں ختم ہوجائے گا لیکن اب ایک سال ہوگیا ہے۔ افسانے تینوں ہی لاجواب تھے۔ ناولٹ کی بات ہی الگ ہے۔ "میلا دل" یاسمین نشاط ویلڈن پڑھتے ختم ہی نہیں ہورہا تھا کافی لمبا اور جب اینڈ پر باقی آئندہ ماہ تو منہ ہی لٹک گیا اف باقی آئندہ ماہ اب اسے زیادہ لمبا نہ کردیجئے گا پلیز اور یہ یاسمین نشاط اور شبانہ شوکت بہنیں تو نہیں ہیں کیا؟ بیاض دل میں اپنی کمی محسوس کی تھی؟ لیکن سب کے انتخاب اچھے تھے لیکن گلشن چودھری اور امن ملک آپ دونوں کے انتخاب کی تو کیا ہی بات تھی مجھے دونوں کا شعر پسند آیا ہے۔ ڈش مقابلے میں ساری ریسپیاں ہی بیسٹ تھیں دو تین کے سوا باقی سب آتی ہے نیرنگ خیال میں ودیعہ یوسف اور ثناء کی نظم پسند آئی اور باقی بھی نظمیں اور غزلیں اچھی تھی "دوست کا پیغام آئے" پیاری آپی ہما احمد جی اب میں اپنے پیغام لکھ چکی ہوں تو ریکوسٹ ہے اس دفعہ شامل کرلیجئے گا اگلی دفعہ کوشش کروں گی کہ مختصر ہی لکھوں گی۔ کسی نے دوست کا پیغام آئے میں یاد ہی نہیں کیا چلو بھئی خوش رہو سب لوگ سب کو سلام اور یادگار لمحے سب کے انتخاب پسند آئے آئینہ خانہ سارا نہیں پڑھا نہ ہی شمائلہ کی محفل میں شرکت کی ہم ان سے ناراض ہیں اس لیے کہ میرے سوالوں کے جواب جو آپی کے پاس نہیں ہوتے اور وہ ان فضول سوالوں کو ردی کی ٹوکری کی نذر کردیتی ہیں آخر میں میری دوست مریم شکیل آپی سندس اور خالہ عذرا کو پیارا سا سلام ہو۔

عائشہ شکیل...... گوجرہ امید واثق ہے کہ سب بخیر وعافیت ہوں گے۔ سب قارئین، رائٹرز کو میری طرف سے محبتوں بھرا سلام اور نیا سال مبارک ہو۔ آنچل 22 کو ہی مل گیا ماڈل جمائمہ حسین اداؤں کے ساتھ جلوہ افروز تھیں۔ "سرگوشیاں" میں پیاری قیصر آپی نئے سال کے متعلق گفت وشنید کررہی تھیں۔ اللہ کرے واقعی ہر سال ہمارے ملک کے لیے نئی تاریخ رقم کرے آمین۔ حمد ونعت ہمیشہ کی طرح پرفیکٹ رہیں۔ "در جواب آں" میں "آپی اقرأ صغیر احمد" نہایت افسوس ہوا پڑھ کر اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیر ساری خوشیاں عطا فرمائے آمین۔ "ڈاکٹر تنویر انور" کتاب کی اشاعت پر مبارکباد۔ پیاری نازیہ کنول نازی اللہ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔ "ربنا تنا" کا کوئی مثل نہیں۔ ہمارا آنچل میں رقیہ ناز اپنے جلوے دکھا رہی تھیں۔ رقیہ جی آپ کی کافی عادات مجھ سے ملتی ہیں۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" شعوانہ اب اپنی بدنصیبی پر آنسو بہا رہی ہیں پہلے سارے غلط کام کیے اب ان کا صلہ ہی ملے گا۔ یہ کیا نیا انکشاف؟ سودہ بچاری کو زید سے جدا مت کرنا آپی اقرأ۔ "عشق دی ماری میں جھلی" اس دفعہ قسط نہایت شاندار تھی۔ جمشید بھی سدھر گیا ہاجرہ کے سدھرنے کے امکانات بھی ہیں۔ چاچا حکیم اللہ کو حسن کے ساتھ ساتھ میں نے بھی معاف کردیا بھئی۔ "اکائی" میں اب یقین ہوگیا ہے کہ رجت سنگھ ہی فاطمہ بی بی کا مقدر بنے گا۔ وقار الحق نے تو حوصلوں کو ہی خیرآباد کہہ دیا ہے۔ "کچھ عشق تھا کچھ مجبوری" آپی شبانہ ہمیشہ کی طرح چھا گئیں۔ واقعی محبت میں سمجھوتا لازمی ہوتا ہے فاریہ نے اپنی محسنہ کے پیٹھ پیچھے چھرا انہیں گھونپا۔ "تو ہمراز میرا" عدیل اور زویا کی جوڑی لاجواب تھی واقعی کبھی کبھی انسان کسی کے میٹھے بولوں کو بھی محبت سمجھ لیتا ہے مگر حقیقتاً ایسا قطعی نہیں ہوتا۔ "اوقات سے بڑھ کر" ہمیشہ کردار سے ہی انسان کی اوقات کا پتا چلتا ہے ورنہ شخصیت تو ہر انسان کی ہوتی ہے مگر اپنی اصل اوقات کوئی کوئی ہی دکھاتا ہے اور ویسے بھی آج کل کی دنیا میں لوگوں کے دس دس چہرے ہیں جس میں ہمارے جیسے ان کا بھولپن سمجھ کر پھنس جاتے ہیں۔ "تو ملا جیسے دعا ملے" عروسہ اور نہال کی جوڑی زبردست تھی۔ عروسہ کا وہم واقعی نادانستہ تھا ہر انسان جس نے بچپن میں ٹھوکر کھائی ہو وہ ایسے ہی حساس واقع ہوتا ہے وہ کہتے ہیں۔ "دودھ کا جلا چھاچ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے" بیاض دل میں سباس گل، اقرا جٹ، مادرا حسین، نسرین اینڈ نور چودھری، علشبہ خان، مدیحہ نورین مہک، پروین افضل، کلثوم نواز، نور چودھری، ام ہانی اور تابی کھرل کے اشعار بیسٹ تھے۔ "ڈش مقابلہ" میں گاجر کا حلوہ ٹرائی کریں گے۔ باقی ڈشز تو سمجھ سے ہی ماورا ہیں۔ نیرنگ خیال میں شائستہ جٹ، ودیعہ یوسف، نورین مسکان، ریاض قمر، عمران فائق، سمعیہ کنول، علمہ شمشاد، نیلی ظہیر اور نرمین سرحیو کی غزلیں، نظمیں لاجواب تھیں۔ "دوست کا پیغام آئے" ثمرہ گلزار میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟ دوستوں سات مارچ کو میری سالگرہ ہے دیکھتے ہیں کون کون وش کرتا ہے؟ "اب کر بھی دینا" (ہاہاہا ہی ہی) یادگار لمحے اس وقت کیا بتائیں؟ جو گزر گئے وہی یادگار تھے۔ نور الحسن ندیم نے مرد کی خوب صورتی کو بڑے دلکش انداز میں بیان کیا۔ تبصرے سب کے ہی لاجواب تھے دوستو! آپی شہلا میں کبھی جبراً نہیں مسکرائی وہ تو بس میں روتی ہوں ہنسی سے تو میرے جتنے مجھے جانتے ہیں سب توبہ توبہ کرتے ہیں دراصل مجھے ہر وقت مسکرانے کا بڑا ہی شوق ہے۔ میری پیاری آنچل فیملی اللہ آپ کو ہردم یونہی شادوآباد رکھے آمین۔ او کے اب چلتی ہوں

ڈیئر شہلا آپی زندگی جب تک رہی میں یونہی حاضر ہوتی رہوں گی۔

ایم سحر ہزارہ...... ایبٹ آباد السلام علیکم! شہلا پھوپو کیسی ہیں آپ؟ میرا پھوپو کہنا برا تو نہیں لگا دراصل میں نے سوچا سب آپ کو آپی باجی کہتے ہیں تو میں احترام سے پھوپو کہہ دیتی ہوں خیر معافی چاہتے ہیں خالہ جان آپ ہماری بڑی جو ہیں۔ ارے شہلا غصہ تھوک اور میری بات سن جانتی ہوں پچھلی دفعہ میرا تبصرہ لیٹ ہوجانے کی وجہ سے آئینے سے گیا مگر میری نگارشات اس ماہ لگا دینا پلیز۔ ٹائٹل گرل واہ کیا مستانی آنکھیں دیوانہ لب۔ جمائما جی ہوش سے رہنا۔ سرگوشیاں قیصر آپی کس کس کو منائیں کوئی مانے بھی تب ناں لوگ خوشیاں مناتے ہیں اور ہم پھوپیاں مناتے ہیں۔ در جواب آں اقرا صغیر احمد اور طیبہ عنصر خدا تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔ سلمیٰ عنایت عمرے کی مبارک ہو۔ ''ہمارا آنچل'' رقیہ ناز کا انٹرویو پسند آیا۔ افسانے ''تو میرا ہمراز'' ہائے اللہ کون عدیل...... نازیہ جمال نے اچھا لکھا۔ ''اوقات سے بڑھ کر'' خیر بیسہ یہ تو تمہارے گھر والے پاگل ہی تھے جو بغیر دیے لینے کی امید کر بیٹھے تھے تم نے اچھا کیا جو پاسی کو ہی تحفہ دیا سبق آموز تحریر۔ ''تو ملا جیسے دعا ملے'' سیدہ فرحین جعفری کرداروں کے ساتھ کیا خوب انصاف کیا ہے زبردست تحریر تھی۔ سلسلے وار ناولز کی رفتار بہت آہستہ جا رہی ہے پلیز ذرا تیز تو کریں تاکہ نادیہ احمد جو کب سے آنے کی دھمکی دے رہی ہیں اب سکون و خیر سے آ بھی جائیں۔ ''کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی'' شبانہ شوکت کی تحریر پسند آئی۔ بیاض دل میں مدیحہ مہک کا شعر پسند آیا نیرنگ خیال نورین مسکان سمعیہ کنول، مدیحہ اکرم، عبدالجبار رومی، نرمین سرھیو اور نیلی ظہیر نے اچھا لکھا، دوست کا پیغام آئے رانی اینڈ تحریم آپ نے یاد کیا شکریہ ویسے کیا آپ دونوں بہنیں ہو پلیز ضرور بتانا۔ یادگار لمحے شکر ہے عثمان عبداللہ بھی کسی اچھے انتخاب کے ساتھ آئے ہیں ورنہ ہم عورتوں کی بے عزتی کرتے ہوئے آپ کو ذرا بھی شرم نہیں آتی۔ لگتا ہے پکا کسی عورت سے دھوکہ کھایا ہے۔ بہت دعا۔ تبسم شبیر، ارم کمال، ماریہ نذیر، اور لابی اینڈ تحریم کا انتخاب بہترین تھا آئینہ میں جس جس نے میرا تبصرہ پسند کیا شکریہ سب کے تبصرے شاندار تھے مگر افسوس میرا خط نہیں تھا چلو کوئی گل نہیں اس وبلے وی ای رہنا۔ او کے خدا حافظ۔

شگفتہ پرویز شگو...... ایبٹ آباد السلام علیکم! شہلا پیا اینڈ آل فرینڈز تمام دوستوں کو نیا سال مبارک ہو اور آپ سب کے اردگرد خوشیوں کا بسیرا ہو آمین۔ اب دو ماہ غیر حاضری کی وجہ بھی بتا دوں۔ چھوڑیں کیا کریں گے جان کر۔ بس ادارے سے کٹی ہے ہماری اور کچھ فرینڈز سے بھی جو ہمیں یاد ہی نہیں کرتے۔ اب قلم دانتوں تلے دبا کر سب سوچیں کہ کون ہمیں یاد نہیں کرتا؟ اب میرے لوٹنے کی وجہ آنچل سے محبت اور ادارے سے بھی عشق آ ہم اور پیارے دوستوں کی محبت، چھوڑیں کیا سوچ رہے ہیں میں ایویں فضول بول رہی ہوں دراصل کچھ پریشانیاں ایسی ہیں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی۔ بس آپ سب دعا کریں میرے لیے، دسمبر کا شمارہ دل و جان سے پسند آیا اور اب باری ہے جنوری کے شمارے کی ماڈل بالکل بھی پسند نہیں آئی۔ حمد و نعت دونوں بہت اچھی لگیں۔ آنی قیصر آرا سے سرگوشیاں کیں اور پھر ربنا اتنا کا مطالعہ کیا۔ یقین کریں جب ''الکوثر'' پڑھتی ہوں تو دنیا بھول جاتی ہے۔ ''در جواب آں'' میں ہلکا سا جھانکا۔ ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' سب سے پہلے پڑھا۔ سودہ اور زید میں انڈر اسٹینڈنگ ہی اچھی تھی۔ اب دونوں روکھے پھیکے نہ ہی لگیں تو بہتر ہے۔ اور نوفل کا انشراح کو سیدھی ڈگر پر لانا اچھا لگا۔ نوفل اب شعوانہ کو معاف کردے۔ ماں تو آخر ماں ہی ہوتی ہے۔ بس اینڈ کردیں اس ناول کا۔ ''دھمکے دی ماری میں جھلی'' صائمہ آپی فجیعہ کو مار کے آپ نے اچھا نہیں کیا۔ میری آپی نے تو فجیعہ کے چلے جانے کے بعد پڑھا ہی نہیں یہ ناول دل دکھ گیا تھا آپی کا۔ سیڈ تو میں بھی ہوگئی۔ جب عبدالمعید پاکستان واپس گئے اور پرانی یادیں پھر سے تازہ ہوئیں۔ اب کیا فائدہ جمشید اور حکیم اللہ کے سدھرنے کا۔ ویسے صائمہ جی ایک بات بتائیں کہ اس ناول میں کس حد تک سچائی ہے۔ پلیز ضرور بتائیں کہ حقیقت میں آپ نے یہ اسٹوری کس کی آپ بیتی لکھی ہے؟ ''اکائی'' پڑھی ہی نہیں۔ پھر پڑھا ''رقیہ ناز'' کا انٹرویو۔ آپ کتنی نائس ہیں رقیہ اور آپ کے انٹرویو کے اینڈ میں جو شعر لکھا تھا پڑھ کر آنکھیں سچ مچ بھیگ گئیں۔ یہاں بات کروں گی ''ایم سحر'' کے انٹرویو کی۔ یار قسم سے اتنا اچھا لکھا آپ نے آئی سویر کہ ایسا مزاح میں نے آج تک نہیں پڑھا۔ ایک نہیں کئی بار پڑھ چکی ہوں آپ کا انٹرویو۔ آپ تو بازی لے گئیں۔ ناولٹ میں ''کچھ عشق تھا کچھ مجبوری'' ادھوری اور یک طرف محبت بہت اذیت دیتی ہے۔ شبانہ شوکت کی تحریر نے دل موہ لیا۔ مکمل ناول میں ''نیلا دل'' نیلم کمین نشاط لکھیں اور ہمیں پسند نہ آئے۔ آپ کے ناول ''وہ جو ایک میں تھا'' کو میں آج تک نہیں بھلا سکی۔ آپ جو بھی لکھتی ہیں کمال لکھتی ہیں۔ اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔ افسانوں میں ''تو ہمراز میرا'' ہلکی پھلکی تحریر سے دل سیراب ہوگیا۔ اچھا لکھا نازیہ جمال نے بھی۔ ''اوقات سے بڑھ کر'' دوغلے اور منافق رشتے تو ہوتے ہی ایسے ہیں۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو کسی کے لیے درد دل رکھتے

ہیں۔ "تو ملا جیسے دعا ملے" محبت اور سہارا دونوں ہی بہت ضروری ہوتے ہیں لیکن جو چیز نصیب میں ہو وہی ملتی ہے۔ نہ وقت سے پہلے خوشیاں ملتی ہیں نہ نصیب سے زیادہ۔ اللہ تعالیٰ سب بہنوں کے مقدر اچھے کرے آمین۔ "بیاض دل" میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مہربان شاہ، انعم زہرہ، رقیہ ناز، مہر وانینڈ زہرہ عباس، علشبہ خان، ماریہ مغل، امن ملک، نور چودھری، نور بانو گلشن چودھری کے اشعار بیسٹ تھے "ڈش مقابلہ" میں صرف گلاب جامن پسند آئے۔ "نیرنگ خیال" میں سب نے بہت بیسٹ لکھا۔ یعنی ایک سے بڑھ کر ایک "یادگار لمحے" ہمیشہ کی طرح عمدہ تھے مگر سب سے بہترین نور الحسن ندیم نے لکھا۔ "آئینہ" میں سب کے تبصرے جگمگا رہے تھے۔ رمشا آصف اور عائشہ پرویز کی آمد بہت اچھی لگی ویلکم بیک، رمشا آصف کیا آپ ارم آصف کی سسٹر ہیں؟ "دوست کا پیغام" دوستوں کی محبت کھینچ لائی ہے ہمیں۔ مدیحہ طارق (حویلیاں) کیوٹ گرل مجھے آپ کی دوستی دل و جان سے قبول ہے آپ حویلیاں میں کس جگہ رہتی ہیں؟ میں حویلیاں (کھوکھر میرا اسلم آباد) کڈنی سینٹر ہاسپٹل کے پاس رہتی ہوں۔ الل "منال" امن کیسی ہو فرینڈز۔ مجھے آپ سے دوستی کرتی ہے پکی والی قبول ہے آپ کی دوستی۔ کیوٹی نور چودھری! کیا حال ہے کہاں ہو۔ تبصرہ کیوں نہیں کیا؟ تمہارے بغیر محفل ادھوری ہے یار، بسم شیر حسین کیوٹ فرینڈ میں کہیں بھی کم نہیں ہوں، لو آ گئی آپ کے گلابوں کو مہکائے۔ فرینڈز 23 مارچ کو میرا برتھ ڈے ہے دیکھتی ہوں کون کون وش کرتا ہے۔ "ہم سے پوچھیے" کچھ خاص مزا نہیں آیا اس بار۔ کچھ محفل میں شوخی کی کمی تھی۔ چلیں جی بہت ہو گیا اس سے پہلے کہ ملکہ آئینہ (شہلا عامر) ہمیں ناک آؤٹ کریں ہم خود ہی لوٹ جائیں آخر کو اوروں کو بھی جگہ دینی ہے ہنستے مسکراتے رہیں دوستو اور خوشیاں بانٹیں اور مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

☆ پیاری سحر! دوستوں کو مخاطب کرنے کے لیے "دوست کا پیغام" سلسلہ موجود ہے اور شمائلہ کا کہنا ہے کہ اس بار سوال بھی مزے کے نہیں تھے لڑکیاں اب اس محفل میں لڑنے آتیں ہیں۔

انعم زہرہ...... ملتان۔ آنچل اسٹارف اور تمام ریڈرز اور رائٹرز کو میرا عقیدت بھرا اسلام آنچل اس بار 24 کو ملا۔ سرورق پر "جمہما" کی چوڑیوں پر لحہ بھر کو نظر ٹھہری، در جواب آں میں "اقرأ" آنی آپ کے نقصان کے بارے میں جان کر بے حد دکھ ہوا۔ خدا آپ کو اور آپ کے بھو بیٹے کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کو صحت کاملہ و عاجلا عطا فرمائے آمین۔ ہمارا آنچل میں رقیہ ناز سے باتیں کر کے اچھا لگا اور آخر میں شعر پڑھ کر دل بے ساختہ دھڑک اٹھا اور کئی منظر نظر سے گزرے جنہیں بھلانے کے لیے میں ایک مدت سے کوشاں ہوں، سلسلہ وار ناولز کی طرف آئے تو اقرا آنی کے ناول "تیری زلف کے سر ہونے تک" میں ایک دردناک خبر کو اپنا منتظر پایا۔ اقرا آنی یہ سودا کو کیا کر دیا۔ خدار سودا اور زید کو جدا مت کیجیے گا البتہ اس سے عمرانہ خاتون کے سدھرنے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں اور نوفل بھائی اتنی خطرناک ایکٹنگ بھی کوئی کرتا ہے بھلا۔ پتا ہے ہماری ہیروئن رو رو کر آدھی ہو گئی ہے۔ ویسے انشی کو سیدھا کرنے کے لیے یہ ضروری تھا آنی زبردست لکھ رہی ہیں آخری قسط کا انتظار رہے گا۔ اور عنشا آپی کا "اکائی" بہترین جا رہا ہے۔ وقار صاحب ایک غلطی کے بعد دوسری بڑی غلطی کرنے جا رہے ہیں۔ جب فاطمہ کسی طور محفوظ نہیں ہے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ اس کے ساتھ رہ کر اس کی حفاظت کی جائے۔ پر نہیں وقار میاں کو تو قربانی دینی ہے۔ اور محمد جہانگیر کا گریز پسند آیا۔ اگلی قسط کا انتظار رہے گا۔ "بیاض دل" میں سیاس گل، ثنا شازنہ پرویز ثنانو، مہر و عباس، زہرہ عباس، پروین افضل شاہین، نور بانو، ام ہانی شاہد کے اشعار پسند آئے اور "میمونہ رومان" میرے شعر کو جگہ دینے کا شکریہ "نیرنگ خیال" میں نورین مسکان سرور رمشا، عمران فائق، مدیحہ اکرم کی شاعری پسند آئی۔ "دوست کا پیغام آئے" میں ہما احمد آپ کا نوٹ پڑھ کر کان کھڑے ہو گئے۔ صد شکر کے خط آپ نے شامل کیا۔ آئینہ میں سب ہی بہنوں کے تبصرے پسند آئے اور شہلا آنی میرا تبصرہ شامل کرنے کا شکریہ، آج خیر سے میری دونوں بہنیں "ارم زمان" اور "دینش عباس" اپنے شریر بچوں کے ساتھ آئی ہوئی ہیں اور وہ مجھے اس سے زیادہ لکھنے نہیں دیں گے۔ اس لیے اجازت چاہوں گی، اس دعا کے ساتھ کے خدا ہمارے پاکستان کو دشمنوں اور جنگ سے پاک شاد و آباد رکھے اور کشمیر جلد از جلد آزادی نصیب فرمائے آمین۔

ماریہ نذیر...... بھاگتنوالہ السلام علیکم! کیا حال سب اسٹاف اور قارئین کا امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آنچل کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی دے آمین۔ جنوری 2020 کا شمارہ 26 دسمبر کو ملا۔ "ماہ نور" ناول کب شروع ہوگا؟ سرگوشیاں سب کو نئے سال کی مبارک ہو بہت۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے سب کو آنے والا سال خوشیوں سے بھرا ہوا ملے اور کوئی غم، دکھ، تکلیف نہ آئے۔ پاکستان کے حالات بھی اب بہتر ہو جائیں اور حکمرانوں کو ہدایت نصیب ہو آمین ثم آمین۔ حمد اور نعت ہمیشہ کی طرح بہت اچھے لفظ لفظ دل میں سکون لانے کی۔ باعث بنا۔ حکیم اللہ خان صاحب اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے آمین۔ ہم

سے پوچھے سب کے سوالات بہت مزے کے تھے اور جوابات؟ جی جی آپ کو پتا ہے جوابات کا تو۔ مونا قریشی، کرن شہزادی، اقراء، یاسمین کنول کے سوالات اچھے تھے۔ آئینہ سب کے تبصرے حسب عادت خوشحال مطلب بہت زبردست تھے (ہاہاہا) نور چودھری اور شازیہ کی کمی محسوس ہوئی۔ فائزہ شاہ آپ کو اپنے خط میں یاد کرلیا اب خوش؟ بہت مبارک ہو تقریری مقابلے میں ایوارڈ ملنے پر، ہمیشہ یونہی کامیابیاں سمیٹتی رہو آمین۔ رمشا آصف تبصرہ پسند کرنے کا شکریہ۔ رضوانہ وقاص شکریہ۔ بہت آپ کو خط اور دیگر نگارشات پسند آئی ہیں میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور آپ کے شہزادوں کو سالگرہ کے موقع پر ڈھیر ساری دعائیں۔ ام زہرہ شکریہ کی کوئی بات نہیں اور آپ کے ماموں کو ہدیہ کردیا ہے۔ صائمہ مشتاق اچھا ہوا آپ آ گئی اور سن کے بہت خوشی اقراء ممتاز آپ کی بھابی ہے مستقبل کی، اللہ خوشیاں دے ڈھیرے ساری، ام ہانی آپ ہماری دوست بن کے بہت خوش ہیں تو ہم آپ کی خوشی میں خوش ہیں تاعمر خوش رہو ڈیئر۔ یادگار لمحے بہت بہت اچھا رہا۔ بینا دعا کا انتخاب پسند آیا۔ جویریہ سالک مجھے شامل کرنے کے لیے شکریہ۔ ویسے شکریہ کہنا بنتا تو نہیں آخر کو ہم قارئین ہیں، ہم نہ ہوں گے تو کون سنوارے گا یادگار لمحے کو (ہاہاہا) دوست کا پیغام آں ہاں مجھے کس کس نے یاد کیا اچھا جی تو سرفہرست عائشہ شکیل عاشی بہت شکریہ یار بینا دعا کے لیے جزاک اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی دعا کو ہمیشہ سلامت رکھے آمین، مدیحہ طارق، ہم ٹھیک آپ سناؤ، تبسم بشیر سالگرہ مبارک کے لیے شکریہ۔ فاخرہ صغیر دوستی قبول ہے۔ ہائے فائزہ شاہ مجھے ڈھیر سے جان کہہ کے بے جان کردیا (ہاہاہا) میری جانی، جانو، جان سالگرہ وش کرنے کے لیے شکریہ آپ بھی خوش رہو۔ رابعہ احمر بھٹی اینڈ تحریم میں ٹھیک ہوں آپ دونوں سنائیں؟ سمعیہ سجاول نومبر میں میری سالگرہ ہوتی ہے خیر مبارک، اسما صدیقہ اب ہاتھ ہولا رکھیں گے۔ نیرنگ خیال بہت اعلیٰ، ڈش مقابلہ گاجر کا زردہ اور گاجر کا حلوہ پسند آیا۔ سردیوں کی سوغات، مزہ آ گیا۔ بیاض دل ام زہرہ کا شعر پسند آیا۔ باقی سب کے اشعار بھی زبردست تھے رہنا تنالا جواب۔ اچھا سلسلہ ہے لفظ لفظ کانوں میں رس گھولتا ہے۔ انکل جی ڈھیر ساری دعائیں۔ ہمارا آنچل رقیہ ناز کے سوالات بہت پسند آئے۔ رقیہ خوش رہو میری دوست۔ میری زلف کے سر ہونے تک اللہ اللہ اقراء آپی تین سال سے آپ عمرانہ کو کیا کہنا روپ میں دکھا رہی ہیں اب تو پلیز بس کردیں نا۔ اب ڈاکٹر صاحب نے گویا گویا ہونا تھا یہ تو بتادیں آپ، نوفل نے پلاننگ کی اب انشراح اکڑے گی نوفل منائے گا یار یہ ہو کیا رہا ہے۔ قسم سے بس ہوگئی ہے اب ختم کردیں اس ناول کو پلیز، سودہ کی بیماری سے عمرانہ ٹھیک ہوگی شاید بیٹی کی پیاس کے روپ سے تو ٹھیک ہونے سے رہی۔ اکائی رجت سنگھ فاطمہ سے اور فاطمہ وقار سے اور وقار اللہ جانے۔ شاعری زبردست تھی اور قسط بھی اچھی ہی تھی۔ نائس عشنا آپی۔ تو میرا ہم راز نازیہ جمال کا افسانہ سبق آموز تھا پچھلی محبت کو دل میں بسائے اگلی زندگی بھی برباد کرتی ہیں۔ شکر ہے زویا تمہیں عقل آ گئی اور عدیل کی محبت کا یقین بھی ہوگیا۔ ویسے مری کی سیر کا نقشہ سردیوں میں ہائے ٹھنڈ سے دانت بج رہے ہیں۔ نیلا دل یاسمین نشاط کا ناول شروع سے اچھا لگا۔ تبصرہ ادھار۔ مکمل ہونے پر کروں گی۔ اوقات سے بڑھ کر دوسروں کی مدد کرو تب ملتا ہے۔ نیہہ کی مدد برے وقت میں ایک بوڑھی نے کی تو اسے بھی وہی اچھی لگتی تھی۔ اپنے اصل رشتہ دار تحائف کے پیچھے اس کی خوشامد کررہے تھے۔ واقعی ان کی اوقات کوئی نہیں ہوتی جو وقت پڑنے پر گرگٹ کی طرح بدلتے ہیں۔ کچھ عشق تھا کچھ مجبوری فاریہ کا ماڈل بننے کے خواب والا نقشہ کیا۔ کھینچا آپ نے شبانہ شوکت راؤ، فاریہ اور عنابیہ کی دوستی اچھی لگی۔ فاریہ کا اپنی محسن کے لیے اپنی محبت کی قربانی دینا بھی اچھا لگا۔ بہت اچھا ناول تھا شبانہ جی، ڈھیر ساری تعریف کی تھپکی آپ کے کندھے پر۔ (ہاہاہا) عشق دی ماری میں جھلی اس ماہ کی قسط بہت شاندار تھی۔ حسن کا حویلی واپس آنا اور سب سے ملاپ کروا گیا۔ حکیم اللہ کو فالج ہوا (جیسا کروگے ویسا بھروگے جاچاجی دنیا مکافات عمل ہے آپ کو نہیں پتا؟) سکینہ وجاہت لوگوں کی کزن ہے اچھا لگا جان کے۔ اب ہاجرہ شاید حسن سے بدلہ لینے کے لیے ہی سکینہ کو بہو بنائے گی آگے واللہ اعلم، اگلی قسط کا بے تابی سے انتظار ہے اور صائمہ جی پلیز اینڈ کردیں اب۔ تو ملا جیسے دعا ملے نہال کی عروسہ کے لیے محبت اچھی لگی ایک طلاق یافتہ کے ساتھ نہال تم عظیم ہو بھائی۔ نہیں نہیں ہو تو تم نہال ہی عظیم بھائی ہیں۔ عروسہ کی محبت نہال کے لیے بے قراری بھی اچھی لگی۔ کھو جانے کا خوف ختم ہوگیا بالآخر عارش کی آمد سے محسن بھی اچھا کردار تھا۔ واقعی محبت ایک بار ہی ہوتی ہے مگر بکھری محبت کو سنبھالنے والے سے عشق ہوجاتا ہے۔ سیدہ فرحین جعفری نائس، یس جی شہلا آپی ایک ناولٹ جمع دو مکمل ناول جمع دو قسط وار ناول جمع، تین افسانے پس رسالہ ختم، ایک دن میں ہی، اب پورا مہینہ انتظار کرنا پڑے گا۔ فروری کے شمارے کا دیکھ لیں شہلا آپی سردی سے ہاتھ سن ہوگئے ہیں۔ قلم آگے لکھنے سے انکاری ہیں مگر آپ کی محبت اور آنچل سے محبت لکھوائے جارہی ہے۔ فی امان اللہ۔

☆ پیاری ماریہ! ماڈل کو سردی نہیں لگتی جب ہی اس نے کپڑے ایسے منتخب کیے تھے اور ہماری محبت آخر میں یاد آئی اس کو کہتے

ہیں مکھن لگاتا۔

رضوانہ وقاص...... ھری پور کرلاں ۔السلام علیکم! شہلا آپی آپ کا شکریہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا کہ میرا خط ہر مہینے شائع ہونے لگ گیا۔ اس دفعہ آنچل نے بہت انتظار کروایا۔ 20 تاریخ سے پتا کروائی رہی، شوہر نے کہا کہ ایک تو تمہاری کتاب نہیں آئے روز پتا کرتا ہوں۔ 25 تاریخ کو بازار گئے تو آنچل کتاب لے آئیں۔ میں ظہر کے ٹائم سبق پڑھ رہی تھی۔ خط اپنا پہلے دیکھتی ہوں۔ مغرب کے بعد لائٹ آئی پھر اس کے بعد آنچل ہاتھ میں لیا۔ سب سے پہلے جی ماڈل جمائما کچھ سوچتی ہوئی اداس سینام میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔ مجھ کو ناخن پالش اچھی لگی کیونکہ ناخن پالش میں لگاتی نہیں لیکن اچھی لگتی ہے۔ ”سرگوشیاں“ پڑھی قیصر آرا نے ٹھیک لکھا ہے کہ گزرے سال میں ہم نے اپنے قریبی رشتہ دار کھودیے آنے والا سال ہمارے لیے خوشیاں لے کر آئیں آمین۔ اور ہم سے جو روٹھے ہوئے ہیں ان کو منالے اور ہم اپنے بزرگوں کی طرح پیار و محبت سے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہیں۔ حمد و نعت دونوں پڑھی، ربنا اتنا اچھا سلسلہ ہے۔ ہمارا آنچل رقیہ ناز کا پسند آیا۔ کیونکہ یہ تو میری دوست ہے۔ اپنے پسندیدہ ناول ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ عمرانہ بیگم جتنی بری سودہ کے ساتھ ہے لیکن مائدہ نے اب سودہ کے ساتھ رویہ ٹھیک کرلیا ہے وہ جنید کو چاہتی ہے یہ کیا سودہ کے ساتھ زید اتنا پیار کرتا ہے۔ سودہ کو یہ کیا بیماری ہوئی۔ پلیز ان دونوں کو جدا نہیں کرنا۔ نوفل پلیز آپ انشراح کے ساتھ اتنا برا رویہ نہ رکھے۔ ”عشق دی ماری میں جھلی“ اگلی قسط آخری ہوگی احسن کو سب اپنی مل گئے۔ سب کو معاف کردیا۔ حکیم اللہ کے لیے میرا دل بڑا دکھا ہے۔ فالج کا سن کر رضا کا نہیں بتایا کہ اس کی ٹانگوں کو کیا ہوا ہے اور آسیہ، شفیق کا احسن کے ساتھ کیا رشتہ ہے۔ ”اکائی“ یہ کیا فاطمہ کو بچانے وقار الحق پہنچ گئے اچھا لگا کہ محبت میں ان کو ایسا لگا کہ فاطمہ کی جان کو خطرہ ہے۔ ریحان اور جنت کو سزا ملنی چاہیں۔ دونوں کا کردار بہت برا ہے ”کچھ عشق تھا کچھ مجبوری“ ناولٹ پسند آیا۔ لڑکی تو شادی کے بعد اپنے شوہر کو چاہنے لگ جاتی ہے۔ ریان اتنی پیاری بیوی کے ہوتے ہوئے فاریہ کا سوچتا رہا یہ بھی کوئی بات ہوئی، بہت برا لگا، افسانہ ”تو ہمراز میرا“ زوہا جان بوجھ کر عدیل کو اچھا کھانا نہیں پکا کردیتی تھی لیکن عقل اسے ٹھوکر کھانے کے بعد آئی، وری انٹرسٹ بیماری میں ہی اچھے برے کا پتا چلتا ہے۔ نیلا دل کی غزل اچھی لگی تبصرہ دوسری قسم پر ان شاء اللہ۔ سب سے زیادہ پسند آیا۔ ”تو ملا جیسے دعا ملے“ محسن کا کردار پسند آیا غلطی تو اس کی ہے وہ شادی سے پہلے بتا دیتا لیکن اس طرح کسی کو زندگی میں شامل کرکے چھوڑ دینا بھی اچھی بات نہیں بغیر کسی قصور کے نہال بھائی واہ...... کیا بات ہے آپ کی چھا گئے نا ایک طلاق یافتہ سے شادی کی جو تم سے بہت پیار کرنے لگی۔ ”بیاض دل“ میں شعر پسند آئے مہر و عباس، زہرہ عباس، دانیہ مغل، فیاض اسحاق، شفاعت بتول، نگہت غفار کے اشعار پسند آئیں ڈش مقابلہ سارا پسند آیا کتابیں سنبھال کر رکھوں آپ سب بہنوں کی دعا سے جب ٹھیک ہوئی تو ان شاء اللہ سب ٹرائی کروں گی ”نیرنگ خیال“ یہ دل ہمارا کیا کرتا۔ ٹوپاک آرمی، بچپن آنکھیں۔ نیکی ظہیر کی غزل پسند آئی بہن تو میری کوئی نہیں لیکن یہ پسند آئی بہت۔ اس دفعہ نیرنگ خیال میں غزلیں لمبی اتنی ہیں۔ میں اپنی ڈائری میں لکھتی ہوں لیکن یہ تو بہت ہی لمبی ہے۔ ”دوست کا پیغام آئے گا“ آخر میں میری ٹیچر میں الماس کا انتقال ہوگیا ہے آپ سب سے گزارش ہے ان کی مغفرت کی دعا کے لیے اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ کوئی غلطی کوتاہی ہوئی تو معاف کرنا شہلا آپی سب کو سلام سب میرے لیے دعا کریں میں ٹھیک ہوجاؤں آمین۔

مہر نزاکت مہری...... مغل پورہ آل آنچل رائٹرز ریڈرز اینڈ اسٹاف السلام علیکم! امید ہے کہ سب بھلے چنگے ہوں گے نیا سال بہت بہت مبارک ہو سب دوست اتنا یاد کررہے تھے کہ آنا ہی پڑا ویسے آپ سب کے لیے ایک خوش خبری ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ سب کی سحری بہت جلد ہمیں ایک چھوٹا سا پیارا سا کاکا دینے والی ہیں چلیں اب جلدی سے سب مبارک باد دیں۔ میرا ابھی بہت دل چاہتا ہے آنچل میں شرکت کرنے کا پر کیا کریں۔ سیف بھائی ہر وقت آرام آرام کی رٹ لگائے رکھتے ہیں اس لیے بے چاری صرف پڑھنے کا ہی مزہ لے پاتی ہوں ویسے ایک بات بتاؤ قیصر آرا آپی کی واپسی پر وہ بہت خوش ہوئی تھی چلے جی ہم بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے اس سے پہلے کہ شہلا ہمیں چلتا کرے ہم تبصرہ کرتے ہیں اس ماہ کا آنچل بھی سیف بھائی سے ہی منگوایا۔ اس کے بعد سرگوشیاں پڑھیں ارے آپی آپ پریشان نہ ہوں، ہم اپنوں سے ناراض ہوتے ہی نہیں کیسا؟ حمد و نعت حکیم خان نے حکیموں والا کام کیا بھئی دل و دماغ کو سکون پہنچانا اور کیا؟ در جواب آں کہیں خوشی کہیں غم والا منظر تھا سب ہی بے چارے اپنی کہانیوں پر فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ ہی ہی ہی۔ ربنا آتنا یہ ایک سلسلہ ہے آنچل کا جو ہمیں بہت بہت پسند ہے۔ ہمارا آنچل بھی رقیہ ناز کا آنچل بہت اچھا لگا ان کی باتیں سو کیوٹ سلسلہ وار ناول کی بات کی جائے تو یار شہلا ہمیں ایک بات بتائیں صرف چار تحریروں

کے علاوہ پڑھے کو کچھ نہیں تھا یہ کیا ہے؟ پورے مہینے کے انتظار کے بعد صرف چار کہانیاں پانچ یا چار سلسلہ وار ہی ہمیں بہت غصہ آیا کیوں خاصی کہانیوں کو کھینچتے ہیں؟ تیری زلف کے سر، اکائی، نیلا دل، عشق دی ماری چار سلسلہ وار توبہ کچھ خوف کریں ترس کھائیں ہم پر جو مزہ مکمل کہانی پڑھنے میں آتا ہے وہ ان آئندہ ماہ، آئندہ ماہ میں کہاں؟ افسانے تینوں ہی بیسٹ تھے ہم کسی کا دل نہیں توڑتے ہیں۔ شبانہ شوکت کا کچھ عشق تھا کچھ مجبوری ہمیں بہت پسند آیا ان کا پچھلے مہینے جو دو اقساط والا ناول چلا تھا وہ ہمارا فیورٹ ٹھہرا نام یاد نہیں آرہا اور ام زویا بھی بہت اچھی رائٹر ہیں ان سے بھی لکھوائیں اور پلیز ختم کریں سلسلہ وار ناولوں کو پک گئے ہیں ہم ہر ماہ ان ہی ناولز کی شکل دیکھ دیکھ کر...... اور نا آپ کی صحت والا سلسلہ بھی بند ہونا چاہیے۔ ہر ماہ پرانے ہی مسئلے تو ہوتے ہیں ہوسکتا ہے کہ ہمارے تبصرے سے کوئی اتفاق نہ کرے (سو نہ کرے) یہ ہم نے اپنی رائے دے دی چلے جی چلتے ہیں ابھی ہم نے سیف بھائی کے ساتھ کا کے کی شاپنگ پر بھی جانا ہے۔ سحری کی طرف سے سلام قبول کریں بے چاری کوس رہی ہے آپ کو شہلو بہت یاد کرتی ہے کہ ہر ماہ شہلا میرا تبصرہ نمبر ایک پر لگاتی تھی پر شاید اب آپ بھول گئے ہوں لے چلے جی میری طرف سے محبت اور چاہت سے بھرا سلام قبول کریں۔

☆ پیاری مہر! ہماری طرف سے خالہ بننے کی مبارک باد قبول کرو اور یہ کیا کہانی ایک ہی پڑھی، اس کا مطلب پرچا صرف دیکھنے کے لیے لیا تھا۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ تحریر زیادہ ہو جب ہی دوستوں سے پیغام مختصر کرنے کو کہا ہے پر وہ بات کو سمجھیں تب ناں۔

سونیہ اداس...... نامعلوم۔ جنوری کا شمارہ ہاتھ آیا تو حسب عادت الٹی طرف سے ورق گردانی کی۔ ایک زوردار جھٹکا لگا سونی کا نام نہ شاعری، تبصرے، انٹرویو سب میں غائب۔ آنا تو دسمبر کے شمارے میں تھا مگر صبر کے ساتھ جنوری کے شمارے تک انتظار کیا۔ دل تو کیا شہلا جی کو برخاست کردوں۔ ویسے تو میں نے فل تیاری کرلی ہے جنگ کرنے کی بازو بھی چڑھائے ہوئے ہیں مگر پھر ایک خیال دل میں اچھلا تو جنگ ختم کرنی پڑی خیال یہ کہ میری ایک ہی دوست ہے اسے وش کرنے لیے ڈائجسٹ کی ضرورت ہے۔ وش تو مارچ میں کرنا ہے مگر میں ابھی غزل ارسال کررہی ہوں۔ پلیز آپ مارچ میں غزل شائع کرکے شکریے کا موقع دیں یہ میرا حکم نہیں درخواست ہے کیوں کہ اس سے آپ کو معافی مل جائے گی اور دوست کو خوشی کی بات کرتے ہیں جنوری کے شمارے پر ماڈل بہت پسند آئی مگر نام سے علم ہوا پاکستان میں اس قدر خوب صورت دوشیزہ کہاں؟ سرگوشیاں پڑھنے کے بعد حمد و نعت سے دل کو منور کیا پھر پہنچے ناول "عشق دی ماری میں جھلی" صائمہ جی آپ نے تمام سسپنس ایک ہی قسط میں ختم کردیا۔ اب اس کے جلد ختم ہونے کے ڈر سے اچھا نہیں لگا، اب ہاجرہ اپنے ٹھکرائے جانے کا بدلہ حسن کی بیٹی سے لے گی مگر صائمہ جی پلیز اب آپ فجو کی طرح سکینہ کے ساتھ کچھ برا مت کریں۔ ناولٹ "کچھ عشق تھا، کچھ مجبوری" نہ تو اس میں عشق نظر آیا نہ ہی مجبوری مگر سوری اچھی تھی خاص طور پر فاریہ کا کردار بہت اچھا تھا خدا مجھے بھی فاریہ جیسی دوست دے آمین۔ افسانے سب ہی بہت اچھے تھے بیاض دل میں ام ہانی اور نور بانو کے اشعار پسند آئے۔

☆ پیاری سونو! آپ کی ڈاک ہم تک نہیں پہنچی اس لیے جگہ بھی نہیں دے سکے۔ دوست کو مبارک باد دینی ہے تو جلدی سے نگارشات لکھ کر ارسال کردیں۔

ایمن غفور چوھان...... خانیوال۔ السلام علیکم شہلا آپی اور قارئین امید واثق ہے کہ آپ سب ٹھیک ہوں گئیں پر میں ٹھیک نہیں ہوں (ارے سردی کی وجہ سے نہیں غصے کی وجہ سے) یار آپی ایک بات بتائیں مجھے جب بندہ اتنی محنت اتنی لگن سے بیٹھ کر خط لکھے اور خط نہ لگے تو سوچے کتنا غصہ آتا ہوگا بندے کو بتاتا آپی اور اس بار میں نے سوچا کہ کوئی اور نہیں تو شہلا آپی مان ہی رکھ لیں گی اور آنچل میاں (سب کا بھئی ہاہاہا) ہمارے ہاتھ 23 کو لگا وہ بھی تین بھائیوں کی منتے ترلے اور بہت سارا مسکے لگانے کے بعد کے نہ پوچھے، حرا سے کہا کہ جلدی سے اپنے پیغام پڑھو (ہائے اللہ) یہ کیا حرا بولی۔ ارے ایمن اپنے خط ہی نہیں لگے۔ حرا کے ہاتھ سے آنچل کو جھپٹا اور دھڑکتے دل کے ساتھ پیغام دیکھے (جب پیغام نہ ملے تو افسوس کیا اب کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی ہم بیچاریاں) تو چھوٹا سا منہ کرکے حرا سے کہا کہ کوئی جوک ہی سنا دو (اب صدمہ ہی اتنا لگا تھا) حرا نے "رمشا آصف" کا جوک پڑھ کر سنایا "ہنسی پر تھڈے ٹو یو ہاہاہا ہی ہی ہی۔" تھینکس رمشا ڈیئر آپ نے ہماری اداسی دور کی اور اب تبصرہ سرورق پر جمائما کی صرف آنکھیں پیاری تھی۔ سوری جمائما آپ پسند نہیں نام پڑھتے ہی جمائی آگئی ہاہاہا آگے بڑھی، حمد و نعت لاجواب اور ٹرسے پڑھی سرگوشیاں بھی پڑھیں اللہ کرے کہ یہ سال، ہم سب اور پوری دنیا والوں کے لیے خوشیاں کامیابیاں اور کامرانیاں لے کر آئے آمین اور ہاں آپ سب کو میری طرف سے ڈبل 20 اور میرا مطلب 2020 یار (ہاہاہا) درجواب آں اقرا اصغیر احمد اور نازیہ کنول نازی جی کی ناسازی

طبیعت کے بارے میں پڑھ کر بے اختیار اللہ سے ان کی صحت یابی کے لیے دعا کی اور رینا اتنا بھی ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا۔ ہمارا آنچل میں رقیہ ناز سے ملی تھوڑی تھوڑی۔ مجھ سے عادت ملتی ہیں آپ کی اور یار رقیہ جن لمحوں کی آپ منتظر ہیں میں بھی ہوں تو دوستی پکی اوکے۔ کہانیاں، تیری زلف، اکائی، عشقے دی ماری، کچھ عشق تھا کچھ مجبوری، نیلا دل، اوقات سے بڑھ کر اور تو ہمراز میرا، میں عدیل کی مسز کے ہاتھ کے پنک بھنڈی اور کدو انڈے کا مکسچر بہت مزے کا تھا (ہاہاہا) بیاض دل میں سب کے شعر بیسٹ تھے اور نیرنگ خیال یار جب ہم آنچل نگری میں دوڑ لگائیں تو راستے میں ایمان وقار بیٹھی ہوئی ہیں ڈنڈا لے کر اور کہتی ہیں کہ چلتے بنوں اور یہاں سے اپنی ذاتی شاعری لے کر آؤ، اب بندہ ان سے پوچھے کہ کسی کو شاعری کی الف ب بھی پتا نہ ہو (ہاہاہا) تو بندہ کہاں جائے ایمان جی (ہائے اللہ جی اب لتنے بھی نالائق نہیں ہم نرسری سے تھری کلاس تک فرسٹ پوزیشن لی تھی وہ تو ابو جی نے پڑھنے نہیں دیا ورنہ ہم ذہین بہت ہیں ماشاء اللہ اپنے منہ میاں مٹھو نہیں سچی بات ہے) اور دوست کا پیغام آئے میں ہما آپی سے اتنا ہی کہنا چاہوں گی چھوڑ دیا ”ہما آپی“ کی محفل کو جس محفل میں میرا خط نہ لگے دور ہوں میں ان سہیلیوں سے جن کے بارے میں میں نے خط لکھے اب آپ سب یہ مت پوچھنا یہ کون سا گانا ہے اور جن سسٹر نے یاد کیا سب دل کی گہرائیوں سے، بہت وڈے والا شکریہ۔ یادگار لمحے بہت خوب میرا مطلب بہت خوب سمجھے کہ نہیں سمجھے اور بھائی عثمان عبداللہ اس بار اچھے بچے بنے ہوئے تھے آئینہ میں بھی خوب رونق لگی ہوئی تھی سب کے تبصرے عمدہ تھے ڈیئر صائمہ مشتاق، سرگودھا والی آپ کے ہاتھ میں مالٹے دیکھ کر حرا کے منہ میں پانی آ گیا آپ ایک دو اس کو بھی دے دو بھوکی نادیدی نہ ہو (ہاہاہا) ہم سے پوچھئے میں شمائل بھی سب کو اکٹھا کیے ہوئے تھی مزہ آیا سب کے سوال اور شمیلی کے جواب پڑھ کر۔ آپ کی صحت جی ایک دم فٹ الحمدللہ اور تبت کولڈ کریم ضرور چرائی کیونکہ سردی کی وجہ سے جلد رف ہو رہی تھی۔ آنچل فرینڈز اپنا خیال رکھنا خاص کر ارم آصف، شانزہ پرویز، ڈاکٹر زارا کہاں ہو انٹری دو آنچل میں اور اچھا اچھا شہلا آپی اب آپ گھور کر تو نہ دیکھو مجھے ڈر لگتا ہے اور آپ نے تو چائے پانی کا بھی نہیں پوچھا او کے فرینڈز چلتی ہوں ورنہ آپی شہلا ڈنڈا دکھا کر کہے گی (نی بل بتوڑی چل تو یہاں سے ہی، ہی، ہی) ہم ہیں پیاسے آپ کے جواب کے پھر ملیں گے اللہ حافظ۔

☆ پیاری ایمن! پہلے تو سالگرہ کی مبارک باد وصول کرو۔ ڈاک تاخیر سے موصول ہوئی اس لیے جگہ نہیں ملی۔

خوشی...... سرانوالی، سیالکوٹ تمام آنچل اسٹاف اور قارئین کو میری محبتوں وعقیدتوں سے بھرپور سلام قبول ہو۔ سب سے پہلے جن بہنوں دوستوں نے آنچل نگری سے ہمیں یاد رکھا ان کا بہت شکریہ اینڈ جزاک اللہ خیرا۔ ہر ماہ بہ مشکل ڈاک بھیجنے کے بعد کبھی کبھی آنچل میں جلوہ افروز ہو پاتی ہوں پتا نہیں ہماری ڈاک آپ کو نہیں ملتی یا ہم ہی مزاج یار پر پورا نہیں اترتے۔ آنچل حسب معمول پچیس دسمبر کی شام کو ملا، ٹائٹل زبردست لگا۔ سب سے پہلے صائمہ کا ”عشقے دی ماری“ پڑھا پچھلی قسط نے جتنا رلایا یہ قسط اتنی ہی دلچسپ لگی۔ جمشید کا بدل جانا دل کو بھایا امید ہے ہاجرہ بھی اس حقیقت کو جلد قبول کرلے گی، شمع کو جمشید سے پیار نہیں وہ اس کے جوان بچوں کا باپ ہے شوہر جیسا بھی ہو عورت کے لیے پیارا ہی ہوتا ہے۔ ہاجرہ جیسی لڑکیاں صنف نازک کیسے کہلا سکتی ہیں اتنی چاہت کرنے والا شوہر ملا اور دل پتھر سے بھی زیادہ سخت کیا ہوا ہے ذرا جو پگھلا ہو۔ صد حیرت ہے۔ ازدواجی زندگی کے بیس پچیس سالوں میں کیا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا جو پرانی محبت کو بھلا کر موجودہ محبت کا احساس جگا دے اگر یہ انا ہے تو ایسی انا پر ہزاروں بار لعنت، سچ ہے جو شاخ جھکنا پسند نہ کرے تو ٹوٹنا ہی اس کا مقدر ٹھہرتا ہے۔ میں شاید اس لیے ایسا سوچتی ہوں کیونکہ میں شوہر یا کسی اور رشتے سے ایک دن بھی ناراض نہیں رہ سکتی۔ دوسرا قسط وار ناول ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ پڑھا بہت خوبی سے ساتھ رواں دواں ہے نوفل کو اپنی ماں سے راضی ہو جانا چاہیے ماں جیسی بھی ہو ماں ہوتی ہے انشراح سے تو لگتا ہے ناراض ہونے کی ایکٹنگ ہی کر رہے ہیں۔ سودہ کی بیماری لگتا ہے ”زحمت کے روپ میں رحمت“ ثابت ہونے والی ہے عمرانہ کا دل اب پھر جائے گا۔ عروہ اور شاہ زیب کامیاب زندگی گزار پائیں گے کیوں شاہ زیب صاف دل کا آل ریڈی مالک ہے اور عروہ اب بدل چکی ہے۔ بہرحال اینڈ اچھا ہونا چاہیے اب بات ہو جائے عشنا صاحبہ کے خوب صورت ناول ”اکائی“ کی یہ وقار الحق کی تو شاید مت بالکل ہی ماری گئی۔ بھی فاطمہ کو چھوڑنے کی باتیں کرتا کبھی اپنی ہی بیوی کو کسی دوسرے کو سونپنے کی باتیں کرتا ہے۔ اس سے اچھا بلکہ لاکھ درجے اچھا تو محمد جہانگیر ہے ساری جوانی خاموش محبت کی پاسداری کرتے گزار دی اور اب بھی محبت کی خوشی کی خاطر ظرف بڑھائے ہوئے ہے۔ اس سے اچھا تو ریحان نکلا جو شاید بدل رہا ہے۔ جنت کو تو ضرور دوزخ میں بھیجے گا اور ہمیں لائیو دکھائے گا بھی۔ سیدہ فرحین کا افسانہ ”تو ملا جیسے دعا ملے“ پڑھا زبردست لگا محسن نے اچھا اسٹیپ اٹھایا۔ انعم کو بھی سہارا مل گیا اور عروسہ بھی ساری زندگی برباد ہونے سے بچ گئی۔ فرح ریاض نے بھی کیا خوب لکھا واقعی اوقات رشتوں سے نہیں جذبوں سے پتا لگتی ہے نازیہ جمال نے بھی ”تو ہمراز

میرا" کیا خوب لکھا۔ شکر ہے زوہا کو جلد قدر ہوگی۔ زوہا کا رات کو عدیل کو پکارنا اور رونا مجھے ایسا لگا جیسے میرے بارے میں لکھ دیا ہو۔ الحمدللہ زوہا جیسی زندگی اور پیار مابدولت کو میسر ہے اور میں اس کی دل کی گہرائیوں کے ساتھ قدر دان بھی ہوں۔ اب بات ہو جائے آنچل کی شان مستقل سلسلوں کی جن کو میرے ہسبینڈ بھی بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ بیاض دل اس دفعہ زیادہ اشعار میرے معیار پر پورا اترے۔ ڈش مقابلہ بھی زبردست رہا۔ سب ڈشز پہلے سے بنانا آتی ہیں نیرنگ خیال میں سب سے پہلے کسی نہ کسی قاری کی نعت کو جگہ دیا کیجیے بعد میں غزلیات اور نظمیں۔ "یادگار لمحے" اس دفعہ سب کی تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھی کسی ایک کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ "ہم سے پوچھیے" میں بھی کبھی پوچھ ہی لیں گے۔ باقی رہا "آئینہ" اس کے تو کیا ہی کہنے بزم جمتی ہے اور خوب جمتی ہے۔ بس شمائلہ آپی یہ کوشش کیا کیجیے کہ کسی قاری کا دل نہ ٹوٹنے پائے جو شائع ہونا چاہیے اسے ضرور جگہ ملے۔ باقی رہی "آنچل" کی بات یہی تو ہے اصل میں رونق جہاں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ میرے وطن عزیز اور پیارے آنچل کو سدا شاد باد رکھے اور ہم سب کو حفظ وامان میں رکھے سب کی ہر جائز خواہشات پوری کرے آمین والسلام۔

☆ پیاری خوشی! تبصرہ بہت شان دار ہے ہر سلسلے کو بغور پڑھا ہے اور تعریف اور تنقید بھی خوب کی کوشش کریں گے کہ جیسا آپ چاہ رہی ہیں آئندہ ملے ویسے ہی ترتیب دیں، ویسے دہ گئی میاں کی بات تو تھوڑی ناراضی تو بنتی ہے۔

سمعیہ رانی...... ملتان۔ تمام آنچل اسٹاف، ریڈرز و رائٹرز آنی قیصر آرا، اینڈ شہلا آپا کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محبت کی چاشنی میں ڈوبا سلام قبول ہو۔ دسمبر میں بادلوں اور جنوری میں دھرے ملتان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ دعا ہے جلدی سے موسم اچھا ہو جائے مگر دل کا موسم اچھا ہونا چاہیے۔ موسموں کا تغیر و تبدل تو چلتا ہی رہے گا۔ اب آتے ہیں ٹائٹل کی طرف۔ سب سے پہلے ٹائٹل گرل۔ جمائما خان اوہ سوری جسٹ جمائما تھوڑی پر ہاتھ رکھے غالباً نئے سال میں بڑھتی مہنگائی کے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کا سوچ رہی تھیں۔ آگے چلے تو جو شاندہ لانے گلے کا خوب علاج کیا، حجاب اور نئے افق کی جھلک دیکھ کر سرگوشیاں پڑھا آنی سہی کہتی ہیں میں بھی یہی کہتی ہوں کہ اس دور میں کوئی اپنا نہیں سارے اپنی غرض کے بندے ہیں وہ محبت وخلوص جو پرانے زمانے کا خاصا تھا۔ اس کی جگہ آج نفرت، جلن، حسد اور لڑائی جھگڑے نے لے لی ہے۔ خیر حمد و نعت سے مستفید ہو کر در جواب آں میں آن رکے۔ اقرا اصغیر، اللہ آپ کو اور بہو بیٹے کو صبر کا صلہ عطا فرمائے۔ ڈاکٹر تنویر آپ کو کتاب کی اشاعت پر مبارکباد۔ سلمیٰ عنایت آپ کو عمرے کی مبارکباد۔ نازیہ نازی، دل کے ایوانوں میں بستی جیسی آپ کی زمانے میں ہارون آباد تک آپ کو ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر آپ ملی نہیں جلدی سے واپسی آجائیے۔ ربنا آتنا سے فیض یاب ہونے کے بعد رقیہ ناز میلسی کو پڑھا اچھا لگا۔ پھر ہم پہنچے "اکائی" تمہارا نام جنت بیگم کس نے رکھ دیا تھا تمہارا نام تو دوزخ بیگم ہونا چاہیے تھا۔ ان حالات میں وقار الحق کیا کرے، اس کے ایک شعر

پھر دل نے کیا ترک تعلق کا ارادہ
پھر تجھ سے ملاقات کے پہلو نکل آئے

"کچھ عشق تھا کچھ مجبوری" فاریہ نے بالکل ٹھیک کیا اور اسے بھی قربانی کا خوب صلہ ملا۔ "نیلا دل" یاسمین نشاط کا نئے سال کی آمد پر خوب صورت ناول، ہانیہ جرار کے لیے

سوز فراق یار میں مرنا نہیں کمال
مر مر کے ہجر یار میں جینا کمال ہے

اس سے آگے سکینزہ کھڑی تھی وجاہت سے ناراض سی ادھر سے ہاجرہ کی آنکھوں میں نارسائی کے زخم ہرے تھے تو دل اداس

اداسی جن کے دل میں ہو اسی کی نیند اڑتی ہے
کسی کو اپنی آنکھ سے کوئی سپنا نہیں دینا

باقی افسانے سارے ہی کمال کے تھے۔ "تو ہمراز میرا" شکر ہے زویا کو جلدی عقل آ گئی۔ "اوقات سے بڑھ کر" اللہ اوقات سے بڑھ کر ہمیشہ اسے نوازتا ہے۔ جو اس قابل ہو۔ "تو ملا جسے دعا ملے" دکھوں کے دن جتنے لمبے ہوں آخر کٹ جاتے ہیں جیسے عروسہ کے۔ "بیاض دل" میں سب نے خوب کہی، ڈش مقابلہ سردیوں کے دن نکل جائیں، پھر لسٹرائیاں ماریں گے ویسے اچھی خاصی کوکنگ کر لیتی ہوں۔ "نیرنگ خیال" پاک آرمی کے نام پیغام ہو یا صحراؤں کی بات یا پھر علمہ کا بچپن سب ہی کمال کی تھیں۔ آئینہ میں خوب صورت تارے جھلملا رہے تھے۔ عنبر مجید، ارم کمال، عائشہ پرویز، ماریہ نذیر، علشبہ خان، سب نے اچھا تبصرہ کیا۔ شمائلہ کاشف تاں بھئی آپ یہ تبصرہ نہیں کرتا مٹھائی کھلا کر پٹائی کر دیتی ہیں۔ ساری دوستیں کہاں غائب ہیں۔ آپی انیلا طالب، عنبرہ یونس، فائزہ

بھٹی، اقرا جٹ، جاذبہ عباسی، صائمہ سکندر، سب کہاں غائب ہیں۔ تبصرہ لمبا ہورہا ہے میں بھی اتنے عرصے بعد آئی ہوں۔ سو بنتا تو بنتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اجازت، خدا کرے آپ سب ہمیشہ خوش و خرم رہیں، جس کی خواہش کریں وہ پہلے ہی مل جائے۔

سودائے محمد سردار...... جڑانوالہ

عکس مری تحریر کا جانے کہاں گیا
شاید کہ اب کی بار آئینہ ناراض تھا

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ ماؤں، بہنوں، سکھیوں، سہیلیوں کو نیا سال مبارک ہو۔ ہدایت کی بارش ہو۔ بیماریوں سے خلاصی ہو۔ کمائی میں برکت ہو۔ ہر کام میں عظیم کامیابی ہو۔ دین میں سرخروئی ہو۔ اس بار کا تبصرہ لیے سودائے محمد حاضر ہے۔ سرورق، انہی کی دی پیاری پیاری شکلیں جانے کیوں میک اپ کی زیادتی سے بگاڑلی جاتی ہیں۔ اللہ رحم کرے۔ "سرگوشیاں" قیصر آرا ہم تو بچوں سے بھی ڈر کر رہتے ہیں اور ہر ملنے والے کو وقت دیتے ہیں آسانیاں فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حمد و نعت، سبحان اللہ۔ ہمارے دل کی باتیں لکھیں، حکیم خان جی نے۔ "در جواب آں" قیصر آرا، جناب اب تو ہمیں اس محفل نے خارج کر رکھا ہے۔ بہرحال دوبارہ بتادیں کہ آپ کو صحت مبارک ہو۔ ایسی بزم میں سدا جگمگاتی رہیں۔ سب جواب پڑھتے ضرور ہیں۔ "رینا اتنا" مشتاق بھیا کو آئیکل کا سہانا ساتھ مبارک ہو۔ اللہ ہمیں بھی کبھی توفیق دے آمین۔ "ہمارا آنچل" رقیہ ناز نے بھی ہمارے جیسی باتیں کی ہیں۔ "بیاض" حسب معمول بہترین تھا۔ "نیرنگ خیال" عمران فائق اچھا اضافہ ہیں۔ "دوست کا پیغام آئے" دوستوں یاد رکھنے کا شکریہ، ہم بھی آپ سب سے سیکھتے ہیں، باقی مدیرہ جی، ہم تو شاعری میں پیغام دینا پسند کرتے ہیں۔ ہاں مختصر تو لکھتے ہیں۔ اگر ڈھیروں کی بجائے "تمام" کا لفظ لکھا جائے تو جگہ کافی بچتی ہے اور مزید یہ کہ پیغام دیر بعد بھیجا جائے تاکہ سب کو موقع ملے۔ باقی مرضی آپ کی۔ "یادگار لمحے" یادگار ہی ہوتے ہیں۔ پروین افضل آپ کو شاہ زادہ منیب احسن کی بہت بہت مبارک۔ تیسری بار لکھ رہی ہوں۔ شاید اب پہنچ جائے۔ "آئینہ" میں پورا پاکستان دیکھ لیتے ہیں۔ سکون آجاتا ہے۔ غائب لوگوں کی مجبوری ہم سمجھتے ہیں۔ اس لیے موجود نہ پاکر دعا دے دیتے ہیں۔ تحمینہ نذیر، جویریہ وسی، بدر النساء بولان کو خصوصی دعائیں محسن کو پیار۔ "ہم سے پوچھیے" ہم کسی سے نہیں پوچھتے جناب۔ سوال جواب خود ہی چل کر آجاتے ہیں۔ البتہ شمائلہ کو دعا دیتی ہوں۔ (سمجھا کریں) "آپ کی صحت" ساس کے جانے کے بعد پھر سے جوان ہوتا ہے، کیونکہ انیس سال بعد بیٹا بہو اور دو پوتوں سمیت واپس آگیا ہے۔ نوکری بھی نہیں اور بیمار بھی ہے۔ بہو سلائی کرتی ہے۔ ہم "ریلو کٹے" کا کردار نبھائیں گے۔ کہانیاں پڑھنے کا وقت نہیں۔ تبصرے سے پڑھ کر سمجھ لیتے ہیں۔ اس بار "حمیقے دی مارے" کا اینڈ اور اکائی پوری پڑھی ہے۔ صرف عشنا کوثر سردار جی کی اکائی پڑھی ہے جس نے ہتھیلی پر سرسوں جمائی، مبارک ہو۔ اجازت۔

عطیہ ندیم خان...... بھکڑیے والی السلام علیکم امید کرتی ہوں آپ اپنی زیست میں ہمیں یاد کیے بنا خوش و خرم ہوں گی تبصرہ کی جانب نظر کرم ہو جائے سرورق نے پسندیدگی کی سند حاصل کی قیصرہ آپا کی سرگوشیوں سے مستفید ہوئے حمد و نعت سے دل کو منور کیا رینا اتنا سے روح تر و تازہ ہوئی انٹرویو بھی اچھا تھا سلسلہ وار ناول کو قبولیت کا شرف حاصل ہوا شبانہ شوکت کی تحریر بے مثال تھی نیلا دل اداس کرنے والی تحریر تھی افسانے سب سبق آموز تھے میمونہ رومان کی بزم میں سب کے اشعار اچھے تھے ڈش مقابلہ سے ہمارا کوئی لینا دینا نہیں ایمان وقار کی بزم جگمگ کررہی تھی دوست کا پیغام آئے میں بھی سب نے اچھا لکھا یادگار لمحے ہمیشہ کے لیے یاد رہ گیا شمائلہ کاشف ہمیں بھی شریک محفل کرلیں خدا حافظ۔



اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ رب العزت ملک پاکستان کی حفاظت فرمائے، اسے دشمن کی بدنظر سے محفوظ رکھے اور ہم سب کی پریشانیاں دور فرمائے آمین ثم آمین۔



شمائلہ کاشف

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س: میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین نے مجھ سے پوچھا ہے کہ سورج اور بیوی میں کیا بات قدرے مشترک ہے۔ میں کیا جواب دوں؟

ج: دونوں کو دور سے دیکھنا چاہیے ورنہ جل کے بھسم ہو جائیں گے۔

س: شادی والے دن میرے میاں جانی نے جب میرا گھونگھٹ اٹھایا تو بھلا پہلا لفظ کیا بولا تھا؟

ج: یہ چڑیل میری ہی قسمت میں لکھی تھی۔

س: دیکھا ہے پہلی بار...... بھلا کیا؟

ج: جیمپر اور کیا۔

ارم کمال...... فیصل آباد

س: شمائلہ جانو پچھلے سال تمہیں نئے سال کی خوشی میں گملا بھیجا تھا، اب پھول بھیج رہی ہوں قبول کرو۔

ج: یہ بھی بتادو کہ پھول اس گملے میں لگاؤں یا اپنے سر میں۔

س: جب پھولوں کی سیج کانٹوں بھرا جھاڑ بننے لگے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: کمال صاحب کو قابو کرنا چاہیے۔

سوال: انسان اپنی بے وقوفی پر کب خوشی محسوس کرتا ہے۔ سوچ کر بتانا؟

ج: جب وہ میرے دیئے گئے جوابوں کو پڑھتا ہے۔

س: کہتے ہیں کہ عورت یا تو محبت سے رام ہوتی ہے یا دولت سے تمہارا کیا خیال ہے شمائلہ جی؟

ج: پردے میں رہنے دو پردہ نہ اٹھاؤ۔

س: اگر جذبہ سچا ہو اور نیت صاف ہو تو کیا منزل مل جاتی ہے؟

ج: بالکل مل جاتی ہے۔ تمہیں تو کمال صاحب کی صورت مل بھی گئی۔

س: عورت جب روتی ہے تو ڈوپٹے سے منہ کیوں چھپا لیتی ہے۔

ج: تاکہ اس کی عمر نہ معلوم ہو جائے۔

س: دیرینہ خواہش کسے کہتے ہیں؟

ج: جو زرینہ کی صورت پوری ہو۔

س: بلب تو بجلی سے جلتا ہے اور دل......؟

ج: محبت سے۔

س: جلدی سے بتادو نقل کی عقل کے ساتھ کس قسم کی رشتے داری ہے؟

ج: جو تمہاری اور کمال صاحب کی ہے۔

نجم انجم اعوان...... کراچی

س: پرستان کی ملکہ آپ کی محفل میں تشریف لائی ہیں کیسا لگا؟

ج: کہاں ہے کون...... کس کو کہہ رہی ہو بھئی وضاحت بھی تو دو۔

س: دل دیتا ہے دہائی؟

ج: کبھی کوئی شادی نہ کرے...... اب کچھ نہیں ہو سکتا بہن۔

س: میری سالگرہ والے دن میرے ملک صاحب نے دل پر ہاتھ رکھ دیا بھلا کیوں؟

ج: تم نے اپنی عمر سولہ سال جو بتائی تھی اس لیے۔

س: غم دل کو ان آنکھوں سے چھلک جانا بھی آتا ہے؟ جواب دو۔

ج: سنبھالنا بھی ہم کو آتا ہے اور سمجھانا بھی خوب آتا ہے۔

س: شب تنہائی اور مچھروں کی لڑائی آخر کیا کروں؟

ج: ملک صاحب کو آگے کردو۔ آخر کو ان سے ملنے آئیں ہیں سرالی۔

س: ملک صاحب میری کوئی بات نہیں مانتے مشورہ تو دو کہ کیا کروں؟

ج: ان کی بہو آنے کا انتظار کرو۔ اس کے بعد وہ صرف تمہاری سنیں گے؟

فاخرہ صغیر...... آزاد کشمیر

س: شمائلہ آپی کیسی ہیں؟

ج: بہت خوب صورت، اسٹائلش اور ریوائنگ، جل گئیں ناں۔

س: پہلی بار آپ کی محفل میں آئے ہیں، خوش آمدید تو کہیں۔

ج: خوش آمدید۔
س: آپی جی گھر کے کام کرنے کا دل کیوں نہیں کرتا بھلا؟
ج: کیونکہ تم کام چور ہو اس لیے۔
س: میرے پیپر ہونے والے ہیں کوئی ایسا طریقہ بتادیں کہ سب کتابیں اچھے نمبرز سے پاس ہوجائیں؟
ج: پیپر تمہارے ہیں یا کتابوں کے جو پاس وہ ہوں گی۔ نالائق۔
س: آپی کوئی ایسا شعر سنائیں جسے پڑھ کر دل خوش بھی ہو اور اداس بھی؟
ج: عقل کی انی، میں شعر سناؤں گی تو تم پڑھو گی کیسے؟
س: آپی آج کل ہر تیسرا بندہ کہتا ہے مجھے تم سے محبت ہے۔
ج: اللہ اللہ مجھے تو آج تک کوئی ایسا نہیں ملا۔ اب بتاؤ تمہاری اس بات کا میں کیا مطلب لوں۔
س: آپی کالج دن کے بجائے رات کو کیوں نہیں لگتے؟
ج: اپنی امی حضور سے پوچھو اور وہ جو جواب دیں ہمیں بھی بتادینا۔
س: اچھا آپی میں جا رہی ہوں اچھی سی دعا دے کر رخصت کریں۔
ج: بہت ساری دعائیں تمہارے لیے اب خوش۔

ثمرہ گلزار...... کوٹلی گجرات

س: شمائلہ آپی آپ مجھے اپنی محفل میں کیوں نہیں جگہ دیتیں؟
ج: تم بہت موٹی ہو۔ میری محفل میں پوری نہیں آتیں اس لیے۔
س: آپی جب لڑکیاں مدیحہ نورین مہک کو منگنی کی مبارک باد دیتی ہیں تو آپ جل کیوں جاتی ہیں۔
ج: ابھی تو تم جلتی بجھتی لگ رہی ہو۔
س: تم سے ملنے کا ارادہ ہے۔ بھلا کس سے آپی؟
ج: اپنی نند کی بات کررہی ہو سب کو پتا ہے۔
س: آپی شمائلہ لڑکے کلین شیو کرواکر آلو جیسے کیوں لگتے ہیں (ہاہاہا)
ج: چھلے ہوئے آلو ناں، کھل کر کہو۔
س: آپی کم عمر دکھنے کے لیے لڑکے کلین شیو کرواتے ہیں، لڑکیاں کیا کریں وہ بھی کم عمر دکھیں؟
ج: بال کٹواتی ہیں بے وقوف۔
س: آپی جاتے جاتے کوئی اچھی سے دعا ہی دے دیں نا؟
ج: جمعرات کو آنا۔

عروسہ شہوار رفیع...... کالا گوجراں جہلم

س: دعا ہے لمحے کبھی ختم نہ ہوں، جن لمحوں میں آپ مسکراتی ہیں۔
ج: اور سب کہو ناں آمین۔
س: کچھ نہ ہونے پر میں اتنا لٹانے کا شوق رکھتی ہوں، اگر ہو تو کیا کروں؟
ج: کنجوسوں سے کلاسیں لوگی اور کیا۔
س: کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنی مرضی سے سب کچھ کرکے بھی خوش نہیں ہو پاتا تو کیوں؟
ج: چی چی...... بے چاری تم۔
س: میرے آئینۂ دل پر آج بھی آپ کا ہی عکس ہے، اپنا تو پھر آپ کا آئینۂ دل میرے عکس سے منکر ہوا جارہا ہے کیوں؟
ج: وہ صرف خوب صورت' اسمارٹ اور سخی دل لوگوں کے لیے ہے۔ تجھی کنجوس۔
س: دنیا آخر ان کی ہی خیریت کیوں پوچھتی ہے جو پہلے سے ہی خوش ہوں؟
ج: تم جیسوں کو جلانے کے لیے۔
س: اپنا شخصیت کی پرکھ کے لیے کیا پیمانہ ہے آپ کی نظر میں؟
ج: میری نظر میں تو بہت کچھ ہے تم نے کس کی شخصیت کو جانچنا ہے یہ بتاؤ۔
س: محبت، محبت الاپنے سے محبت زیادہ ہوجاتی ہے کیا؟
ج: پتا نہیں کیونکہ ابھی تک میں نے یہ راگ آلاپا نہیں۔
س: رویہ، احساس، خیال اور پیار محبت کو واضح نہیں کیا کرتا ہے؟
ج: دکھ کو...... سمجھیں عقل کی انی۔
س: کہتے ہیں جہاں بھی جاؤ اپنی خوشبو چھوڑ آؤ تاکہ لوگ اچھے الفاظ میں یاد رکھیں۔ میں اپنی قیمتی ترین پرفیوم کی شیشی ہی چھوڑ آئی تو پھر وہ مجھے کیوں یاد نہیں رکھتا؟
ج: خالی تھی اس لیے۔

آپ کی صحت

ڈاکٹر شائستہ سرفراز

زینب شاہ چکوال سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ گزشتہ دس سالوں سے میرے سر کے بالوں کی افزائش رکی ہوئی ہے اور میں بالکل گنجی ہو رہی ہوں، ہاتھ لگانے سے بھی بال جھڑنا شروع ہو جاتے ہیں عنقریب میری شادی ہے اس لیے ایسا حل اور دوا تجویز فرمادیں کہ میرا مسئلہ حل ہو جائے اور میرے بال لمبے اور گھنے ہو جائیں۔

محترمہ بالوں کا گرنا ہارمون پرابلم کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے آپ کالم کے آخر میں دیئے گئے کلینک نمبرز پر رابطہ کر کے مرض سے متعلق مزید معلومات وعلامات ڈاکٹر سے ڈسکس کرلیں تاکہ مناسب دوا تجویز کی جاسکے۔ اس کے علاوہ بالوں کی بہترین افزائش کے لیے APHRODITE HAIR GROWER منگوالیں ان شاء اللہ افاقہ ہوگا۔

ثانیہ شاہ جی پنجاب سے لکھتی ہیں کہ میری کزن کی ناک بہت بڑھی ہوئی ہے کوئی ایسی دوا بتائیں کہ ناک پتلی ہو جائے اور کوئی ایسی کریم بتادیں جس سے رنگ گورا اور داغ دھبے ختم ہو جائیں اس کے علاوہ میری دوست کا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز فرمادیں جو یہیں سے مل جائے۔

محترمہ ناک کی قدرتی ساخت میں رد و بدل کے ذریعے ممکن نہیں ہے اس کے لیے سرجری کرائی جاسکتی ہے لیکن اگر دائمی نزلہ زکام کی وجہ سے ناک کی ہڈی بڑھ گئی ہے تو اس کا علاج ممکن ہے دوسرے مسئلہ کے لیے آپ کلینک کے نمبرز پر رابطہ کریں آپ کو ذریعہ ڈاک گھر پہنچادی جائے گی۔

عائشہ عمر ضلع جھنگ سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 32 سال ہے۔ شادی کے وقت نہایت متناسب جسم تھا لیکن بچوں کی پیدائش کے بعد بہت موٹی ہوگئی ہوں، وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے چلنے پھرنے اور کام کرنے میں بھی مسئلہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میرے بال بہت ہلکے ہوگئے ہیں کوئی حل بتائیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BERRY Q کے پانچ قطرے آدھا گلاس پانی میں روزانہ ایک دفعہ پئیں روزانہ واک لازمی کریں مرغن کھانوں اور میٹھے کا استعمال کم کردیں اور دہی، دودھ کا استعمال بڑھادیں بالوں کی بہترین افزائش کے لیے رقم ایزی پیسہ کے ذریعہ بھیج دیں APHRODITE HAIR GROWER بذریعہ ڈاک بھیج دی جائے گی۔

مسز آمنہ جبار چکوال سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا رنگ بہت پھیکا ہے رنگ صاف کرنے کی دوا بتادیں، چہرے پر پرانے داغ دھبے ہیں اور ہونٹ بھی کالے ہیں۔ اس کا بھی حل بتادیں اور یہ بھی بتادیں کہ یہ دوائیں یہاں مل جائیں گی یا کراچی سے منگوانا پڑے گی۔

محترمہ رنگ اگر قدرتی طور پر کالا یا گورا ہے تو اسے مکمل طور پر تبدیل کرنا ممکن نہیں ہے دوا آپ کو بتا دیتے ہیں جس سے نسبتاً فرق پڑ سکتا ہے۔ آپ JUDIUM IM کے 10 قطرے آدھا گلاس پانی میں ہر 15 دن بعد پئیں دوا اگر ہومیو پیتھک اسٹور سے نہ ملے تو کلینک سے منگوائی جاسکتی ہے۔

شاہ احمد حیدرآباد سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 18 سال ہے میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا قد 4.8 ہے میں چاہتی ہوں کہ میرا قد بڑھ جائے اس کے علاوہ نسوانی حسن میں بھی کمی ہے جس کی وجہ سے میں بالکل بچی لگتی ہوں۔ بہت شرمندگی ہوتی ہے اور دل ہر وقت افسردہ اور پریشان رہنے لگا ہے۔ برائے مہربانی میرے مسئلے کا مناسب حل بتائیں بہت مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ Calcium phos 6x کی دو گولی دن میں تین مرتبہ کھائیں اور Barium Carb 200 کے پانچ قطرے آدھا گلاس پانی میں روزانہ ایک دفعہ پئیں اس سے آپ کا قد ان شاء اللہ بڑھ جائے گا۔ دوسرے مسئلے کے لیے ایزی پیسہ کرکے Breast Beauty اور دوا منگوالیں۔

بشریٰ ملتان سے لکھتی ہیں میرے بیٹے کی عمر 12 سال ہے شروع میں بالکل ٹھیک بات کرتا تھا لیکن قرآن حفظ کے لیے مدرسہ میں بٹھایا تو قاری صاحب کی مار کے خوف سے بات کرنے میں اٹکنے لگا ہے قرآن ماشاء اللہ حفظ ہوگیا ہے اور قرآن بالکل روانی سے پڑھتا ہے لیکن بات کرتے ہوئے اکثر ہکلاتا ہے برائے مہربانی دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ اپنے بیٹے کو Arnica Mont 30, Avgentiumnit30, Ars-lod 30, Arum Triph 30 چاروں سے 5 قطرے آدھے گلاس پانی میں دن میں تین ٹائم دیں ان دواؤں کا فل کورس ایزی پیسہ کرکے کلینک سے بھی منگوایا جاسکتا ہے۔

مسز تبسم گجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میں بہت پریشان ہوں شادی کو چھ سال ہوگئے لیکن اولاد نہیں ہے بہت جگہ سے علاج کرایا ہے ہر طرح کے ٹیسٹ کروائے ہیں تقریباً تمام ٹیسٹ نارمل آتے ہیں ماہواری بھی نارمل ہے برائے مہربانی کوئی علاج ممکن ہے تو مجھے بتائیں میں آپ کی ممنون ہوں گی۔

محترمہ آپ Nux Vomica 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں لینا شروع کریں اور کلینک کے نمبرز پر موجود ڈاکٹر سے رابطہ کریں ڈاکٹر کو علاج کے لیے جو رپورٹس درکار ہوں گی وہ بھجوادیں یا واٹس ایپ کردیں رپورٹس دیکھ کر ڈاکٹر علاج تجویز کریں گی۔ مسلسل علاج سے ان شاء اللہ آپ جلد مطلوبہ نتائج حاصل کرسکیں گی۔

ارم عزیز لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ Cuprum Met-30 کے پانچ قطرے دن میں تین مرتبہ آدھا گلاس پانی میں لیں ایک مہینہ استعمال کے بعد دوبارہ رابطہ کریں۔

ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا کلینک

ایڈریس: دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2 سیکٹر B - 14 نارتھ کراچی 75850 فون نمبر 021-36997059 صبح دس تا شام چار بجے۔

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر 0349-4900800 خط لکھنے کا پتا آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی۔

hashim.mirza@aphrodite.com.pk

